رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۱۱

زمانہ

مرتبہ منشی دیا نرائن نگم بی۔ اے،

جلد ۳۸ | جنوری سنہ ۱۹۲۲ء | نمبر ۱

فہرست مضامین

تصویر۔ مان لیلا (رنگین)

زمانہ پریس کانپور سے شایع ہوا

قیمت رسالہ زمانہ۔ ممالک غیر سے ۶ روپے سالانہ ششماہی للعہ ہندوستان کیلئے ششماہی ۳ روپے



زمانہ

جلد ۳۸ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء نمبر ۲۲۶

سلطنت برطانیہ

روئے زمین کی تمام سلطنتیں مرتبہ میں برطانیہ سے کم ہیں۔ کوئی براعظم ایسا نہیں جسکے کسی نہ کسی حصہ پر برطانیہ کا کم و بیش سایہ نہو۔ یہ نتیجہ ہی اُس محبت و جفاکشی کا جو اہل برطانیہ اپنی مادّی ترقی کے دُھن میں گذشتہ چار سو برس سے کر رہے ہیں ملکہ الیزبتھ کے وقت میں سلطنت برطانیہ گریٹ برٹن اور آئرلینڈ کے قلیل رقبہ میں محدود تھی لیکن اس حوصلہ مند فرمانروائے ملک کی امداد و ہمت افزائی نے اہل انگلینڈ کو اپنے گرد و پیش دور دراز ملکوں کی طرف متوجہ کیا اور اس حوصلہ مند قوم نے یکے بعد دیگرے اُن مقامات پر قبضہ کرنا شروع کیا جہاں یورپین تہذیب کی ہوا تک نہ پہونچی تھی آخرکار توسیع سلطنت کی ہوس نے اس فاتح قوم کو مفتوحہ مقامات پر آباد ہوکر تعلقات بڑھانے پر مجبور کیا۔ اور رفتہ رفتہ تمدن اور حکومت کی رفتار کے ساتھ ان نوآبادیوں کے طرز حکومت میں نمایاں تبدیلیاں ہوتی رہیں اور آخرکار نوآبادیوں کے تمام جدید باشندوں میں انگلش تہذیب کی بو باس گھر کر گئی اور اسی روش پر چلنا سیکھ گئے اس لحاظ سے یہ کہنا بھی بیجا نہیں کہ نوآبادیوں کی جدید نسل انگریزوں کی معنوی اولاد ہے چنانچہ کناڈا وغیرہ میں عرصہ سے نہ صرف انگلستان کا سا ذمہ وار طرز حکومت قائم ہے بلکہ وہاں

کے باشندون نے اپنے ملکی نظام حکومت مین خودمختار ہین -

برٹش ایمپائر کی نوآبادیان باعتبار طرز حکومت کے دو اقسام مین تقسیم ہوسکتی ہین اول کراون کالونیز (CROWN KALONIZ) یعنی وہ نوآبادیان جنمین برطانوی گورنمنٹ براہ راست حکومت کرتی ہو - یہ وہ مقامات ہین جہان یا تو انگریزی نسل کے لوگ بکثرت آباد نہین ہوئے یا جو امپیریل پالیسی کے لحاظ سے اس قابل نہین سمجھے جاتے کہ انکو حکومت خود اختیاری عطا کی جاوے اگرچہ اکثر نوآبادیون مین منتخبہ کونسلین قائم ہین دویم ڈومینینس یعنی وہ نوآبادیان جو ملکی نظام حکومت مین پورے طور پر خودمختار ہین اور صرف چند امور خارجیہ مین گورنمنٹ برطانیہ سے وابستہ ہین - کراون کالونیز کے بارے مین اس جگہ صرف اسقدر کہنا کافی ہو کہ انکی حیثیت برطانوی مقبوضات کی سی ہو اور ہر نوآبادی کے لیے ایسا طرز حکومت قائم کیا گیا ہے جو برٹش ایمپائر کے اقتدار اور بہبودی کے لیے حکمران برطانیہ کی نظرون میں مفید ملوم ہو - مگر ڈومینینس کی حالت دوسری ہے انکو یہان تک اختیارات ہین کہ وہ ایسے قوانین نافذ کرین جو حکمرایان برطانیہ کی مرضی کے خلاف ہون اسلیے انکا مقابلہ خودمختار سلطنتون سے ہوسکتا ہے - انکی تعداد اسوقت پانچ ہے -

(۱) ڈومینین آف کناڈا -

(۲) کامن ویلتھ آف آسٹریلیا -

(۳) ڈومینین آف نیوزیلینڈ -

(۴) یونین آف ساوتھ افریقہ (جنوبی افریقہ)

(۵) نیوفاونڈلینڈ -

متذکرۂ بالا نوآبادیون کے نظم ونسق پر غور کرنے سے پیشتر انکی گذشتہ تواریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی حالت کیا سے کیا ہوگئی - نوآبادیان صرف اسی سلطنت کے ساتھ وابستہ ہوسکتی ہین جو اپنی مملکت مین کسی بیرونی قوت کی دست نگر نہون بلکہ اسکے باشندے خود توسیع تجارت و توسیع تعلقات کی دھن مین اپنے ملک سے باہر قدم نکالکر اپنے سے کمزور ملک خواہ قوم پر اپنا سکہ جمائین اور رفتہ رفتہ استقرار کرے

تعلقات پیدا کرلین کہ وہان خود آباد ہوجائین یا کم از کم اپنی صنعت وتجارت کے لیے اسکو اپنا بازار بنائین۔ اسی طرح یورپین اقوام مین سے ہرایک نے اپنی نوآبادیان قائم کی ہین کناڈا مین برٹش نوآبادی قائم کرنیکی باقاعدہ ابتدا ۱۶۷۰ء مین ہوئی جبکہ ہڈسن بے کمپنی کو شاہ انگلستان نے چارٹر عطا فرمایا تھا۔ مگر وہان پر فرانسسی قوم نے پہلے سے اپنا سکہ جمارکھا تھا چنانچہ کچھ زمانے تک انگریزون اور فرانسیسیون کے درمیان کشمکش رہی ۱۷۶۳ء مین باضابطہ طور پر کناڈا کا الحاق سلطنت برطانیہ کے ساتھ کردیا گیا اور ۱۷۶۳ء مین فرانسیسی کناڈا بھی ایمپائر مین شامل ہوجانیکے بعد کناڈا بطور کراون کالونی کے شمار کیا جانے لگا۔ ۱۷۹۱ء مین ایک مجلس قانون سازی قائم ہوئی اور کناڈا کو دو صوبون (اپر کناڈا اور لوور کناڈا) مین تقسیم کردیا گیا۔ نووا اسکوٹیا و پرنس اڈورڈ اور نیو برنوک کی نوآبادیان بھی اٹھاروین صدی مین قائم ہوگئی تھین اور ان سب مین گورنر اور ایک کونسل ایگزیکٹیو اور لیجسلیٹو فرایض انجام دیتے تھے۔ متعینہ کونسل کے ساتھ ایک غیر ذمہ دار ایگزیکٹیو گورنمنٹ کی موجودگی نے کناڈا مین ایک عجیب بےچینی پیدا کررکھی تھی چنانچہ حکومت سے ناراضگی اور آپس کی پھوٹ نے انقلاب پیدا کردیے آخرکار لارڈ ڈرہم نے اپنی تحقیقات کی بناپر آئینی حکومت مین اصطلاحات کی سفارش کی جسکا نتیجہ برٹش نارتھ امریکہ ایکٹ ۱۸۶۷ء کی شکل مین نمودار ہوا۔ اب کناڈا ایک ڈومینینس بنگیا اور مختلف نوآبادیان جو ڈومینین آف کناڈا مین شامل کی گئین وہ اسکے صوبے ہوگئے۔ برٹش کولمبیا۔ جزیرہ پرنس اڈورڈ اور شمالی و مغربی مقبوضات گو اسوقت عملی طور پر کناڈا مین شامل نہین ہوتے تھے لیکن قانون مین اسکی اجازت دیدی گئی تھی اور آخرکار وہ بھی کناڈا کا جز بنگئے ۱۸۶۷ء کے ایکٹ کے مطابق کناڈا مین اصولاً برطانیہ کے طرز کا آئین قائم ہوگیا۔

آسٹریلیا مین نوآبادیون کی عمر مقابلتاً کم ہے اور انکی پیدائش بھی انوکھے طرز کی ہے آسٹریلیا کے دریافت کرنے کا سہرہ کپتان کوک کے سر پر باندھا گیا تھا۔ یہ اٹھاروین صدی کا وہ آخری زمانہ تھا جبکہ انگلستان مین بھی بغاوت کے الزام مین لوگ جلاوطن کیے جاتے تھے۔ ان مجرمون کی آبادی نے آسٹریلیا کو نوآبادی بنادیا جسکا باقاعدہ اعلان ۱۷۸۶ء

مین کیا گیا۔ ۱۸۲۳ء تک گورنر اپنی ذاتی رائے کے مطابق حکومت کرتا تھا مگر آزاد منش آدمیون کی زیادتی نے آخرکار قانونی کونسل قائم کرائی گو کہ اسوقت جملہ ممبران نامزدہ تھے مگر رفتہ رفتہ منتخبہ ممبران مین اضافہ ہوتا رہا۔ تسمانیہ۔ مغربی آسٹریلیا۔ وکٹوریا اور جنوبی آسٹریلیا کی نوآبادیان بھی اُنیسوین صدی کی ابتدا مین قائم ہوئین۔ اور تقریباً نصف صدی تک گورنر کی مطلق العنان حکومت کے زیر اثر رہین اور انمین بھی رفتہ رفتہ آئینی اصلاحات ہوتی رہین۔ ان تمام نوآبادیون کی درمیانی کشمکش اور جرمنی کے ہمسائگی کے خوف کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ آپس مین ایسا رشتۂ اتحاد ہونا چاہیے کہ مصیبت و ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے کام آئین چنانچہ کامن ویلتھ آف آسٹریلیا ایکٹ سنہ ۱۹۰۰ء پاس ہوا جسکے بموجب نیو ساوتھ ویلز۔ وکٹوریا۔ جنوبی آسٹریلیا۔ کوئنس لینڈ اور تسمانیہ کی ایک متحدہ حکومت زیر سایہ سلطنت برطانیہ قائم ہوگئی۔

نیوزیلینڈ کا الحاق ۱۸۴۰ء مین سلطنت برطانیہ کے ساتھ کیا گیا۔ مگر اُنیسوین صدی کی ابتدا مین نیو ساوتھ ویلز کے باشندون نے نیوزیلینڈ پر اپنا اثر ڈالا اور کچھ دنون تک نیوزیلینڈ نیو ساوتھ ویلز کے ماتحت رہا۔ آخرکار ۱۸۳۹ء مین برطانوی حکومت قائم ہوگئی ۱۸۴۱ء مین ایک گورنر اور کونسل مقرر کیے گئے جنکو انتظامی اور قانونی دونون اختیارات حاصل تھے اور نیوزیلینڈ ایک کراون کالونی بنگیا۔ مگر نیوزیلینڈ مین جو انگریز آباد ہوے تھے اُنکی آزادخیالی کی وجہ سے نظام حکومت مین تبدیلی ضرور معلوم ہوئی۔ ۱۸۵۲ء مین ایک قانون پاس ہوا جسکے بموجب نیوزیلینڈ مین گورنر اور ایک نامزدہ لیجسلیٹو کونسل اور ایک منتخبہ ہاؤس آف ریپریزنٹیٹوز قائم کیے گئے اور کل ڈومینسن کو چھ صوبون مین تقسیم کیا گیا اسطور پر ذمہ دار حکومت کا خاکہ ۱۸۵۲ء مین تیار کر دیا گیا اور ۱۸۵۶ء مین حکومت واقعی طور پر ذمہ دار کر دی گئی۔

نیو فاؤنڈ لینڈ بھی کناڈا کی طرح عرصہ تک انگریزون اور فرانسیسیون کی جد و جہد کا تختہ رہتا رہا۔ مگر کناڈا کے ساتھ ساتھ نیو فاؤنڈ لینڈ بھی سلطنت برطانیہ مین شامل ہوگیا اس جزیرہ کی حکومت کے لیے انگلستان سے افسرون کی تقرری ہوا کرتی تھی ۱۸۳۲ء مین

منتخبہ لیجسلیٹیو اسمبلی اور ایک ایگزیکٹیو کونسل قائم ہوئی مگر باشندگان کا تقاضا ذمہ دار حکومت کا تھا چنانچہ ۱۸۵۶ء مین ایگزیکٹیو کونسل اور لیجسلیٹیو اسمبلی کے تعلقات کی تراش خراش اسطور پر کی گئی کہ حکومت نمایندگان رعایا کے سامنے ذمہ دار ہو-

جنوبی افریقہ اسوقت مختلف نوآبادیون کا مجموعہ ہے - کیپ کالونی پر انگریزون کی باقاعدہ حکومت ۱۸۱۴ء سے شروع ہوئی ۱۸۲۵ء مین گورنر اور کونسل قائم کیے گئے اس کونسل مین جملہ ممبران نامزد تھے ۱۸۵۳ء سے ممبران کونسل منتخبہ ہونے لگے اور ذمہ دار حکومت ۱۸۷۲ء مین قائم کردی گئی - نٹال پر انگریزی اثر ۱۸۲۴ء مین شروع ہوا مگر بوئرون نے ۱۸۳۸ء مین قبضہ کرلیا جسے انگریزون نے ۱۸۴۳ء مین پھر چھین لیا اور اسکی حکومت کیپ کالونی کے ماتحت کردی گئی لیکن بعد مین نٹال کا نظام حکومت بھی بطور ایک علحدہ کالونی کے بنا دیا گیا - ۱۸۹۳ء مین نٹال مین ذمہ دار حکومت قائم کردی گئی - آرینج ریور اور ٹرانسوال ۱۸۴۸ء مین شامل کیے گئے تھے مگر بوئرون نے رفتہ رفتہ اپنا اثر قائم کرلیا - ۱۹۰۲ء مین جب بوئرون سے برطانیہ نے صلح کی اسوقت ان دونون نوآبادیون مین گورنر اور کونسلین قائم ہوئین - ٹرانسوال مین ذمہ دار حکومت ۱۹۰۶ء مین اور آرینج ریور کالونی مین ۱۹۰۷ء مین قائم کردی گئی - ۱۹۰۹ء مین ساوتھ افریقہ ایکٹ پاس کیا گیا جسکے ذریعہ مندرجۂ بالا چارون نوآبادیان کی متحدہ گورنمنٹ زیر سایہ سلطنت برطانیہ قائم ہوگئی اور نوآبادیان ساوتھ افریقہ کے صوبے ہوگئین

گویا کہ جو آبادیان عموماً سترھوین صدی مین دریافت ہوئی تھین اور جنہین حضرت انسان کے مہذب فرقہ نے باقاعدہ طور پر رہنے بودوباش ابتداء اٹھاروین صدی سے شروع کی ان سب نے انیسوین صدی کے دوران مین اپنے ملکی زرومال پر پورا قابو کرلیا - آج نوآبادیان اپنے اپنے ملک مین خوداختیاری کا بجا فخر کرتی ہین - یعنی حکومت نمایندگان رعایا کے سامنے جوابدہ ہے - مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ نوآبادیان آخر کار جزو سلطنت برطانیہ ہین لہذا نوآبادیون اور برطانیہ عظمی کے درمیانی تعلقات دلچسپی سے خالی نہین - کیونکہ قانون سازی مین انتہائی خودمختاری حاصل

ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نوآبادیون کے افعال برطانیہ کے لیے مضر ثابت ہون یا کم از کم امپیریل رعب وداب پر برا اثر پڑے۔ عملی طور پر ایسے قواعد مرتب کیے گئے ہین کہ ایسی کشیدگی پیدا نہ ہوسکے۔

سلطنت برطانیہ خالص جمہوریت کا دعوی نہین کرتی بلکہ یہان کا والی حکمران سمجھا جاتا ہے اور جملہ احکامات سلطان المعظم کے نام سے صادر کیے جاتے ہین۔ ملک معظم اپنے افعال کے لیے رعایا کے سامنے جوابدہ نہین ہین۔ مگر وہ اپنے وزرا کے مشورہ سے کام کرتے ہین حقیقتاً یہی مشورہ برطانیہ کی حکومت ہے اور وزرا اپنے مشورہ کے لیے ایوان پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہین۔ حکومت سے غلطی صادر ہونے پر والی ملک اپنے تخت وتاج سے محروم نہین کیے جاسکتے مگر وزرا اپنے عہدون سے علٰحدہ ہوتے ہین۔ نوآبادیون مین بجاے سلطان المعظم کے انکے قائم مقام مقرر کیے جاتے ہین اور عملی طور پر انکو جملہ شاہی اختیارات حاصل ہین بجز ان اختیارات کے جو صرف خودمختار سلطنتون کا حصہ ہین مثلاً جنگ کا اعلان کرنا۔ سکہ رائج کرنا وغیرہ۔ ایسے امور مین نوآبادیان برطانیہ عظمی کی ماتحت ہین مثلاً کناڈا اگر امریکہ کے خلاف جنگ کرنا چاہے تو بلا رضامندی برطانیہ عظمی کے نہین کرسکتا نوآبادیون کو ایسے قوانین بنانے کا اختیار بھی نہین ہے جنکا اثر نوآبادیون کے حدود سے تجاوز کرجائے مثلاً ایسے مجرمون کے مقدمے نوآبادی پارلیمنٹ کے قانون کے مطابق نہین ہوسکتے جنکا ارتکاب جرم نوآبادیون کے حدود سے باہر ہوا ہو۔

بین الاقوامی معاملات مین جنکا تعلق نوآبادیون سے مخصوص نہ ہو بلکہ انکا اثر برٹش ایمپائر اور دیگر خودمختار سلطنتون کے درمیانی تعلقات پر ہو امپیریل گورنمنٹ کو پورا قابو ہے عام اس سے کہ نوآبادیان ان معاملات مین امپیریل گورنمنٹ کی راے سے اتفاق کرین یا نہ کرین مثلاً جب برٹش گورنمنٹ نے جرمنی سے اعلان جنگ کیا اسوقت نوآبادیون کی راے شامل نہ تھی گو انھون نے بعد مین اعلان جنگ مین اتفاق کیا تھا۔ مگر جنگ یورپ نے زاویہ نظر کو اسقدر تبدیل کردیا کہ جو بات قبل از جنگ زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھی وہ دوران جنگ مین عملی طور پر ممکن ہوگئی۔ بین الاقوامی معاملات مین نوآبادیون کا وہ

مرتبہ اصولاً نہین ہوسکتا جو خود مختار سلطنتون کو حاصل ہے یعنی خود مختار سلطنتین آپسمین براہ راست تعلقات پیدا کرسکتی ہین لیکن نوآبادیون کو یہ حق حاصل نہین ہی نوآبادیون نے اس معاملہ مین بھی قدم بڑھانا شروع کردیا اور ۱۹۱۲ء مین جو بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اسمین نوآبادیون کو اپنے خاص نمایندے بھیجنے کا حق حاصل ہوگیا جنگ یورپ نے آبادیون کے لیے ایک مزید موقع اپنے حقوق مین اضافہ کرنے کا پیدا کردیا۔ انکا دعوی تھا کہ صلح کے موقع پر انکو کم ازکم اتنے اختیارات ملنے چاہئین جو چھوٹی چھوٹی اتحادی سلطنتون کو حاصل تھے۔ آخرش یہ طے ہوا کہ سلطنت برطانیہ کو پانچ ڈیلیگیٹ بھیجنے کا حق ہو جسمین نوآبادیون کی شرکت ہو مگر جب کسی امر پر راے دہی کا موقع آوے سلطنت برطانیہ کا ایک ووٹ بحیثیت مجموعی شمار کیا جاے۔ اسطرح پر سلطنت کی یکجہتی بھی قائم رہی اور بین الاقوامی معاملات مین نوآبادیون کو خاص مرتبہ بھی حاصل ہوگیا مجلس بین الاقوامی ( ) مین اب نوآبادیان تین ڈیلیگیٹ بھیج سکتی ہین گو لیگ کی کونسل مین برٹش ایمپائر بحیثیت ایک متحدہ سلطنت کے شریک ہوتی ہی امور ات خارجیہ مین سے ان معاملات مین جو آبادیون سے خاص تعلق رکھتے ہون نوآبادیون کو بہت زیادہ اختیارات ہین۔ ایسے کسی معاہدہ کی پابند نوآبادیان نہین ہین جو امپیریل گورنمنٹ نے بلا اُنکی رضامندی کے تکمیل کیے ہون اصولاً امپیریل گورنمنٹ ہی کو ایسے معاہدون کی تکمیل کا استحقاق ہی لیکن سمجھوتہ یہ ہی کہ جس نوآبادی سے اُن امور کا تعلق ہی اُس کے نمایندے (نہ کہ امپیریل گورنمنٹ کے ڈیلیگیٹ) معاملات طے کرنیکے لیے بھیجے جائین۔ صرف دو باتونکو ملحوظ خاطر رکھنا اُن نمایندون کیلیے ضروری ہی اول غیر ممالک فریق ثانی کو بھی ایسی رعایت اُس نوآبادی کے لیے مخصوص نہ کرے جس سے سلطنت برطانیہ کے کسی دوسرے حصہ کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہو دوم یہ کہ اُس نوآبادی نے جو جو رعایات غیر ممالک کے حق مین روا رکھی ہین وہ برطانیہ کے لیے بھی روا رکھی جائین۔ اسطرح پر نوآبادیون کے نمایندے غیر اقوام سے براہ راست تجارتی تعلقات پیدا کرسکتے ہین۔

نوآبادیون کا ملکی نظام حکومت قریب قریب کلیتاً آئین برطانیہ کی نقل ہے۔ ہر ایک

نو آبادی مین ڈبل ایوان کی پارلیمنٹ قائم ہے گو ایوانون کے نام مین کسی قدر اختلاف ہے۔ کناڈا مین دار العوام کا نام ہاؤس آف کامنس ہے۔ آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ مین اسکو ہاؤس آف ریپریزنٹیٹوز کہتے ہین۔ نیوفاؤنڈلینڈ اور جنوبی افریقہ مین اسکا نام لیجسلیٹو اسمبلی اور ہاؤس آف اسمبلی رکھا گیا ہے۔ دوسرے ایوان کے نام مین برطانیہ کے بجائے امریکہ کی نقل کی گئی ہے۔ کناڈا۔ آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ مین اسکا نام سینیٹ ہے اور بقیہ دو نو آبادیون مین اس ایوان کا نام لیجسلیٹو کونسل رکھا گیا ہے۔ تعداد نمایندگان مین ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت نہین۔ مثلاً نیوفاؤنڈلینڈ کی اسمبلی مین ۳۶ ممبر ہین مگر کناڈا مین ممبران ہاؤس آف کامنس کی تعداد ۲۳۴ ہے۔ نو آبادیون کے صوبجات مین بھی اسی طور پر پارلیمنٹین قائم ہین اور بجز کناڈا کے صوبجات کے جملہ پارلیمنٹون مین دو ایوان ہین۔ منتخب کنندگان کے لیے سوائے ایک خاص عمر اور ایک خاص عرصہ تک کی آبادی کے اور کوئی شرط نہین اسی طرح پر عموماً ۲۵۰۰۰ باشندون کو ایک نمایندہ بھیجنے کا حق ہے۔ عورتون کو حق انتخاب مردون کے برابر حاصل ہین گو انھون نے ابھی تک اس امر مین کوئی نمایان حصہ نہین لیا۔ ممبران پارلیمنٹ کی تنخواہین مقرر ہین مثلاً آسٹریا مین ایکہزار پاؤنڈ سالانہ۔ کناڈا مین آٹھ سو پاؤنڈ سالانہ۔ ہر دو ایوان کے درمیانی تعلقات قریب قریب ایسے ہی ہین جیسے کہ برٹش پارلیمنٹ مین۔

دار العوام مین تو سب جگہ عوام کے نمایندے ہوتے ہین مگر دوسرے ایوان مین بھی کسی قدر انتخاب کا عنصر شامل ہے مگر اسمین زیادہ تر نامزدگی عمل مین لائی جاتی ہے۔ ہر دو ایوان کو ملا کر ممبران اسطور پر پارلیمنٹ مین شامل ہو جاتے ہین کہ ہر فرقہ و ہر طبقہ کے لوگون کی نمایندگی ہو سکے۔ مگر یہان پر اس مسئلہ کی ناخوشگوار موجودگی پائی جاتی ہے جسکی بنا پر اہل مغرب مشرقی اور مغربی تہذیب مین یگانگت پیدا کرنا اپنے لیے باعث ذلت سمجھتے ہین اور اسطرح پر رنگ اور نسل کی تفریق و تمیز پر اصرار کیا جاتا ہے۔ مثلاً جنوبی افریقہ مین ہندوستانیون کو حق انتخاب نہین ہے اہل ہند جو جنوبی افریقہ مین آباد ہین بوجہ اسکے کہ گورنمنٹ پر اپنا اثر نہین ڈال سکتے ہمیشہ رنگ کی بنا پر ذلیل و خوار رہتے ہین اور

مہاتما گاندھی کی اُن عظیم الشان خدمات کے بغیر جو اُنھون نے ۱۹۱۴ء تک اپنی طبعی و اکرام اور جان و مال کو نثار کر کے انجام دی ہین جنوبی افریقہ سے اہل ہند شاید نیست و نابود ہوگئے ہوتے یا کم از کم کتنے ولیون سے زیادہ کم وقعت ہوتے۔

گورنمنٹ ہند کی حال کی کارگذاریون سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند کی افسوسناک حالت مین ایک بہت بڑی تبدیلی واقع ہو رہی ہے مگر یہ امر قابل افسوس ہے کہ اس گفتگو سے صلح مین بھی گورنمنٹ کا لہجہ ایک بیکس قوم کے وکیل کا ہے۔ وہ نوآبادیون سے رعایت کی طلبگار رہے نہ یہ کہ اہل ہند کے اُن حقوق کو محفوظ رکھے جو اُنکو قدرت نے عطا فرمائے ہین اور جنکی حفاظت اور امانت کے لیے برٹش گورنمنٹ اپنی اخلاقی پابندی کا بیڑا اُٹھا چکی ہے۔

ذمہ دار حکومت کے رائج ہونے سے جو خاص فوائد نوآبادیون کو ہوے وہ مختصر طور سے یہ ہین کہ اولاً اندرونی نظم و نسق مین نوآبادیان بالکل خودمختار ہین یہان تک کہ برطانیہ عظمیٰ کو دخل دینے کا مجاز نہین ہے۔ دوم یہ کہ نوآبادیان غیر اقوام کے ساتھ تجارتی عہدناموں کی تکمیل اپنی مرضی کے مطابق کرسکتی ہین۔ ان دونون باتون مین برطانیہ عظمیٰ کی امپیریل پالیسی اور سلطنت کے دیگر حصص کو ضرر نہ پہونچے۔ سوم یہ کہ نوآبادی خودمختاری کی ایک حد ہے یعنی مکمل طور پر خودمختار سلطنت کے لیے جو حقوق محدود ہین نوآبادیان اُنکا دعوی نہین کرسکتین۔ مثلاً ممالک غیر سے جنگ چھیڑنا۔ مگر ہندوستان کے معاملہ مین نوآبادی طرز حکومت دیتے وقت یہ خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ جن نوآبادیون مین ذمہ دار حکومت رائج ہے وہ سب اولاً انگریزی نسل سے آباد ہین۔ دوسرے خط حارہ سے دور واقع ہوئی ہین یعنی بقول ایک مصنف کے گرم ممالک ذمہ دار حکومت کے اہل نہین ہوسکتے۔ اسکی وجہ شاید یہ ہو کہ گرم ممالک مین اہل انگلینڈ ہمیشہ کے لیے آباد نہین ہوسکتے اور چونکہ آزادی صرف یورپین اقوام کے لیے قدرت نے پیدا کی ہے اسلیے گرم ممالک کے باشندے اسکے مستحق نہین ہین۔

یہ خیال (جہان تک اصول کا تعلق ہے) اب ہندوستان کی بابت برٹش گورنمنٹ کی آیندہ پالیسی کا اعلان ہونے سے غلط قرار دیا گیا۔ البتہ ابھی اس دور جدید کو

عملی پالیٹکس مین آنے مین کچھ دیر معلوم ہوتی ہے ورنہ کیا سبب ہو کہ جنوبی افریقہ کے ہندوستانی باشندون کے ساتھ ایسا برتاؤ روا رکھا جاوے جسکو اہل ہند اپنے لیے باعث ذلت وشرم سمجھتے ہین اور جو اصولاً بھی نوآبادیکے حقوق کی حدود سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہی یعنی وہ ایسے قوانین نافذ نہین کرسکتے جو سلطنت برطانیہ کے دوسرے حصہ کے لیے مضر ثابت ہون خیر ہمکو امید کرنا چاہیے کہ اس ناخوشگوار طریقہ کا خاتمہ بہت جلد ہوجائیگا اور برٹش ایمپائر کے ہر ایک حصہ کو فخر کرنے کا موقع ملے گا کہ وہ ایک بہترین سلطنت کے اجزا ہین۔

انت پرشاد نگم

پریس کی آزادی

دنیا مین کوئی ایسا انسٹیٹیوشن نہین ہی جسکی آزادی پریس کی آزادی سے زیادہ اہمیت رکھتی ہو۔ گورنمنٹین اسے ناپسند کرتی ہین۔ امرا اس سے اکثر نفرت کرتے ہین۔ کمینے اور خوشامدی اشخاص اس سے بیزار رہتے ہین۔ انقلاب پسند اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین۔ لیکن باوجود ان تمام باتون کے پریس کی آزادی اُن چند چیزون مین ہی جو پبلک آزادی کا حصار اور پبلک مفاد کو نقصان پہونچانیکی خفیہ سازشون کے تدارک کی ایک ضمانت ہی۔ پبلک فلاح کے ایک سرپرست کی حیثیت سے نہ تو خرچ نہ پارلیمنٹ اور نہ پبلک پلیٹ فارم پریس کا مقابلہ کرسکتے ہین اور نہ اس سے برتری لے جاسکتے ہین۔ ممتاز لکھنے والونکو اعزازات وخطابات سے سرفراز کیا گیا ہی۔ اُنپر بلا واسطہ وبالواسطہ دباؤ بھی ڈالا گیا ہی کہ اپنی رے کو اسکے بجائے کسی دوسری جانب منعطف کردین۔ اُنکی چاپلوسی وخوشامد کیجاتی ہی اُنکو چھوٹی چھوٹی خبرین مہیا کیجاتی ہین بعض اوقات اُنکی تذلیل وحقارت کیجاتی ہی اور یہ تمام باتین اسلیے کیجاتی ہین تاکہ اُنکو پبلک مفاد کے خلاف کام کرنے پر مائل کیا جائے۔ اخبار نویسون کو یہ ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اگر اُنھون نے ناواجب دباؤ یا کسی دوسرے وجوہ سے کچھ نہ لکھا تو وہ اُس اعتماد کے خلاف کام کرینگے جو اُنپر کیا گیا ہے۔

ہندوستان کی مالی پالیسی

جسوقت برائٹ اور کابڈن کی جد و جہد سے انگلستان مین آزاد تجارت کی اجازت ہوئی اور اشیاے درآمد اور برآمد پر سالانہ آمدنی کے خیال سے محاصل خاص کا آغاز ہوا توخیال کیا جاتا تھا کہ چندہی دنون مین ساری دنیا کھلی تجارت کے ماتحت ہوجائے گی بات یہ تھی کہ جن دلائل پر انگلستان مین حفاظتی محاصل کے برخلاف آواز بلند کیجاتی تھی انکی نسبت خیال کیا گیا تھا کہ وہ دنیا کے ہر ایک طبقہ اور زمانہ کے ہر دور کیلیے یکسان مفید ہین۔ ماہرین علم اقتصادیات کا بنایا ہوا قانون علم طبیعات کے قاعدون کی طرح ہروقت یکسان اثر پذیر تھا لیکن کھلی تجارت کے حامیون کی حیرت کی کوئی حد نہین رہی جبکہ کچھ عرصہ کے بعد ہی فرانس۔ جرمنی۔ امریکہ۔ کینیڈا اور دوسرے بڑے بڑے ملکون نے انگلستان کے ماہران علم اقتصادیات کے شور وغل کے باوجود حفاظتی محصول لگانے شروع کردیے لِسٹ نے جرمنی مین حفاظتی محصولون کے حق مین "قومی اقتصادیات" لکھکر علم اقتصادیات مین کچھ نئے باب کا آغاز کیا اور اسوقت سے اس علم کے ماہرون نے محسوس کرنا شروع کیا کہ اس جگہ کی اقتصادی ضروریات یکسان نہین اور اسلیے عالمگیر اقتصادی قوانین بنانا خطرہ سے خالی نہین۔ انگلستان کے ماہرین اقتصادیات پھربھی اپنی پرانی پالیسی پر قائم رہے اور گو حفاظتی محصولون کا دوردورہ دنیا کے سارے بڑے بڑے ملکون مین ہوگیا لیکن انگلستان نے کھلی تجارت مین اپنے خودساختہ کلیے کو نہین چھوڑا۔ اسکے متعلق ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ گو انگلستان نے انیسوین صدی کے وسط سے کھلی تجارت کی پالیسی بنائی تھی لیکن اس سے پہلے ڈیڑھ سو سال تک انگلستان بھی حفاظتی محصولونکے سہارے ہی اپنی تجارت کو بڑھا رہا تھا اسی حفاظتی پالیسی نے ہندوستان کی کاریگری کا ستیاناس کیا اور اسی مضرت رسان پالیسی نے اضلاع متحدہ امریکہ کے ساتھ ناانصافی کا بیج بویا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر انگلستان اس پالیسی کو اختیار نہ کرتا تو ممکن تھا کہ ہندوستان کے بنے ہوئے سوتی کپڑے کا

سے مکمل طور پر اپنی صنعت کو آگے بڑھا سکتا۔ غرضکہ انگلستان نے ڈیڑھ سو سال تک اس پالیسی سے کامل فائدہ اٹھالیا۔ اور اس پالیسی نے اُسے اس قابل بنا دیا کہ وہ اُنیسویں صدی کے وسط میں دنیا کو کھلا چیلنج دیسکے اور کسی قسم کی تجارت کے راستے میں رکاوٹ نہ ڈالے۔

جاپانی قوموں کے لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ اپنی صنعتوں میں ترقی کریں اور اسلیے انھوں نے بھی طریقے اختیار کیے جو انگلستان نے ڈیڑھ سو برس پہلے اختیار کیے تھے لیکن وہاں کے ماہرین علم اقتصادیات (پچھلے حالات کو پس پشت ڈال کے اور اپنے نئے دریافت کردہ قانون کو پیش کرکے) ساری دنیا میں یہی وعظ دیتے رہے کہ کھلے بندوں تجارت ہونی چاہیے بات یہ تھی کہ انگلستان کی صنعتوں نے اس درجہ ترقی کرلی تھی کہ اُسے اب کسی اور ملک سے مقابلہ کا خوف ہی نہ تھا لیکن رفتہ رفتہ دوسرے ملکوں نے بھی صنعت کے میدان میں قدم جمانا شروع کیا۔ جرمنی اور اضلاع متحدۂ امریکہ نے اپنی قدرتی طاقتوں کا استعمال کرنا شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کچھ صنعتوں میں انگلستان کا مقابلہ کرنیکے قابل ہوگئے اب انگلستان کے کارخانہ داروں کو فکر دامنگیر ہوئی اور ماہران علم اقتصادیات نے بھی صورت حالات کو حل طلب پایا اور انگلستان میں بھی حفاظتی محصولوں کے حق میں اُنیسویں صدی کے آخری حصہ میں صدائے احتجاج بلند ہونے لگی۔ جوں جوں مقابلہ بڑھتا گیا یہ آواز بھی بلند ہوتی گئی حتی کہ مسٹر چیمبرلین نے سلطنت برطانیہ کے مختلف حصوں کو ترجیحی حقوق دینے کی آڑ میں حفاظت کا ایک نیا طریقہ دریافت کیا۔ لڑائی سے پہلے تو اُنکی آواز کا کچھ زیادہ اثر نہوا لیکن لڑائی کے دنوں میں پچھلے سارے دلائل بھلا دیے گئے اور کچھ تو جنگ کی مجبوریوں سے اور کچھ حفاظت کے خیال سے حفاظت کے اس نئے طریقہ کی حمایت ہونی شروع ہوگئی۔ اور اسوقت یہ سوال علم اقتصادیات کے ماہروں کے ہاتھ سے نکلکر ملکی مدبروں کے ہاتھ میں چلا گیا۔

قدیم ماہران علم اقتصادیات کا یہ خیال کہ اقتصادی اُصول ہر جگہ یکساں طور پر استعمال کیے جاسکتے ہیں ہندوستان کیلیے بہت نقصان دہ ثابت ہوا۔ جب انگلستان کی بہتری اسر

بات مین تھی کہ باہر سے چیزین آنی بند کردی جائین تو ملکی مصلحتون کی بناپر یہ پالیسی اختیار کی گئی کہ ہندوستان کی صنعتین تباہ کردی جائین - جب انگلستان مین صنعتین زور پکڑ گئین اور کھلے بندون تجارت کا اصول فائدہ مند دکھائی دیا تو ہندوستان کو بھی اسمین شامل کرلیا گیا اور اگرچہ ساری دنیا اپنی ترقی تجارت کیلیے حفاظتی محصول بے تامل لگاتی ہو لیکن ہندوستان کو اس بات کی اجازت نہ ملی اور اب جبکہ پھر حفاظتی محصولون کا سوال سامنے آرہا ہے تو حالات کہ رہے ہین کہ اگر ہندوستانیون نے کوشش نہ کی تو ہندوستان کو وہی راستہ اختیار کرنا پڑیگا جو کہ ایمپائر (علاوہ ہندوستان) کے لیے فائدہ مند ہو خواہ اسمین ہندوستان کو فائدہ ہو یا نقصان -

ہندوستانی مدبرون کا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہو کہ ہندوستان کی صنعتین حفاظت کی محتاج نہین اور اگر ہندوستانیون کا گورنمنٹ کے تجارتی قوانین مین کچھ اختیار ہوتا تو نہ ہندوستان کی صنعتین اسطرح سے تباہ ہوتین اور نہ اختراع و ایجاد کے راستہ مین رکاوٹین پیدا ہوتین رانا ڈے - داوابھائی نارو جی - گوکھلے - دت - جوشی سارے کے سارے اس بات کیلیے چلاتے رہے کہ ہندوستانیون کیلیے اس بات کی اجازت ہونی چاہیے کہ وہ اپنی صنعتون کو قائم کرسکین - اور اسکے لیے اشیاء درآمد پر محصول قائم کرنا چاہیے - انکی تو نہ سُنی گئی لیکن اب سلطنت برطانیہ کے فوائد (؟) اس بات کو چاہتے ہین کہ سلطنت کو اپنا ملک خیال کرکے اسکی صنعتون کی حفاظت کیجائے - انگلستان بھی اپنی پالیسی چھوڑ بیٹھا ہو اور جرمن مال کے مقابلے مین آن صنعتون کیلیے حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو جو کہ ابھی قائم ہو رہی ہین اور دوسرے ملکون کی پیداوار سے مقابلہ نہین کرسکتی ہین - اسیلیے اب اس بات کے متعلق تو کسی کو شک ہی نہین رہا کہ حفاظت اصولاً نقصان دہ ہو - اسمین بھی شبہ نہین کہ چند حالتون مین اسکی ضرورت بھی ہو -

جب سلطنت برطانیہ کیلیے حفاظتی محاصل کی ضرورت ہو تو لازمی طور پر سلطنت برطانیہ کی مختلف ممالک کیلیے بھی فرداً فرداً حفاظت کی ضرورت ہوسکتی ہو - ترجیحی محاصل کا مسئلہ حفاظت کی ضرورت کو بذات خود تسلیم کرتا ہو جیسا کہ پہلے کیا گیا - تقریباً سب کے سب

ہندوستانی مدبر اس بات پر مُصر رہے ہین کہ ہندوستان مین اشیاے درآمد پر محصول لگا کر ہندوستانی صنعتون کو آگے بڑھنے کا موقع دیا جانا چاہیے - بات یہ ہر کہ ہندوستان سے مشینون کا استعمال ابھی ابھی شروع کیا ہو اسوجہ سے ہماری خودساختہ چیزین ابھی مہنگی پڑتی ہین البتہ کچھ دنون مین سستی تیار کرسکین گے کیونکہ دوسرے ملکون کی صنعتین مدتون سے قائم ہین اور زمانہ نے جو ترقی کے گُر اُنھین سکھا دیے ہین اُنھین ہم آہستہ آہستہ سیکھ لین گے اگر حفاظتی محصول لگ جائے تو اُنکے مقابلے سے ہم فارغ ہوکر اپنی صنعت وحرفت کو بڑھانا شروع کردینگے اور تھوڑے عرصہ مین ہم اُنکا مقابلہ کرنیکے قابل ہو جائینگے - دنیا کے سارے ملکون نے اسی طرح ترقی کی ہو - اور ہندوستان کیلیے بھی یہی ترقی کا ذریعہ ہر - ہندوستان مین ایک اور بڑی وجہ یہ بھی ہر کہ یہان کے لوگ عموماً زراعت کرتے ہین صنعت وحرفت کی نسبت زراعت مین آدمی کم کما سکتا ہو اسیلیے ہندوستان مین فی کس آمدنی کم ہو - اس آمدنی کو بڑھانیکا سب سے آسان طریقہ ہندوستان مین صنعتون کا جاری کرنا ہو - اگر ہماری آمدنی بڑھ گئی تو ہم پھر آئے دن کے قحط کا بھی مقابلہ کرنیکے لیے تیار ہو جائینگے - کیونکہ ہندوستان مین غلہ کی کمی کی وجہ سے قحط نہین پڑتا بلکہ غلہ خریدنیکے لیے روپیہ نہ ہونیکی وجہ سے ، غرضکہ ہندوستان کو اسوقت حفاظت کی سخت ضرورت ہر

ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہر کہ جسوقت ہم ہندوستان کیلیے حفاظتی محاصل کا مطالبہ کرتے ہین تو ہمارا یہ منشا نہین ہوتا کہ ہم سب کچھ ہندوستان ہی مین کرین اور باقی ملکون سے تجارت بند کردین - ہم صرف اُن صنعتون کیلیے حفاظت کا مطالبہ کرتے ہین جو کہ ہندوستان کے طبعی اور معاشی حالات مین کامیاب ہوسکتی ہین یا جو کہ ہر ایک قوم کی زندگی کیلیے ضروری ہین دُنیا کا کوئی ملک بھی اس قابل نہین ہر کہ وہ دنیا کی ساری چیزون کو پیدا کرسکے - اسیلیے واجب ہر کہ مختلف ملک ایک دوسرے سے تجارت کرکے وہ چیزین حاصل کرین جو کہ وہ خود منافع پر پیدا نہین کرسکتے ہین یا جنمین اُنھین باقی چیزون کی نسبت کم فائدہ ہو - کہا جائیگا کہ ہندوستان مین شاید یہ قابلیت ہو کہ وہ سب کچھ پیدا کرسکے - اس بات پر رائے زنی کرنا فضول ہر لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ایک صنعت مین یکسان فائدہ نہین ہوسکتا ہو - اگر ہمین روئی کا کام کرنے مین ۱۵ - فیصدی فائدہ ہوتا ہر اور مشین بنانے مین ۵ - فیصدی تو

بہتر ہو کہ ہم امریکہ۔ جرمنی یا انگلستان سے مشینیں حاصل کرلیں اور خود کپڑا بننے کا کام کریں غرضکہ حفاظتی محاصل کا مطلب ساری صنعتوں کو پیدا کرنا نہیں ہی بلکہ فائدہ مند اور ضروری صنعتوں مین ترقی کرنا ہی لیکن سلطنت برطانیہ کے ساتھ ترجیحی سلوک کا معاملہ اب درپیش ہی سنہ ۱۹۰۳ء مین لارڈ کرزن نے گورنمنٹ برطانیہ کو لکھا تھا کہ ہندوستان سے ترجیحی سلوک کرنے سے سلطنت کو بہت کم فائدہ ہوگا۔ ہندوستان کو تو بالکل ہی فائدہ نہوگا بلکہ بہت زیادہ نقصان ہوگا لارڈ کرزن نے صاف صاف کہدیا تھا کہ ہندوستان کی تجارتی پالیسی کا فیصلہ کرنے مین ہندوستان کی نسبت انگلستان کے تاجرون کی آواز زیادہ سنی جاتی ہی۔ پھر سنہ ۱۹۰۵ء مین لارڈ کرزن نے دارالامرا مین اس سے بھی زیادہ صاف گوئی اختیار کی تھی اور کہہ ہی ڈالا تھا کہ وزیر ہند ہندوستان کی مالی پالیسی پر فیصلہ کرتے وقت انگلستان کے مفاد کا زیادہ خیال رکھتا ہی اور ہندوستان کے مفاد کا خیال کبھی کبھار ہی آتا ہو۔ لیکن بدقسمتی سے سنہ ۱۹۱۳ء مین ایک ہندوستانی ممبر نے اس سوال کو کونسل مین اٹھایا اور آخر مین اُسکو اپنا ریزولیوشن واپس لینا پڑا۔ لڑائی کے بعد پرانی امپیریل کونسل کا غالباً سب سے آخری کام اس سوال پر غور کرنا تھا اور ایک کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ یہ سوال غور طلب ہی اور ایک کمیشن کے ذریعے سے اسکا فیصلہ ہونا چاہیے۔ پچھلے مہینے سے مالی کمیشن دورہ کر رہا ہی۔ کچھ شہادتین ہو چکی ہین اور کچھ ہونگی اور غالباً پانچ چھہ مہینے تک رپورٹ نکل جائیگی۔ کمیشن کے پریزیڈنٹ مشہور سر ابراہیم رحمت اللہ ہین جنھون نے پبلک سروس کمیشن کی ممبری کی حیثیت سے ایک زبردست اختلافی نوٹ لکھا تھا اسلیے امید کی جاتی ہی کہ آپ ہندوستان کے مفاد کا خیال رکھین گے اور کوئی ایسی تجویز پیش نہ کیجائیگی جو کہ ہمین نقصان دہ ہو۔

ترجیحی سلوک کے متعلق یہ کہنا بیجا نہوگا کہ اگر ہندوستان کی صنعتوں کی حفاظت کرکے پھر ترجیحی سلوک کرنا ممکن ہو تو اسمین کسی کو بھی اعتراض نہوگا۔ لیکن سوال تو یہی ہے کہ آیا ایسا کرنا ممکن ہوگا۔ اُن صنعتوں کیلیے جنکو کہ ہندوستان مین ترقی دینا ہی سلطنت کے مال کو ترجیح دینا بے معنی ہوگا۔ ہان اگر اُن اشیاے درآمد کے بارے مین جو کہ باقی ملکوں سے آتی ہی مین سلطنت کو کچھ ترجیح دیدی جائے تو یہ بذات خود کچھ خطرناک نہوگا۔ لیکن یہان

بین الاقوامی تجارت کی ایک اور گرہ پڑ جاتی ہی۔ اگر ہمنے باقی ممالک پر زیادہ محصول لگایا تو کیا وہ ہمارے ملک سے جانیوالی چیز پر اپنے اپنے ملک مین محصول نہ لگا دینگے اور اُس محصول سے ہماری تجارت برآمد کو نقصان نہین ہوگا۔ ہماری بین الاقوامی تجارت کا بہت زیادہ حصہ سلطنت سے باہر کے ملکون کے ساتھ ہے اس لحاظ سے کافی نقصان ہونے کا خطرہ ہی غرضکہ یہ سوال بہت غور و خوض کا ہی اور جو کوئی سکیم اسکے متعلق پیش کی جائے اسمین ان حل طلب باتون پر بھی غور کر لینا ضروری ہی لیکن معاملہ یہین ختم نہین ہوتا۔ ایک ملکی سوال بھی سامنے آجاتا ہی کہ سلطنت کے حصول کو ترجیحی سلوک دینا ایک طرح سے انکو ایک تحفہ پیش کرنا ہی۔ اور زبردستی کا تحفہ بے معنی ہوتا ہی اسلیے قبل اسکے کہ اس سوال کا فیصلہ کیا جائے۔ اس بات کا تصفیہ ضروری ہی کہ ہندوستان کو مالی آزادی مل جائے۔ اگر آزاد ہندوستان سلطنت کو یہ تحفہ پیش کرنا چاہے تو کسی کو اعتراض نہین ہوگا۔ لیکن انگلستان کی مجلس وزرا سلطنت کو ہندوستان کے نام سے تحفہ پیش کرے تو یہ بے معنی زبردستی ہوگی۔ اس لیے پیشتر اسکے کہ اس سوال پر غور ہو جیلیٹو اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ کو اس سوال کا کھلے بندون فیصلہ کرنیکی اجازت ملنی چاہیے۔

ملکی پہلو ابھی ختم نہین ہوتا ہی۔ سر روپر لتھبرج نے ہندوستان کیلیے اس ترجیحی سلوک کو اختیار کرنیکی اسلیے بھی سفارش کی ہی کہ اسکے ذریعے ہندوستان والے سلطنت کے مختلف حصون سے برابری کے حقوق لے سکین گے۔ اگر صاحب مذکور اپنی تجویز پر ذرا غور کرتے تو انھین معلوم ہو جاتا کہ یہ تو اُن حقوق کے خریدنے کا معاملہ ہو جائیگا جو حقوق کہ ہندوستانی ویسے ہی مانگ رہے ہین۔ صاحب مذکور نے شاید اس بات کو نظر انداز کر دیا کہ ان حقوق کیلیے معاوضہ دینے کی سفارش کرنا ہندوستانیون کی ہتک کرنا ہی۔

رائٹ آنریبل مسٹر سری نواس شاستری نے لندن مین ایک اخبار کے قائمقام سے کہا تھا کہ اگر آسٹریلیا کینیڈا۔ اور افریقہ ہمارے ساتھ مساوات کا سلوک نہ کرینگے تو کسی ایسی بحری فوج کے خرچ کیلیے حصہ دینا جو کہ انکی حفاظت کیلیے کام مین آئے سخت بعزتی کی بات ہوگی۔ اسی طرح سے جب تک سلطنت کے باقی حصے ہندوستانیون کے ساتھ مساوات کا سلوک کرنیکے لیے تیار نہین ہین اُسوقت تک انکے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنا اس سے بھی بڑی بعزتی ہوگی۔

سیر رام شرما بی۔ اے

اِرتقائے زبان

ارتقاء صرف زندہ ہستیون اور زندہ انواع ہی مین نہین پایا جاتا بلکہ اُن ہستیون مین بھی پایا جاتا ہی جنکو انسان غلطی سے زندہ نہین سمجھتا - اس کارخانہ ہستی مین کوئی شے غیر ذی روح نہین - ہر شے اور ہر ہستی زندہ ہی اگرچہ زندگی زندگی مین فرق ہی تاہم زندگی اور موت ہر ہستی کے ساتھ لگی ہوئی ہی انسان جن اشیا کو غیر ذی روح جانتا اور اپنی خوش فہمی سے دائرۂ حیوانیت سے خارج سمجھتا ہی وہ سب کے سب اپنے اپنے رنگ مین زندگی اور موت کے قانون کے ماتحت ہین جسطرح فطرتین جداگانہ ہین اسی طرح زندگیان اور اموات بھی جداگانہ ہین -

کیا نباتات زندہ نہین ، اگر زندہ نہین ہین تو یہ نشو و نما کیون پاتے ہین اگر انمین مادہ کے ساتھ ایک قسم کی حیوانی روح نہین ہی تو پھر بڑھتے اور پھولتے پھلتے کیون ہین اور ایک عرصہ کے بعد انمین سے کونسی شے یا کونسی طاقت سلب ہوجاتی ہی کہ پھر نشو و نما نہین پاسکتے ہین بلکہ بے حس ہوکر پژمردہ ہوجاتے ہین - اسی طرح جمادات اور عناصر مین بھی زندگی کے آثار موجود ہین جو ارتقائی مدارج طے کرتے رہتے ہین اور بالآخر فنا ہوجاتے ہین -

السنہ اور الفاظ مین بھی ایک قسم کی زندگی ہوتی ہی گو اس قسم کی زندگی کو ہم حیوانی زندگیون سے تعبیر نہین کرسکتے اور نہ اسپر عرفی زندگی کا اطلاق کرسکتے ہین لیکن مجازی رنگ مین کہہ سکتے ہین کہ زبانین اور الفاظ بھی کسی خاص وقت تک ترقی کرتے اور نشو و نما پاتے ہین اور اسکے بعد ارتقار اور نشو و نما مین انحطاط ہوجاتا ہی - دوسرے الفاظ مین گویا زبانون اور الفاظ کی بھی موت ہوتی ہی مجازاً لوگ کہا کرتے ہین کہ فلان زبان مُردہ ہوچکی ہی اور فلان زندہ ہی - بعض السنہ اس عہد مین بھی مُردہ یا نیم مُردہ سمجھے جاتے ہین کیونکہ نہ تو وہ مقابلتاً ترقی پذیر ہین اور نہ انکی قدر ہوتی ہی زبانونکے ارتقار اور انحطاط کی فلاسفی ایک بڑی عجیب فلاسفی ہی -

جو شخص زبانوں کی تاریخ کا شائق ہی وہ گویا انسانی نسلوں کی تاریخ کا قدردان ہے کیونکہ زبانیں بھی انسانی ترقیات کے ساتھ ساتھ ہی نشو ونما اور انحطاط پاتی ہین اگرچہ یہ ضروری اور لازمی نہین کہ قومون کی خرابی او تنزل کے ساتھ ہی زبانین بھی گرتی جائین مگر اسمین شک نہین کہ تنزل اقوام سے زبانین بھی زوال مین آجاتی ہین اور قومون کے عروج سے زبانین بھی عروج پذیر ہوتی ہین -

ڈارون کا خیال ہی کہ بندر سے انسان بنا ہی اگر اس اُصول کو اُلٹ کر زبانون پر عائد کیاجاے تو کہنا پڑے گا کہ زبانین اس قسم کا ارتقا نہین رکھتی ہین وہ بھی نوعی ارتقار کے تحت مین نشو ونما پاتی اور ترقی پذیر ہوتی ہین -

فی الحقیقت دُنیا کی ساری زبانین ایک دوسرے سے مربوط اور مشتق ہین اسی نوع کے اندر ہکر وہ ترقی پذیر ہوتی ہین - اور اسی نوع کے اندر انمین انحطاط بھی نمایان ہوتا ہے

کہا جاتا ہی کہ لاطینی اور ایرین زبانون مین کوئی رابطہ نہین ہی اور پھر دونون زبانین ایک دوسرے سے مختلف ہین لیکن جب کل نسل انسانی کی ابتدا ایک ہی قرار دی جاتی ہے تو پھر کہنا پڑتا ہے کہ زبانون کی ابتدا بھی ایک ہی ہی کسی وقت اس بات کا اعتراف لازمی ہوگا کہ سب انسانی نسلین ایک ہی مورث سے پیدا ہوئین تو پھر دُنیا کی مختلف زبانین بھی ایک ہی درخت کی مختلف شاخین ہین -

ہر زبان شاہد ہی کہ اسکا سلسلہ الفاظ ارتقائی پہلو سے ہمیشہ بدلتا رہا ہے کسی زمانہ مین کسی خاص محاورون اور الفاظ کی قدر تھی مگر چند دنون کے بعد نئے نئے محاورون کا اجرا ہوگیا اور پُرانے الفاظ اور محاورے نکال ڈالے گئے یا یون سمجھو کہ فنا ہوگئے - اُردو زبان جو اسوقت ہندوستان کے اطراف مختلفہ مین بولی اور سمجھی جاتی ہے ایک ایسی زبان ہے جو چند زبانونکی مرہون منت ہے

اُردو زبان گو بہ اعتبار اپنے ڈھانچے کے ایک نئی زبان ہی لیکن چونکہ اسکے اجزا دیرینہ زبانون سے مرکب اور مرتب ہوے ہین اسواسطے ہم کہ سکتے ہین کہ وہ اصل کے لحاظ سے ایک پُرانی زبان ہے -

انسانی مذاق ہمیشہ بدلتے رہتے ہین اسی طرح زبانین اور زبانون کے الفاظ بھی تغیر پذیر ہوتے رہتے ہین۔ بعض وقت یہ پتہ بھی نہین لگتا کہ کن وجوہ کے پیش ہونے پر ایسا ردوبدل ہوا ہے۔ اُردو کی کتابین اُردو کے ملفوظات ظاہر کرتے ہین کہ انہین رفتہ رفتہ کس کس قسم کی ارتقائی تبدیلیان ہوئی ہین کبھی متروک کے پیرایہ مین بعض الفاظ و الرواز زبان سے خارج ہوگئے اور کبھی ثقالت اور کراہت کی وجہ سے بعض الفاظ رد ہوگئے۔ کبھی ایک لفظ نے اپنی جگہ چھوڑ کر دوسرے کو اپنا قائم مقام بنالیا کبھی جدید ضروریات قطع برید کی محرک ہوتی ہین اور کبھی پیدا نے ڈھانچون مین تغیر و تبدل کرنا پڑتا ہے ایسی کترہیونت قریباً ہر زبان مین ہوتی رہی ہے مگر اس مضمون مین ہم صرف اُردو زبان ہی کے چند نمونے پیش کرتے ہین جن سے پتہ لگ سکتا ہے کہ نسل کے اسنہ مین بھی کس کس قسم کے تغیرات اور تبدلات پیش آتے رہے ہین اور کس طرح ایک نسل الفاظ محو ہوکر جاے اسکے دوسری نسل جانشین ہوتی ہے۔ ارتقاے زبان کی صورتین اور قسمین حسب ذیل ہوسکتی ہین۔

(الف) ارتقاے جدّت

(ب) ارتقاے ترمیم

(ج) ارتقاے ترک

(د) ارتقاے اضافی

(ہ) ارتقاے تبادلہ

نثر اور نظم دونون شعبون مین ارتقا ء عمل پذیر ہوتا ہے اور ایسے ہی اختلاطی صورتین بھی ہوتی ہین۔ ہم نظمی تبدلات اور نظمی تغیرات کے چند نمونے پیش کرتے ہین۔

آن کر سے آکر

نظم مین کبھی آنکر باندھتے تھے لیکن رفتہ رفتہ (ن) گرتا گیا اور اب عموماً بجاے آن کر کے آکر، بولتے ہین (ن) کے اخراج سے تلفظ ذرا ہلکا ہوگیا مرزا بیدل کہتے ہین۔

جب دل کے آستان پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہان ہے ہم ہین

(نین ۔ سنے)

نے کی جگہ کبھی نین، استعمال ہوتا تھا رفتہ رفتہ دوسرا (ن) گرتا گیا اور حرف (نے)
رہ گیا جیسے کہ مرزا مظہر جان جاناں کہتے ہین

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت منھ لگایا ہے نجس نین بیڑہ پان کو

پیام
دلی کے کج کلاہ لڑکون نین
کام عشاق کا تمام کیا

(آونے ۔ آنے)

کبھی آنے کے بجائے آونے کا استعمال ہوتا تھا جیسے کہ

دھوم آونے کی کسکی گلزار مین پڑی ہے
ہاتھ ارگجے کا پیالہ نرگس لیے کھڑی ہے

رفتہ رفتہ ثقالت کی وجہ سے (و) گر گیا اور حرف آنے رہ گیا۔

(جیونا ۔ جینا)

جیونا کے بجائے اب جینا رہ گیا واو ترک ہوگیا جیسے کہ مبارک شاہ کے شعر ذیل مین ہے

جیونا مثل حباب اس جگ مین دم کا پیچ ہے
یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے

کیونکے ۔ کیونکر

اب کیونکے کے بجائے کیونکر کہتے ہین ۔

(یک رنگ)   پارسائی اور جوانی کیونکے ہو
ایک جا آگ پانی کیونکے ہو

پیوتے ۔ پیتے (پوچھو ہو ۔ پوچھتے ہو)

کثرت استعمال سے رفتہ رفتہ واو نکل کر پیتے رہ گیا ۔

یکرنگ   مجھسے پوچھو ہو پیوتے ہو شراب   ایسے کیا شیخ و پارسا ہین ہم

ہم - ہم نے

کبھی صرف مین - او، ہم ہی سے کام لیا جاتا تھا اب دونون کے ساتھ ساتھ (نے) بھی لگایا جاتاہے

میر سجاد تو روز وصل کے بیٹھے ہے پاس کن کو سیے
یہ راتین ہجر کی کاٹی ہین ہم اسی دن کو

ولی عالم مین ترے ہوش کی تعریف مین کی ہے
ایسا تو نہ کر کام کہ مجھ پہ سخن آوے

کون - کو

کون کے بجاے اب کو بولتے ہین

کیدھر - کدھر

اب کیدھر کے بجاے کدھر کہتے ہین -

سید عبد الولی سدھارے گل کہان سونے پڑے ہین گلستان اپنے
گئی ہین بلبلین کیدھر جلا کر آشیان اپنے

انکھیان - آنکھیں (رہور - اور)

کسی وقت بجاے آنکھون کے انکھیان ہی بولتے تھے

ناقی تری انکھیان ہور زلف سے کافر ہوا سارا جہان
اسلام ہور تقوے کہان زہد اور مسلمان کدھر

لاگا - لگا

لاگا کے بجاے اب لگا کہتے ہین

عبد ابر سجن کے ہجر کا نیزہ جگر کے بیچ لاگا ہے

ہم نا - ہم نے تمن - تمھین

کبھی بجاے ہم نے اور تمھین کے ہم نا - اور تمن بھی بولتے تھے -

ہمنا تمن کو دل دیا تم دل لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم نہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے

(سین - سون - سے)

اب بجائے سین اور سون کے سے استعمال ہوتا ہے۔

دلی۔ بیوفائی نہ کر خدا سون ڈر   جگ ادائی نہ کر خدا سون ڈر

میر۔ آہ اگر باغ سین وہ سرو خرامان گزرے

اشک قمری سے گلستان مین طوفان گزرے۔

ان چند نمونون سے معلوم ہوسکتا ہے کہ بعض الفاظ مین رفتہ رفتہ ترمیمات اور تبدیلیان ہوگئی ہین اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُس عہد مین ترمیمات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اس اوپر کے نقشہ مین (سین) کے ساتھ ہی دوسرے مصرع مین (سے) بھی لایا گیا ہو۔

پُرانے شاعرون کے کلام مین اس قسم کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہین اور جب انکا مقابلہ عہد جدید کے شاعرون سے کیا جاتا ہو تو پتہ لگتا ہو کہ زبان اُردو مین بھی رفتہ رفتہ کس کس قسم کی کانٹ چھانٹ ہوتی رہی ہے اگر ذرا وسعت نظر سے کام لین تو معلوم ہوگا کہ الفاظ اُردو کو پنجابی زبان سے نسبتاً زیادہ وابستگی ہے جسقدر الفاظ اُردو نے ترک کردیے ہین وہ اسوقت تک پنجابی مین مستعمل ہین اگر انمین ذرا بھی ترمیم کردی جائے تو وہی اُردو بن جاتے ہین ہم ایک مختصر سی عبارت پنجابی مین لکھتے ہین قارئین کرام دیکھ سکتے ہین کہ اُردو اور پنجابی الفاظ مین کسقدر وابستگی اور رابطہ ہے۔

(پنجابی)

میری بات جے تسین من لینڈے تے میرے واسطے اچھا ہونڈا تساندا نہ مننا میرے حق[9] وچھ بہت برا ہے مین خیال کرتان ہان کہ جے تساندی مرضی[19] ہوئے تے تسین من سکدے ہو پر ایہہ تساڈے اختیار وچھ ہے مینون ایس[2] اوپر[?] یقین ہے[۲۳]

جن الفاظ پر ہندسے دیے گئے ہین پہلے اُردو زبان مین بھی استعمال ہوتے تھے اُردو مین ان کا یہ ترجمہ ہوگا۔

میری بات اگر آپ مان لیتے تو میرے واسطے اچھا ہوتا آپ کا نہ ماننا میرے حق مین بہت برا ہے خیال کرتا ہون کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو آپ مان سکتے ہین

آپ کے اختیار مین ہے مجھے اسپر یقین ہے۔

دوسرے السنہ سے بھی پنجابی کی طرح اردو زبان اور اُردو کے الفاظ کو نسبت ہے مگر جسقدر پنجابی سے ہے شاید ہی کسی اور زبان سے ہو۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اُردو زبان مین فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش ہوئی ہے اور پنجاب مین بھی اہل فارس اہل کابل اور اہل عرب کے آنے کی وجہ سے ان زبانون کے الفاظ کا استعمال بکثرت ہوتا گیا۔ عربی الفاظ سندھ کے راستے سے بھی پنجاب مین داخل ہوے۔

ارتقائے زبان کا عمل کسی وقت مین ختم نہین ہوتا بلکہ یہ عمل برابر جاری رہتا ہو۔ تا وقتیکہ کوئی زبان پایۂ تکمیل تک نہ پہونچ جائے بلکہ تکمیل پر بھی کچھ نہ کچھ اضافے اور ترکیب ونت کی ضرورت ہوتی رہتی ہے۔ یہ وہ سلسلہ ہے جو ہمیشہ انسانی اور قومی زندگی کے ساتھ ترقی کرتا رہتا ہے۔ جب قوم ترقی یاب ہوتی ہے تو زبان بھی ترقی پاتی ہے اور جب قوم مین تنزل آتا ہے تو زبانون مین بھی انحطاط اور زوال کے آثار شروع ہوجاتے ہین۔

سلطان احمد

جرمنی مین ڈاکٹر ٹیگور کا چرچا

نیویارک امریکہ کا ایک تاجر کتب حال ہی مین تمام یورپ کی سیاحت کے بعد لندن پہونچا ہے۔ اسکا بیان ہے کہ امریکہ مین ابتک جو کتاب نہایت ہی سرعت اور عمدگی سے فروخت ہوئی ہے۔ وہ "مین سٹریٹ" تھی جسکے دو لاکھ نسخے بہت جلد فروخت ہوگئے۔ مگر تاجر کتب موصوف بیان کرتا ہے کہ جب وہ برلن مین تھا۔ تو ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹیگور کی کتب کے شایع کنندگان نے ڈاکٹر موصوف کی تصانیف کو شایع کرنے کے لیے بیس لاکھ پونڈ سے زیادہ کاغذ کا آرڈر دیا۔ تاکہ کتب شایع کی جائین۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ بیس لاکھ پونڈ سے تیس لاکھ کتب شایع ہوسکین گی۔

عجائبات سرندیپ

نام اور انکی تحقیقات | سرندیپ جزائر ہند مین ایک مشہور و معروف جزیرہ ہے، جسے عرب سیلان یورپ والے سیلون اور ہندوستان کے باشندے، لنکا، سنگلدیپ، سانکل دیپ اور سرندیپ بھی کہتے ہین۔ انگریزی تاریخون سے معلوم ہوتا ہے کہ "لنکا" اُس قلعہ شاہی کا نام تھا جسمین خود تاجدار جزیرہ رہتا تھا۔ اور دریاے شور کے ساحل پر اتبک اُسکا ایک بہت بڑا برج موجود ہے جو اپنی شاندار تاریخی روایات کا زبان حال سے ثبوت پیش کر رہا ہے۔ اسی مناسبت بالا کی وجہ سے تمام ملک کا نام لنکا ہوگیا، اور یہی نام بہت زیادہ مشہور و متعارف ہے۔ یہان اب حکومت برطانیہ کی تھوڑی سی فوج، اور کچھ سامان جنگ، اسلحہ وغیرہ بنظر احتیاط و تحفظ رہتا ہے

دوسرا نام | سانکل دیپ ہے۔ سانکل اور دیپ دونون لفظ ہندی زبان کے ہین، سانکل ہندی مین زنجیر کو اور دیپ، جزیرہ کو کہتے ہین یعنی "زنجیر کا جزیرہ"۔ اسکی وجہ تسمیہ غالباً وہ زنجیرین ہین جنکا ذکر آگے آئیگا۔

تیسرا نام | سرندیپ ہی۔ لفظ سرن بھی ہندی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ہین "پناہ"، لہذا سرندیپ کے معنی ہوے جزیرۂ نجات، یا جزیرۂ پناہ۔

موسمی حالت | اس جزیرہ مین اکثر و بیشتر پانی برستا ہے۔ اسی وجہ سے ملک نہایت سرسبز و شاداب اور موسم بہت اچھا ہوتا ہے۔

حکومت سابق و حال | پہلے اس جزیرہ کا فرمانروا ایک ہندو راجہ تھا۔ جسنے اپنی حکومت مین ملک کو ثروت و خوشحالی سے لبریز اور رعایا کو شاد و آباد رکھا۔ مگر ضعف و انحطاط کے آثار پیدا تھے سنہ ۱۸۰۲ء مین برطانیہ نے اسپر قبضہ کرلیا اور قابض و متصرف ہوکر راجہ کو گوشۂ عافیت مین متمکن بنادیا نیز معقول تنخواہ مقرر کردی جو اسکی اولاد کو اتبک ملتی رہتی ہے۔

اب راجہ رامچندرجی اور راون والی لنکا کے جنگی واقعات ہندوستان کے غرائب قصص

مین شمار کیے جاتے ہین۔ اور ہندی علم ادب انسے لبریز ہے۔

اسی حق و باطل کی جنگ، اور فتح صداقت و شکست ستم کی یادگار ہندوون کا تیوہار دسہرہ ہے۔

تاریخ سرندیپ کے ماخذ سرندیپ کے تاریخی حالات عربی و فارسی کی قدیم کتب تواریخ مین نہین ملتے البتہ انگریزون نے (جو فن تاریخ کے بڑے دلدادہ، سیر و سیاحت کے بیحد شائق اور تحقیق و تلاش کے شیفتہ، آثار قدیمہ کا پتہ چلانیکے نہایت گرویدہ ہین) ہر ملک کے حالات جدید اور معتبر و مستند طریقون سے نیز تاریخ و سیر کی کتابون سے فلسفۂ روایت کے زرین اصول پر انتخاب کرکے اپنی کتابون مین لکھے ہین چنانچہ سرندیپ پر بھی اپنی تحقیق کے دریا بہائے ہین اور وہی اس مضمون کا ماخذ ہین۔

جغرافیہ سرندیپ جزیرۂ سرندیپ، ہندوستان کی جنوبی سمت مین خط استوا کے قریب واقع ہے اسکا طول جنوباً و شمالاً دو سو آٹھ کوس، عرض مین شرقاً و غرباً دو سو میل ہے۔ اور اسکا تمام و کمال دور آٹھ سو کوس یعنی سولہ سو میل ہے۔ چارون طرف دریاے شور اور بیچ مین جزیرہ کی زمین بلند ہے۔ اور تین میل تک کے اونچے اونچے پہاڑ اسمین واقع ہین نیز چار بڑے بڑے دریا مثلاً گنگا، مہابلی وغیرہ جاری ہین جنکا پانی نہایت لطیف و خوشگوار ہے اور تمام جزیرہ انھین ندیون کے صاف و شفاف پانی سے سیراب و شاداب ہوتا ہے۔

پیداوار سرندیپ کے جنگلون مین سیاہ مرچ، دارچینی، الائچی، کیلا، گنا بافراط پیدا ہوتا ہے اور آبنوس، ساگون، ساکھو چیڑ وغیرہ کے درخت بھی بکثرت موجود ہین۔

کوہ آدم گر سرندیپ کے پہاڑون مین ایک پہاڑ بہت بلند و بالا ہے۔ جسے اس جزیرہ کے باشندے (بکسر راے) "آدم گر" کہتے ہین یہ سنسکرت زبان مین پہاڑ کا نام ہے۔ اس پہاڑ پر پہونچنے کا راستہ عجیب و غریب ہے وہ اولاً ایک طولانی مسافت طے کرکے ایک ایسی جگہ پر پہونچتا ہے جو بالکل مسطح ہے۔ گویا یہ پہاڑ کے درجۂ ابتدائی کی انتہا ہے یا مسافر کی منزل اول ہے پھر یہان سے دوسری چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ راستہ مین ایک نہایت عمیق اور وسیع و عریض خندق ملتی ہے جو بالکل قدرتی ہے۔ انسانی کوشش کو اس سے کوئی تعلق نہین

اس خندق سے گزر کر ایک اور طولانی مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔ تب آدمی اپنی منزل مقصود یعنی پہاڑ کی چوٹی پر وارد ہوتا ہے۔ یہ تمام تر مسافت تقریباً پندرہ میل کی ہے جو پورے ایک دن مین ختم ہوتی ہے۔

عجیب زنجیر اور تختے | ان دونون خندقون پر سے گزرنیکے لیے دو لکڑی کے تختے پڑے ہوے ہین۔ ہر ایک تختہ یک لخت سات فٹ چوڑا ہے۔ انمین جوڑ پیوند بالکل نہین ہے اور قد آدم ایک زنجیر اس سرے سے اُس سرے تک اس حیرت انگیز چوبی پل پر نصب ہے کہ اسکو پکڑ کر ہر راہ رو بلا تکلف و بے خطر خندق پر سے گزر جاتا ہے۔ خدا کے سوا کوئی نہین جانتا کہ یہ دونون تختے دونون خندقون پر کسنے رکھے ہین اور یہ زنجیرین کسکی لگائی ہوئی ہین۔ اور نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ زنجیرین لوہے کی ہین یا ست کٹ کی یا کسی اور نایاب دھات کی۔ مزید تعجب و حیرت یہ ہے کہ زنجیر کے جوڑ بالکل نہین معلوم ہوتے۔ نہ اُسپر کہین زنگ لگا ہے اور مضبوطی مین بھی بے مثل ہے تختون کی لکڑی بھی خدا جانے کس چیز کی ہے کہ ایک نامعلوم زمانہ گزرنیکے باوجود ہنوز نہ سر سو بوسیدہ ہوئی ہے اور نہ بوسیدہ ہونیکے کچھ آثار پائے جاتے ہین۔ زنجیر کا ہر حلقہ تین انچ موٹا ہے اور جو حلقہ اخیر تختہ کے کنارہ پر جڑا ہوا ہے اُسکا قطر (حجم) ایک فٹ ہے۔ خندق اول کی زنجیر تیس فٹ لمبی اور دوسری خندق کی زنجیر چھ فیٹ لمبی ہے۔

یہ دونون عجیب و غریب پل زینہ کی طرح پستی سے بلندی کی جانب چڑھتے ہوے واقع ہین اور دونون زنجیرین دونون طرف میخون سے زمین اور پتھر مین گڑی ہوئی ہین۔ اور یہ نہین معلوم ہوتا کہ میخین کتنی گہرائی تک پہاڑی زمین مین گاڑی گئی ہین۔

عجیب و غریب نقش قدم | پہاڑ کی چوٹی بالکل مسطح ہے اور وہان چٹان پر ایک نقش قدم کندہ ہے۔ بقول عبد القادر سیلانی اسکی پیمائش یہ ہے۔ طول چھ فیٹ نو انچ۔ عرض ایک فیٹ تین انچ۔ ایڑی سات انچ۔ عمق چار انچ۔

جزیرۂ سرندیپ مین تین ربع ہندو سناتا بودھ اور مہادیوجی کے پیرو اور ایک ربع مسلمان آباد ہین جو کہتے ہین کہ ہم یہان آٹھ سو برس سے آباد ہین۔ مسلمان بیان کرتے ہین کہ اس پہاڑ پر حضرت آدم علیہ السلام مدت دراز تک ایک پاؤن سے کھڑے ہوکر خدائے پاک کی عبادت

اور التجائے معافی کرتے رہے ہین یہ انھین کا نقش قدم ہے۔

ہندوون کا قول ہے کہ مہادیوجی کا نقش قدم ہے۔ اور پیروان بودھ اسے بودھ کا نقش قدم بتاتے ہین، بہرحال سرندیپ کے تمام ہندو مسلمان ہرسال ایک بار اس نقش قدم کی زیارت کو پہاڑ پر ضرور آتے ہین۔ بہت بڑا میلا لگتا ہے اور ہزارون لاکھون روپیہ کا سامان فروخت ہوجاتا ہے۔ ہر ملک کے سوداگر یہان آتے ہین۔

ایک خاص قسم کے درخت اس متبرک و مقدس قدم کے گرداگرد ایک خاص قسم کے درخت ہین جو دنیا کی کسی اور اقلیم مین نہین پائے جاتے۔ باشندگان سرندیپ ان درختون کے پھلون کو ڈبی مدری کہتے ہین۔ غالباً یہ انھین کی زبان کے الفاظ ہین۔ ڈبی کے معنی ہین ڈبیہ" اور مدری کے معنی ہین پھلا"، پھل بہت خوبصورت بشکل بادام ہوتا ہے۔ مگر یہ ثمر خوش منظر کھانیکے قابل بالکل نہین ہے بلکہ زہر قاتل کی خاصیت رکھتا ہے۔ فوراً اپنا کام کرجاتا ہے اور کھانیوالا زندہ نہین رہتا۔ چرند، پرند، غرض کوئی اسے نہین کھاتا — اور نہ اسکے پاس جاتا ہے۔ اس پھل پر ایک قدرتی نشان دانت سے کاٹنے کا صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اسمین سے تھوڑا سا کتر لیا ہے۔ پھل کا مغز بالکل سرخ ہے اور پھول نہایت خوشبودار ہوتا ہے سرندیپ کے مسلمان کہتے ہین کہ خدا تعالی نے آدم و حوا علیہ السلام کو پیدا کرکے اس باغ مین بسایا تھا۔ یہ باغ بہت سرسبز و شاداب اور آراستہ و پیراستہ تھا۔ آدم و حوا سے اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس باغ کے تمام میوے کھاؤ، اور پھول سونگھو مگر اس درخت کے پاس تک نہ پھٹکنا لیکن شیطان نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو بہکایا اور انھون نے اس درخت کا پھل ذرا سا دانت سے کاٹکر چکھ لیا۔ اسی وقت سے اس قادر مطلق کی حکمت سے ابتک ہر ایک پھل پر اسکا نشان اولاد آدم کی عبرت کیلیے بطور علامت موجود ہے اور اس نافرمانی کی وجہ سے دونون اس نایاب باغ سے نکال دیے گئے۔

ہندو کہتے ہین کہ راون نے سیتاجی کو لاکر اس باغ شاداب مین رکھا تھا جب سیتاجی نے چند پھل دانت سے کاٹ کر اسمین زہر ہلاہل بھردیا کہ راون کھاتے ہی جہنم واصل ہو قدرت الٰہی سے اسکا اثر تمام درخت اور اسکے پھلون مین ہمیشہ کیلیے سرایت کرگیا بلکہ جزو درخت

ہو گیا ہے اور ہر پھل پر دانت سے کاٹنے کا نشان بھی نمایان ہے۔

مرزا تقی سپہر صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہین کہ کوہ سرندیپ کے اوپر شاکمونی کا نقش قدم ہے۔ساکمونی کو ملک خطا کے لوگ پیغمبر جانتے ہین۔یہان رہکر اُنھون نے چند سال تک ایک پائون سے کھڑے رہکر عبادت الٰہی کی ہے اور یہان سے آسمان پر جاکر واپس آئے ہین۔

آسمان سے واپس آنیکے بعد شاکمون سے نسل انسانی عالم وجود مین آئی۔ اور شاکمونی کا قول ہے کہ مین بحکم خدا، چورا سی مرتبہ دنیا و آسمان مین آیا گیا ہون۔شاکمون کی دعائین تمامتر عبودیت و بندگی اور عاجزی سے لبریز و معمور ہین۔

سرندیپ کی موجودہ حالت و آبادی | انگریزی حکومت نے اس جزیرہ کو پانچ حصون مین تقسیم کردیا ہے۔شہر جامنا شمالی حصہ کا دار الحکومت ہے۔ اور شہر گالی سیلان جنوبی حصہ ملک کا۔ یہ بہت بڑی بندرگاہ ہے۔اکثر جہازات کوئلہ لینے کی غرض سے یہان لنگر انداز ہوتے ہین۔ شہر ترنکوملی حصہ شرقی کا پایۂ تخت ہے۔ اور شہر کمبی نو حصہ مغربی کا۔ اور شہر کام کانڈے، حصہ درمیانی یعنی قلب جزیرہ کا دار السلطنت ہے۔ان پانچ بڑے بڑے شہرون کے علاوہ بکثرت قصبات و دیہات آباد ہین۔شہرون کی آبادی تخمیناً چالیس ہزار ہے۔ اور اس پورے جزیرہ کی آبادی کا شمار تقریباً بیس لاکھ نفر ہے۔

سرندیپ کے قدیم باشندون کی چار مشہور قومین یہ ہین۔

۱۔بیدہی۔ یہ لوگ وحوش کی مانند دشت و صحرا مین رہتے ہین صحرائی کبوترون کی طرح انمین وحشت ہے۔ درندون کی طرح جب کسی آدمی کو پاتے ہین تو مار کر کھا جاتے ہین شہری باشندے بھی جب انکا سامنا ہوجاتا ہے تو درندے سمجھکر بندوق یا تلوار سے ہلاک کرڈالتے ہین انگریزون نے انکے بچون کو پکڑ کر پالا اور پرورش کیا تھا مگر وہ جب بڑے ہوے تو جنگل کو بھاگ گئے طبعی وحشت و صحرائیت انسے بالکل دور نہ ہوئی۔

۲۔ دوسری قوم کا نام ’’سنگلی‘‘ ہے۔یہ بھی صورت مین انسان مگر سیرت مین بہائم ہین مردم خوار، بزدل اور نرے احمق ہوتے ہین۔مگر جسکے پاس رہتے ہین اسکی نہایت وفاداری و امانت سے اطاعت کرتے ہین۔

۳۔ تیسری قوم کا نام "مدیا" ہے۔ یہ کوہستان مین رہتے ہین کسی مذہب و ملت کے پابند نہین بہت طماع اور لالچی ہین۔

۴۔ چوتھی قوم کا نام "مارلیا" ہے۔ یہ لوگ اکثر تجارت پیشہ ہین۔ اور اس قوم کے اکثر و بیشتر افراد مسلمان ہوگئے ہین۔ مگر تمام تمدن و معاشرت کے آداب ہندو مسلمان دونون کے یکسان ہین۔ پہلے اس ملک کے باشندون کی زبان پالی تھی اب اسمین تلنگی بھی شامل ہوگئی ہے۔

قبر آدم علیہ السلام | حاجی مردان علیخان اپنے سفرنامہ مین یہ بھی لکھتے ہین کہ کوہ آدم گر کے دامن مین حضرت آدم علیہ السلام کی قبر بھی ہے۔ قبر ناپی گئی تو تین سو پندرہ فٹ ہے۔ اور حضرت حوا علیہا السلام کی قبر بندرگاہ جدہ مین ایک سو ستاون گز ہے۔ یہ دونون قبرین قبلہ رو ہین سر وپا کی جانب دو چھوٹے چھوٹے قبے پہچان کی غرض سے بنا دیے گئے ہین۔

شہر کالی سیلان مین ایک گروہ حسنی سادات کا قریب کوہ آباد ہے۔ انکا قول ہے کہ ہم یہان سات سو برس سے مقیم و سکونت پذیر ہین۔ انھین مین کے چند آدمی حضرت آدم علیہ السلام کی اس قبر کے مجاور ہین۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہان کے اکثر ہندو مردہ کو جلاتے نہین بلکہ مسلمانون کی طرح زمین مین دفن کرتے ہین۔

ایک عجیب وغریب دانت | یہین ایک مندر مین ایک انسانی دانت ایک بالشت کا نہایت احترام و عزت کے ساتھ ایک مرصع صندوقچہ مین رکھا ہوا ہے۔ ہندو کہتے ہین کہ یہ بودھ کا دانت ہے اور مسلمان کہتے ہین کہ آدم علیہ السلام کا دانت ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ دانت بودھ کا نہین ہوسکتا۔ کیونکہ بودھ کو گزرے ہوے دو ہزار تین سو برس کا زمانہ ہوا ہے۔ اسوقت انسان کے دانت ایسے ہی تھے جیسے اب ہوتے ہین۔

قبر ہابیل | یہان سے چند منزل کے فاصلہ پر ٹیلیبار کے قریب قصبۂ رام ناتھ مین ہابیل کی قبر ہے۔ یہ قبر ایک سو اسی فٹ لمبی ہے۔ یہان بھی مسلمان مجاور ہین۔ اور یہ لوگ اپنے کو شیخ کہتے ہین۔

دیۂ مقدس | بہت زمانہ گزرا ایک انگریز نے مکان بنوانیکی غرض سے ایک مقام پر

نیوکھدوائی۔ اُس جگہ ایک تہ خانہ نکلا۔ تہ خانہ مین ایک تخت پر سونے کے کچھ کندہ اوراق دستیاب ہوے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ اہل ہند کی مقدس کتاب چار وید ہین اور اُسپر اون کی لکھی ہوئی شرح بھی کندہ ہو۔ یہ کتاب لندن بھیج دی گئی۔ وہان سے قیصر جرمنی نے اُسکی نقل حاصل کی اور اُسکو پڑھنے کی غرض سے اہل جرمنی کو سنسکرت زبان پڑھنے کا شوق ہوا۔ چنانچہ بکمال ذوق وشوق زبان حاصل کرکے سنسکرت کا ایک مستقل سکول کھول دیا۔ جرمنی زبان سنسکرت اور اُسکے علوم وفنون کو نہایت دلچسپی سے پڑھتے ہین۔ چارون ویدون کو طبع کرکے داخل درس کرلیا ہو۔ یہ مقدس کتاب توحید وعلوم الٰہیات سے مملو ہو۔ دیانند سرسوتی جنکو گزرے ہوے کچھ زیادہ زمانہ نہین گزرا ہو بڑے فاضل وکامل وپکے موحد تھے۔ وہ بت پرستی کو خلاف احکام وید کی تعمیل دیتے تھے۔ افسوس کہ اُنکو دشمنون نے زہر دیکر خفیہ طور پر مار ڈالا اُنکے پیرو اب بھی کثرت سے موجود ہین۔

کاغذ کی تاریخ

محمد حسین محوی صدیقی

کاغذسازی کا کام اول [illegible] اول [illegible]ء کے بعد شروع ہوا تھا۔ سب سے پہلے جاپان چین۔ عرب مصر اور تبت نے کاغذ بنایا تھا۔ تنے بانسون کے پودے۔ پرانے سن کے ٹکڑے۔ مچھلیونکے جال۔ بھوج پتر کی چھال وغیرہ سے کاغذ تیار کیا جاتا تھا۔ ایک قسم کے درخت کی چھال اور وہان کی پیال سے بھی کاغذ تیار کیا جاتا تھا۔

[illegible]ء مین سمرقند کے اندر کاغذسازی کا ایک کارخانہ تھا۔ تبت مین [illegible]ء کے قریب وسط مین کاغذسازی کا کام شروع ہوا۔ عرب لوگ [illegible]ء کے آغاز مین کپاس روئی یا اون کو کاغذسازی کے کام مین لاتے تھے۔

ہندوستان مین کاغذسازی کیلیے سب سے زیادہ زبردست ثبوت عہد اکبر سے ملتا ہو۔ اسوقت اول ہی اول کشمیر مین کاغذسازی کی صنعت کا آغاز ہوا تھا۔ اور بعد ازان اسکی صنعت سارے ہندوستان مین پھیل گئی اور اسکے بعد سے بھوج پتر پر لکھنے کا رواج اٹھ گیا۔ پہاڑی علاقہ جات کے باشندون مین ایک قسم کے درخت کی چھال کا بڑا رواج تھا اور اسی طرح مصر یہانکی بھوج پتر کو کام مین لاتے تھے۔ لیکن جب سے ہندوستان مین کاغذ کا رواج ہوا۔ دونون چیزونکا چلن بند ہوگیا اکبر کی حکمرانی مین کشمیر کے اندر کاغذ کا کارخانہ جاری ہونیکے بہت پہلے کوہ ہمالے کے مشرقی باشندون مین ایک قسم کی کاغذسازی کی صنعت موجود تھی جو غالباً انھون نے چینیون سے حاصل کی ہوگی۔ یہ صنعت دن بدن فروغ حاصل کرتی رہی اور آج بھی ہندوستان مین [illegible] کا غذ بنانیکا طریقہ جاری ہے

موٹھ

(۱)

ڈاکٹر جے پال نے اعلی درجہ کی سند حاصل کی تھی لیکن اسے تقدیر کہیے یا کاروباری اصولوں سے لاعلمی کہ انھیں اپنے پیشہ میں کبھی فروغ نہوا۔ انکا مکان ایک تنگ گلی مین واقع تھا لیکن انھیں کوئی کشادہ مکان لینے کا کبھی خیال نہوا۔ دوا خانہ کی الماریاں طبیشان اور دوسرے طبی آلات بھی صاف ستھرے نہ تھے۔ اس کفایت شعاری کے اصول کو وہ اپنی خانہ داری مین سختی سے ملحوظ رکھتے تھے۔ لڑکا جوان ہوگیا تھا لیکن ابھی تک اسکی تعلیم کی فکر نہ تھی۔ سوچتے تھے اتنے دنون کتابون سے سر مارکر ایسی کونسی ثروت پیدا کرلی کہ خواہ مخواہ اسکی تعلیم پر ہزارون روپیہ خرچ کرون۔ انکی بیوی اہلیا صابر اور جفاکش عورت تھی لیکن ڈاکٹر صاحب نے اُن اوصاف پر اتنا بوجھ رکھدیا تھا کہ انکی کمر بھی خم ہوگئی تھی مان بھی زندہ تھین لیکن زندگی سے بیزار، جو گنگا اشنان کیلیے ترس ترس کے رہ جاتی تھین دوسرے متبرک مقامون کی جاترا کا ذکر ہی کیا۔ ان بیدردانہ کفایت شعاریون کا نتیجہ یہ تھا کہ اس گھر مین اطمینان اور مسرت کا نام نہ تھا۔ اگر کوئی مدّ فاضل تھی تو وہ بڑھیا مہری جگیا تھی۔ اسنے ڈاکٹر صاحب کو گود مین کھلایا تھا اور اسے اس گھر سے کچھ ایسی محبت ہوگئی تھی کہ سب خرچ کی سختیان جھیلتی تھی پر ٹلنے کا نام نہ لیتی تھی۔

(۲)

ڈاکٹر صاحب طبی آمدنی کی کمی کو کپڑے اور شکر کے کارخانون مین حصے لیکر پورا کرتے تھے آج سوء اتفاق سے بمبئی کے ایک کارخانے نے انکے پاس سالانہ نفع کے ۷۵۰ روپیے بھیجے ڈاکٹر صاحب نے بیمہ کھولا۔ نوٹ گنے اور ڈاکیہ کو رخصت کرنا چاہتے تھے لیکن ڈاکیہ کے پاس روپئے زیادہ تھے۔ بوجھ سے دبا جاتا تھا۔ بولا حضور روپیے لے لین اور مجھے نوٹ دیدین

تو بڑا احسان ہو۔ بوجھ ہلکا ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب ڈاکیون کو خوش رکھنا چاہتے تھے
انھین مفت دوائین دیدیا کرتے تھے۔ سوچے آخر مجھے بنک جانیکے لیے تانگہ منگانا ہی پڑیگا
کیون نہ مفت کرم داشتن کے اُصول پر عمل کرون۔ روپے گنکر ایک تھیلی مین رکھدیے اور
سوچ ہی رہے تھے کہ چلون انھین بنک مین رکھتا آؤن کہ ایک مریض نے بلا بھیجا۔ ایسے
موقعے یہان شاذ ہی آتے تھے۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب کو صندوقچہ پر بھروسہ نہ تھا لیکن مجبوراً
تھیلی کو صندوقچہ مین رکھا اور مریض کو دیکھنے چلے گئے۔ وہان سے لوٹے تو تین بج چکے تھے
بینک بند ہو چکا تھا۔ آج روپے کسی طرح جمع نہ ہو سکتے تھے۔ حسب معمول شفاخانہ مین بیٹھ گئے
آٹھ بجے رات کو جب وہ اندر جانے لگے تو احتیاطاً تھیلی کو اندر رکھنے کے لیے صندوق سے
نکالا۔ تھیلی کچھ ہلکی معلوم ہوئی۔ اُسے فوراً دواؤن کی ترازو پر تولا۔ ہوش اُڑ گئے۔ پورے
ڈھائی سو روپیے کم تھے۔ اعتبار نہوا۔ تھیلی کھولکر روپے گنے ڈھائی سو روپے کم نکلے۔ مجنونانہ
بے صبری کے ساتھ صندوق کے دوسرے خانون کو ٹٹولنا شروع کیا لیکن بے سود! روپے
غائب ہو گئے تھے۔ مایوس ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور حافظہ کو مجتمع کرنے کے لیے آنکھین
بند کر کے سوچنے لگے مین نے روپے کہین الگ تو نہین رکھدیے۔ ڈاکیہ نے روپے کم تو نہین
دے۔ مین نے شمار کرنے مین تو غلطی نہین کی؟ ہرگز نہین۔ مین نے پچیس پچیس روپیے کی
گڈیان لگائی تھین۔ پوری تیس گڈیان تھین۔ خوب یاد ہے۔ مین نے ایک ایک گڈی گنکر
تھیلی مین رکھی۔ حافظہ مطلق خطا نہین کرتا۔ صندوق کی کنجی بھی بند کر دی تھی۔ مگر اوہو! اب
سمجھ مین آگیا۔ کنجی میز ہی پر چھوڑ دی۔ عجب نہین اُسے جیب مین رکھنا بھول گیا۔ وہ ابھی تک
میز ہی پر پڑی ہے۔ بس یہی بات ہے۔ کنجی جیب مین ڈالنے کا خیال نہ رہا۔ لیکن لے کون گیا
باہر کے دروازے بند تھے۔ گھر مین کوئی ہے۔ روپیے پیسے چھوتا نہین۔ آجتک کبھی ایسا
اتفاق نہین ہوا۔ ضرور کسی باہر کے آدمی کی حرکت ہے۔ ممکن ہے کوئی دروازہ کھلا رہ گیا ہو،
کوئی شخص دوا لینے آیا ہو، میز پر کنجی پڑی دیکھی ہو اور صندوق کھولکر روپے نکال لیے ہون
اسی سے مین روپیے نہین لیا کرتا۔ کیا عجب ہے ڈاکیہ ہی کی شرارت ہو۔ بہت ممکن ہے۔
اُسنے مجھے صندوق مین تھیلی رکھتے دیکھا تھا۔ یہ روپیے جمع ہو جاتے تو میرے پاس پورے

..... ہزار روپیہ ہو جاتے۔ سود کا حساب لگانے مین آسانی ہوتی۔ کیا کرون؟ پولیس مین اطلاع کرون؟ بالکل بے سود، خواہ مخواہ کا دردسر ہی۔ محلہ بھر کے آدمیون کا دروازہ پر مجمع ہوگا، دس پانچ آدمیون کو گالیان کھانی پڑینگی اور حاصل کچھ نہین۔ تو کیا صبر کیے بیٹھا رہون؟ کیسے صبر کرون۔ یہ کوئی مال مُفت نہ تھا حرام کی رقم ہوتی تو سمجھتا مالِ حرام بود بجاے حرام رفت۔ یہان تو ایک ایک پیسہ اپنے پسینے کا ہی۔ مین جو اتنی کفایت سے بسر کرتا ہون، اتنی تکلیفین اُٹھاتا ہون، بخیل مشہور ہون۔ گھر کے ضروری مصارف مین بھی قطع و برید کرتا رہتا ہون، کیا اسی لیے کہ کسی اُچکّے کیلیے سامان تفریح مہیا کرون؟ مجھے ریشم سے نفرت نہین، نہ میوے کم مرغوب ہین نہ سوء ہضم کی شکایت ہی کہ بالائی نہ ہضم کر سکون نہ ضعف بصر ہی کہ تھیٹر اور سنما کا لطف نہ اُٹھا سکون۔ آخر یہ نفس کشی اسی لیے تو کرتا ہون کہ میرے پاس چار پیسے ہو جائین۔ ضرورت کے وقت کسی کا دست نگر نہون۔ کچھ جائداد لے سکون اور نہین تو اچھا گھر ہی بنوا لون۔ اور اس نفس کشی کا یہ نتیجہ! گاڑھی محنت کے روپئے یون گاؤخورد ہون۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہ کس ظالم کی حرکت ہی۔ ستم ہی کہ مین یون دن دہاڑے لُٹ جاؤن اور اس غارتگر کا بال بھی بیکا نہو۔ اسکے گھر عید ہو رہی ہوگی، جشن منایا جا رہا ہوگا۔ سب کے سب بغلین بجا رہے ہون گے۔

اس خیال سے ڈاکٹر صاحب پر ایک پُر اضطراب جذبۂ انتقام کا غلبہ ہوا۔ مین نے کبھی کسی فقیر کو، کسی سادھو کو، دروازے پر کھڑا نہین ہونے دیا، باوجود تقاضون کے احباب کی کبھی دعوت نہین کی، عزیزون اور مہمانون سے ہمیشہ محترز رہا۔ کیا اسی لیے کہ یون ایک شاطر حریف کا تختۂ مشق بنون۔ کاش مجھے اسکا سراغ مل جاتا تو مین ایک زہریلی سوئی سے اسکا کام تمام کر دیتا۔

مگر کوئی علاج نہین۔ قہر درویش بر جان درویش کا معاملہ ہی۔ خفیہ پولیس والے بھی بس نام ہی کے ہین، سراغرسانی کا مادہ نہین۔ اُنکی ساری کارروائی سیاسی تقریرون کی غلط رپورٹین لکھنے پر ختم ہو جاتی ہی۔ انسان کتنا معذور ہی۔ کسی اسمرائزر کے پاس چلون۔ وہ اس عقدہ کو حل کر سکتا ہے۔ سُنتا ہون یورپ، اور امریکہ مین اکثر جرائم کا سُراغ اس

ترکیب سے مل جاتا ہی۔ مگر یہان ایسا باکمال کون ہی۔ اور پھر مسمریزم کے جوابات ہمیشہ معتبر نہین ہوتے۔ جوتشیون کی طرح وہ بھی قیاسات کے بحر بیکنار مین غوطے کھانے لگتے ہین۔ کچھ لوگ نام بھی تو نکالتے ہین۔ اُنکے بڑے حیرت انگیز معجزے سنتے ہین۔ مین نے کبھی اُن روایتون پر اعتبار نہین کیا۔ مگر کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہی ورنہ اس مادّی دور مین اس علم کا وجود ہی نہ رہتا آجکل کے علمار طبیعات بھی تو روحانیات کے قائل ہوتے جاتے ہین۔ مگر بالفرض کسی عامل نے کسی بے جرم کا نام بتلا ہی دیا تو میرے ہاتھ مین اسکے پاداش کا کونسا آلہ ہی۔ وہ ضمیر گوئی شہادت کا کام نہین دیسکتی بجز اسکے کہ ایک لمحہ کیلیے میری طبیعت کو سکون ہوجائے اور اس سے کیا حاصل ہوا!

ہان خوب یاد آیا۔ ندی کی طرف جاتے ہوے وہ جو ایک اوجھا بیٹھتا ہی اُسکے ترتب کے اکثر واقعات سُننے مین آتے ہین۔ سُنتا ہون دفینون کا پتہ بتلا دیتا ہی۔ مریضون کو بات کی بات مین چنگا کر دیتا ہی۔ چوری کے مال کا پتہ لگا دیتا ہی۔ موٹھ چلاتا ہی۔ موٹھ کی بڑی تعریف سنی ہی۔ موٹھ چلا اور چور کے مُنھ سے خون جاری ہوا۔ جبتک وہ مال واپس نہ کردے خون بند نہین ہوتا۔ یہ ترکیب اگر کارگر ہوجائے تو میرا دلی منشا پورا ہوجائے۔ مُنھ مانگی مراد بر آئے۔ روپے بھی مل جائین۔ چور کی تنبیہ بھی ہوجائے۔ اسکے یہان ہمیشہ غرض مندون کا ہجوم لگا رہتا ہی۔ اگر اسمین کچھ کرتب نہوتا تو اتنے لوگ کیون جمع ہوتے۔ اسکے چہرہ سے ایک ہیبت برستی ہی۔ آجکل کے تعلیمیافتہ لوگون کو تو ان باتون پر اعتقاد نہین ہی لیکن نیچ آدمیون اور جہلا مین تو اسکا کافی چرچا ہی۔ بھوت، آسیب، جن، کے افسانے روز ہی سُنا کرتا ہون۔ کیون نہ اسی اوجھے کے پاس چلون۔ بالفرض کوئی فائدہ نہ بھی ہو تو میرا نقصان ہی کیا ہی۔ جہان ساڑھے سات سو گئے ہین دو چار روپے کا خون اور سہی۔ مال مل گیا تو پوچھنا ہی کیا۔ چور کی قرار واقعی سرزنش بھی ہوجائیگی۔ یہ موقع بھی اچھا ہی۔ آدمیون کا ہجوم کم ہوگا۔ چلنا چاہیے۔

(۳)

دل مین یون فیصلہ کرکے ڈاکٹر صاحب اُس سیانے کے گھر کی طرف چلے۔ جاڑے کی رات تھی۔ نو بج گئے تھے۔ راستہ قریب بند ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی گھرون سے رامائن کی صدا

کانون مین آجاتی تھی۔ کچھ دور کے بعد بالکل سناٹا ہو گیا۔ راستہ کے دونون طرف سبزیون کے کھیت تھے۔ گیدڑون کے ہوانے کی آواز سنائی دینے لگی۔ معلوم ہوتا ہی انکا غول کہین قریب ہی ہی۔ ڈاکٹر صاحب کو اکثر دور سے انکا نغمۂ مکروہ سُننے کا اتفاق ہوا تھا۔ مگر اسوقت اس سناٹے مین اور اتنے قریب سے انکی چیخ سُنکر انھین ڈر لگا۔ کئی بار اپنی چھڑی زمین پر پٹکی۔ پیر دھمدھمائے۔ یہ جانور بُزدل ہوتے ہین۔ آدمی کے قریب نہین آتے۔ لیکن پھر اندیشہ ہوا کہین انھین کوئی پاگل ہو تو۔ اُسکا کاٹا تو بچتا ہی نہین۔ یہ فکر ہوتے ہی جراثیم اور بیکٹیریا اور پاسٹیور انسٹیٹوٹ اور کسولی کے خیالات انکے دماغ مین چکر کھانے لگے۔ وہ تیزی سے قدم بڑھائے چلے جاتے تھے۔ دفعتہً خیال آیا کہین میرے ہی گھر مین کسی نے روپئے اُڑا دیے ہون تو؟ وہ فوراً ٹھٹھک گئے۔ مگر ایک ہی لمحہ مین اُنھون نے اس صورت حال کا بھی فیصلہ کر لیا۔ کوئی مضائقہ نہین۔ گھر والون کو تو اور بھی سخت سزا ملنی چاہیے۔ چور کو مجھ سے کوئی ہمدردی نہین ہوسکتی۔ لیکن گھر والون کی ہمدردی کا مین مستحق ہون۔ انھین جاننا چاہیے کہ مین جو کچھ کرتا ہون انھین کیلیے کرتا ہون۔ اگر اسپر بھی وہ مجھے یون دغا دینے پر آمادہ ہون تو اُنسے زیادہ کافر نعمت، اُنسے زیادہ احسان فراموش، اُنسے زیادہ بیرحم اور کون ہوگا۔ انھین اور بھی سخت سزا ملنی چاہیے۔ ایسی عبرتناک کہ پھر کبھی کسی کو ایسی جراءت نہو۔

آخر وہ اوجھے کے گھر کے قریب جا پہونچے۔ آدمیون کی بھیڑ نہ تھی۔ اُنھین تسکین ہوئی۔ ہان اُنکے تیز قدم ذرا دھیمے پڑ گئے۔ اور پھر خیال ہوا کہین یہ سب ڈھکوسلا ہی ڈھکوسلا ہو تو خواہ مخواہ شرمندہ ہونا پڑے۔ جو سُنے احمق بنائے۔ شاید اوجھا بھی مجھے اپنے دل مین حقیر سمجھے۔ لیکن اب تو آ گئے۔ یہ تجربہ بھی حاصل کر لون۔ اور کچھ نہوگا تو امتحان ہی سہی۔ اوجھا کا نام بدھو تھا۔ لقب چودھری۔ ذات کا چمار۔ مکان بہت تنگ اور بوسیدہ۔ سائبان اتنا نیچا کہ جھکنے پر بھی سر مین ٹھوکر لگنے کا خوف ہوتا تھا۔ دروازہ پر ایک نیم کا درخت تھا۔ اسکے نیچے ایک چبوترہ۔ نیم کے درخت پر دور سے ایک جھنڈی سی لہراتی ہوئی نظر آئی۔ چبوترہ پر مٹی کے سیکڑون ہاتھی سیندور سے رنگے ہوئے کھڑے تھے۔ کئی لوہے کے نوکدار ترسول بھی نظر آتے تھے۔ جو گویا ان سست رفتار ہاتھیون کیلیے آنکس کا کام دے رہے تھے۔ دس بجے تھے۔ بدھو چودھری جو ایک سیہ فام

قوی ہیکل، توندیلا، رعب دار آدمی تھا ایک پھٹے ہوے ٹاٹ پر بیٹھا تاڑی پی رہا تھا، بوتل اور گلاس بھی سامنے رکھے ہوے تھے -

بدھو نے ڈاکٹر صاحب کو دیکھکر فوراً بوتل چھپادی اور نیچے اُترکر سلام کیا۔ گھر مین سے ایک بڑھیا نے موندھا لاکر اُنکے لیے رکھدیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ جھینپتے ہوے سارا واقعہ مفصل بیان کیا۔ بدھو نے کہا حضور یہ کون بڑا کام ہی۔ ابھی اسی اتوار کو درگا جی کی گھڑی چوری گئی تھی بہت کچھ تحقیقات کی پتہ نہ چلا۔ مجھے بتایا مین نے بات کی بات مین پتہ لگادیا۔ پانچ روپیہ انام دیے۔ کل کی بات ہی جمادار صاحب کی گھوڑی کھوگئی تھی۔ چار دن تریجہ دوڑتے پھرتے تھے۔ مین نے ایسا پتہ بتایا کہ گھوڑی کھڑی چرتی ہوئی مل گئی۔ اسی بدیا کی بدولت حضور حاکم حکام سب مانتے ہین۔

بجے لال کو داروغہ اور جمعدار کا ذکر ناگوار گذرا۔ ان جاہلون کی نگاہون مین جو کچھ بین وہ داروغہ اور جمعدار ہین۔ بولے مین محض چوری کا پتہ لگانا نہین چاہتا۔ مین چور کو سزا دینی چاہتا ہون۔

بدھو نے ایک لمحہ کے لیے آنکھین بند کین، جمائیان لین، چٹکیان بجائین اور بولا یہ گھر ہی کے کسی آدمی کا کام ہی۔

بجے لال۔ کچھ پروا نہین۔ کوئی ہو۔

بڑھیا۔ پیچھے سے کوئی بات بنے بگڑے گی تو حضور ہمین کو بُرا کہین گے۔

بجے لال۔ اسکی کچھ فکر نہ کرو۔ مین نے خوب سوچ لیا ہی۔ میرا اپنا لڑکا ہی ہو تو بھی مین اُسے سبق دینے سے باز نہ آؤن گا۔ بلکہ اگر گھر کے کسی آدمی کی شرارت ہی تو مین اسکے ساتھ اور بھی سختی کرنی چاہتا ہون۔ باہر کا آدمی میرے ساتھ دغا کرے تو معافی کے قابل ہی لیکن گھر کے آدمی کو مین کسی طرح معاف نہین کرسکتا۔

بدھو۔ تو حضور چاہتے کیا ہین ؟

بجے لال۔ بس یہی کہ میرے روپیے مل جائین اور چور کسی سخت عذاب مین گرفتار ہوجائے۔

بدھو۔ موٹھ چلادون ؟

بڑھیا۔ "نہ بیٹا موٹھ کے پاس نہ جانا۔ نہ جانے کیسی پڑے کیسی نہ پڑے۔"

جے لال "تم موٹھ چلا دو۔ اسکا جو کچھ محنتانہ شکرانہ ہو وہ مین دینے کو تیار ہون۔"

بڑھیا۔ بیٹا مین پھر کہتی ہون موٹھ کے پھیر مین نہ پڑ۔ کوئی جوکھم کی بات آ پڑے گی تو یہی بابوجی پھر تیرے سر ہونگے اور تیرے بنائے کچھ نہ بنے گی۔ کیا جانتا نہین۔ موٹھ کا اُتار کتنا کٹھن ہے۔"

بدھو۔ "ہان بابوجی سوچ لیجیے۔ موٹھ تو مین چلا دون گا لیکن اُسکو اُتارنے کا ذمہ نہین (ذمہ) لے سکتا۔"

جے لال "ابھی کہہ تو دیا۔ مین تمسے اُتارنے کو نہ کہون گا۔ چلاؤ بھی تو۔"

بدھو نے ضروری سامان کی ایک طویل فہرست پیش کی۔ ڈاکٹر صاحب نے چیزین خریدنیکے مقابلہ مین نقد روپیہ دینا زیادہ مناسب سمجھا۔ بدھو بخوشی راضی ہوگیا چلتے وقت بولے "اچھا منتر چلاؤ کہ صبح ہوتے ہوتے چور میرے پاس مال لیے ہوے آکر حاضر ہو جائے۔"

بدھو نے کہا آپ نسا کھاتر رہین ایسا ہی ہوگا۔

(۴)

جے لال گھر پہونچے تو گیارہ بج گئے تھے۔ جاڑے کی رات کڑاکے کی سردی تھی۔ ان کی مان اور بیوی دونون بیٹھی ہوئی انکا انتظار کر رہی تھین طبیعت کو بہلانیکے لیے بیچ مین ایک انگیٹھی رکھ لی تھی جسکا اثر جسم کی نسبت خیال پر زیادہ پڑتا تھا۔ یہان کوئلہ تکلف سمجھا جاتا تھا۔ بڑھیا مہری جگیا جو مادی حرارت سے اسقدر بے نیاز نہ تھی وہین ایک پھٹا ٹاٹ کا ٹکڑا اوڑھے پڑی ہوئی تھی۔ وہ بار بار اُٹھکر اپنی اندھیری کوٹھری مین جاتی طاق پر کچھ ٹٹول کر دیکھتی اور پھر اپنی جگہ پر آکر پڑ رہتی۔ بار بار پوچھتی کتنی رات ہوگئی ہوگی۔ ذرا بھی کھٹکا ہوتا تو چونک پڑتی اور متردد نگاہون سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی۔ آج ڈاکٹر صاحب نے خلاف معمول کیون اتنی دیر لگائی اسکا سب کو تعجب تھا۔ ایسا بہت کم موقع ہوتا تھا کہ اُنھین مریضون کو دیکھنے کیلیے رات کو جانا پڑتا ہو۔ اگر کچھ لوگ اُنکے دست شفا کے قائل تھے تو رات کو اس گلی مین آنے کی زحمت نہ گوارا کرتے تھے۔ ملکی یا مجلسی معاملات سے انکو اتنا شوق نہ تھا جو اس تاخیر کا باعث ہو۔ مجلس احباب مین وہ کبھی شریک نہ ہوتے تھے۔ کسی

تھیٹر مین جانا اُنکے دائرۂ خیال سے بھی باہر تھا۔ مان نے کہا جانے کہان چلے گئے۔ کھانا بالکل پانی ہوگیا ہوگا۔

اہلیا۔ آدمی جاتا ہے تو کہہ کے جاتا ہے۔ آدھی رات سے اوپر ہوگئی۔

مان۔ کوئی ایسی ہی اٹک ہوگئی نہین تو وہ کب گھر سے باہر نکلتے ہین۔

اہلیا۔ مین تو اب سونے جاتی ہون۔ اُنکا جب جی چاہے آئین۔ کوئی ساری رات بیٹھا ہوا پہرہ دیگا؟

یہی باتین ہو رہی تھین کہ ڈاکٹر صاحب اندر داخل ہوے۔ اہلیا سنبھل بیٹھی۔ جگیا اُٹھکر کھڑی ہوگئی اور اُسکی طرف سہمی ہوئی آنکھون سے تاکنے لگی۔ مان نے پوچھا۔ آج کہان اتنی دیر لگا دی؟

سبحے لال۔ تملوگ تو آرام سے بیٹھی ہو نہ۔ مجھے دیر ہوگئی اسکی تمھین کیا فکر۔ جاؤ آرام سے سوؤ۔ ان ظاہر داریون سے مین دھوکے مین نہین آتا۔ موقع پاؤ تو گلا کاٹ لو۔ اسپر چلی ہو باتین بنانے۔

مان نے شرمندہ اور خفیف ہوکر کہا۔ بیٹا ایسی دل دکھانیوالی باتین کیون کرتے ہو۔ گھر مین تمھارا کون بیری ہے جو تمھارا برا چیتے گا؟

سبحے لال۔ مین کسی کو اپنا دوست نہین سمجھتا۔ سبھی میرے دشمن ہین۔ میری جان کے گاہک ہین تو کیا آنکھ اوجھل ہوتے ہی میری میز پر سے ڈھائی سو روپیہ غائب ہوجاتے۔ دروازے باہر سے بند تھے۔ کوئی غیر آیا نہین اور روپیے رکھتے ہی رکھتے اُڑ گئے۔ جو لوگ اسطرح میرا گلا کاٹنے پر آمادہ ہون اُنھین کیونکر اپنا سمجھون۔ مین نے خوب پتہ لگا لیا ہے۔ ابھی ایک سیانے کے پاس سے چلا آرہا ہون۔ اُسنے صاف کہدیا کہ گھر ہی کے کسی آدمی کا فعل ہے۔ خیر جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ مین بھی ثابت کردونگا کہ مین اپنے دشمنون کا دوست نہین ہون۔ اگر باہر کے کسی آدمی نے مجھے زک دیا ہوتا تو شاید مین درگذر کر جاتا لیکن جب گھر کے آدمی جنکے لیے مین رات دن چکی پیستا ہون میرے ساتھ ایسی دغا کرین تو وہ اسی لائق ہین کہ اُنکے ساتھ ذرا بھی رورعایت نہ کی جائے۔ دیکھنا صبح تک چور کی کیا حالت ہوتی ہے۔ مین نے سیانے سے موٹھ چلانیکو

کہدیا ہے۔ سوت چلا اور اُدھر چور کے جان کی خیریت نہیں"۔ جگیا گھبراکر بولی "بھیا سوت مین تو جان جوکھم ہے"۔

جے لال "چور کی یہی سزا ہے"۔

بڑھیا "کس سیانے نے چلایا ہے؟

جے لال۔ "بدھو چودھری نے،،

بڑھیا۔ ارے رام۔ آسکے سوت کا توڑ تا ہی نہین۔

جے لال اپنے کمرے مین چلے گئے تو مان نے کہا سوم کا دھن شیطان کھاتا ہے۔ ڈھائی سو روپیے کوئی مُنھ مار کیلے گیا۔ اتنے مین تو میرے ساتون دھام ہو جاتے۔

اہلیا بولی "کنگن کیلیے برسون سے جھینک رہی ہون۔ اچھا ہوا۔ میری آہ پڑی ہے"۔

مان "بھلا گھر مین انکے روپیے کون چھوئے گا"۔

اہلیا "کواڑ کھلے ہونگے۔ کوئی باہری آدمی اڑا لے گیا ہوگا"۔

مان "انکو بشواس کیونکر آگیا کہ گھر ہی کے کسی آدمی نے روپیے چرا لے ہین،،

اہلیا "روپیہ کا لوبھ آدمی کو شکی بناتا ہے،،

(۵)

رات کے ایک بجے تھے۔ ڈاکٹر جے لال وحشتناک خوابون کے نرغے مین پڑے ہوے تھے دفعتہً اہلیا نے آکر کہا ذرا چلکر دیکھو جگیا کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے زبان اینٹھ گئی کچھ بولتی ہی نہین۔ آنکھین پتھرا گئی ہین۔

جے لال چونک کر اُٹھ بیٹھے۔ ایک لمحہ تک اِدھر اُدھر تاکتے رہے گویا تحقیق کر رہے تھے یہ بھی تو خواب نہین ہے۔ تب بولے کیا کیا؟ جگیا کو کیا ہو گیا؟

بیوی نے پھر جگیا کی حالت بیان کی۔ جے لال کے چہرہ پر ایک ہلکا سا تبسم نظر آیا۔ بولے چور پکڑا گیا۔ سوت نے اپنا کام کیا۔

بیوی۔ اور جو گھر ہی کے کسی آدمی نے لے لیے ہوتے؟

جے لال۔ تو اسکی بھی یہی حالت ہوتی۔ ہمیشہ کیلیے سبق مل جاتا۔

بیوی۔ ڈھائی سو روپے کے پیچھے جان لے لیتے!

جے لال۔ ڈھائی سو روپیہ کیلیے نہین۔ ضرورت پڑے تو ڈھائی ہزار خرچ کرسکتا ہون۔ صرف دغابازی کی سزا دینے کے لیے۔

بیوی "بڑے بے رحم ہو"

جے لال۔ تھین سر سے پیر تک سونے سے لاد دون تو مجھے بجلی کا پتلا سمجھنے لگو۔ کیون؟ افسوس ہو کر مین تمسے یہ سند نہین لے سکتا۔

یہ کہتے ہوے وہ جگیا کی کوٹھری مین گئے۔ اُسکی حالت اس سے کہین زیادہ خراب تھی جو اہلیا نے بیان کی تھی۔ اعضا اکڑ گئے تھے۔ نبض کا کہین پتہ نہ تھا۔ اُسکی مان اُسے ہوش مین لانے کیلیے بار بار اُسکے منھ پر پانی کے چھینٹے دے رہی تھین۔ جے لال نے یہ حالت دیکھی تو ہوش اُڑ گئے۔ اُنھین اپنی تدبیر کے کارگر ہونے پر خوش ہونا چاہیے تھا۔ جگیا نے روپیے چرائے اسکے لیے اب مزید ثبوت کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن موٹھ ایسی سریع الاثر اور قاتل چیز ہے اسکا اُنھین گمان بھی نہ تھا۔ وہ چور کو ایڑیان رگڑتے، درد سے کراہتے، اور تڑپتے ہوے دیکھنا چاہتے تھے۔ اُنکی یہ خواہش انتقام غیر متوقع طور پر پوری ہو رہی تھی۔ مگر یہ وہ نمک کی کثرت تھی جو لقمہ کو منھ کے اندر جانے نہین دیتی۔ یہ نظارہ درد دیکھکر اُنھین خوشی کے بجاے روحانی صدمہ ہوا۔ طیش مین ہم اپنی بیرحمی اور بیدردی کا مبالغہ آمیز اندازہ کر لیا کرتے ہین۔ واقعہ تخیل سے کہین زیادہ موثر ہوتا ہے۔ جنگ کا تخیل کتنا شاعرانہ ہے۔ رزمیہ شاعری کتنی حرارت انگیز۔ مگر کچلی ہوئی لاشین اور کٹے ہوے اعضا دیکھکر کون بشر ہے جسکے رونگٹے نہ کھڑے ہو جائین۔ بلاشبہ درد انسان کی سرشت ہے۔

اسکے علاوہ مجرم کی خستہ حالی نے اس جذبۂ درد کو اور بھی متحرک کر دیا۔ جگیا جیسا وجود نحیف اُنکے طیش کا شکار ہوگا اسکا اُنھین گمان نہ تھا۔ وہ سمجھے تھے میرے انتقام کا وار کسی جاندار آدمی پر ہوگا۔ یہان تک کہ وہ اپنی بیوی اور لڑکے کو بھی اس وار کے قابل سمجھتے تھے لیکن مرے کو مارنا، کچلے کو کچلنا اُنھین اپنے شان انتقام کے خلاف معلوم ہوا۔ جگیا کی یہ حرکت معافی کے قابل تھی۔ جسے روٹیون کے لالے ہون، جو کپڑون کو ترسے، جسکا خانۂ آرزو

ہمیشہ اندھیرا رہا ہو جسکی خواہشین کبھی مسکرائی نہون، اسکی نیت خام ہو جائے تو تعجب کی بات نہین۔ وہ فوراً دواخانہ مین گئے بہترین ہوش آور ادویات کا ایک مرکب تیار کرلائے اور جگیا کے حلق مین ڈال دیا۔ اس سے کچھ افاقہ نہوا تو برقی آلات لائے اور انکی مدد سے جگیا کو ہوش مین لانے کی کوشش کرنی شروع کی۔ ایک لمحہ مین جگیا کی آنکھیں کھل گئین اُسنے سہمی ہوئی نگاہون سے جے لال کو دیکھا، جیسا لڑکا اپنے مدرسہ کی چھڑی کی طرف دیکھتا ہی اور اُکھڑی ہوئی آواز مین بولی، ہائے رام! کلیجہ پھنکا جاتا ہی۔ اپنے روپیے لے طاق پر ایک ہانڈی ہی اسی مین رکھے ہوئے ہین مٹھی بھر روپیون کے لیے مجھے آگ مین جلا رہا ہے۔ مین مجھے اتنا کالا نہ سمجھتی تھی۔ ہائے رام!

یہ کہتے کہتے اُسپر پھر غشی عارض ہوگئی۔ نبض بند ہوگئی ہونٹ نیلے پڑ گئے۔ اعضا مین تشنج ہونے لگا۔ جے پال نے بیکسانہ ندامت سے بیوی کی طرف دیکھا اور بولے مین تو اپنی ساری حکمت خرچ کرچکا۔ اب اسے ہوش مین لانا میرے امکان سے باہر ہی۔ مین کیا جانتا تھا کہ یہ کمبخت موٹھ اتنا قاتل ہوتا ہی۔ کہین اسکی جان پر بن گئی تو ساری عمر پچھتانا پڑیگا۔ ضمیر کے ٹھوکرون سے کبھی نجات نہ ملے گی، کیا کرون کچھ عقل کام نہین کرتی۔

اہلیہ۔ سول سرجن کو بلاؤ۔ شاید وہ کوئی اچھی دوا دیدے۔ کسی کو جان بوجھکر آگ مین ڈھکیلنا نہ چاہیے۔

جے لال۔ سول سرجن اس سے زیادہ اور کچھ نہین کرسکتے جو مین کرچکا۔ ہر لمحہ اسکی حالت نازک ہوتی جاتی ہی نہ جانے ظالم نے کونسا منتر چلا دیا۔ اسکی مان مجھے بہت سمجھاتی رہی لیکن مین نے طیش مین اُسکی باتون کی ذرا بھی پروا نہ کی۔

مان۔ بیٹا تم اسی کو بلاؤ جسنے منتر چلایا ہی۔ وہی اسے اُتار سکے گا۔ رات تو بہت گئی ہی لیکن کیا کیا جائیگا کہین مرگئی تو ہتیا سر پڑے گی۔ خاندان کو ہمیشہ ستائے گی۔

(۶)

دو کا عمل تھا۔ ٹھنڈی ہوا ہڈیون مین چبھی جاتی تھی۔ جے لال قدم بڑھائے بدھو چودھری کے گھر کی طرف چلے جاتے تھے۔ اِدھر اُدھر بے سود نگاہین دوڑاتے تھے کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ آنکہ

مل جائے۔ اُنھیں معلوم ہو رہا تھا کہ بدھو کا مکان بہت دور ہو گیا ہو۔ کئی بار بدھو کا ہوا کہیں راستہ تو نہیں بھول گیا۔ کئی بار ادھر آیا ہوں یہ باغیچہ کبھی نہ ملا۔ یہ پیشتر ملکیس بھی سڑک پر کبھی نہیں دیکھا۔ یہ پل تو ہرگز نہ تھا۔ ضرور راستہ بھول گیا۔ کس سے پوچھوں۔ وہ اپنی یادداشت پر جھنجھلائے اور آسی رو مین تھوڑی دور تک دوڑتے۔ معلوم نہیں ظالم اسوقت ملے گا بھی یا نہیں۔ شراب میں مست پڑا ہوگا۔ کہیں وہ غریب چل نہ بسی ہو۔ کئی بار دوسرے راستوں پر گھوم جانے کا خیال ہوا۔ لیکن تحریک باطن نے سیدھے راستے سے ہٹنے نہ دیا۔ یہاں تک کہ بدھو کا مکان نظر آیا۔ ڈاکٹر صاحب کے جان مین جان آئی بدھو کے دروازے پر جاکر زور سے کنڈی کھٹکھٹائی۔ اندر سے ایک کتے نے ناشائستہ انداز سے جواب دیا لیکن کوئی انسانی آواز نہ سنائی دی۔ پھر اور زور سے کیواڑ کھٹکھٹائے۔ کتا اور بھی تند ہوا۔ بڑھیا کی نیند ٹوٹی۔ بولی، یہ کون اتنی رات گئے کیواڑ توڑے ڈالتا ہو؟

ڈاکٹر۔ میں ہوں جو تھوڑی دیر ہوے تمھارے پاس آیا تھا۔

بڑھیا نے آواز پہچانی۔ سمجھ گئی انکے گھر کے کسی آدمی پر آفت آئی نہیں تو اتنی رات گئے کیوں آتے۔ مگر ابھی تو بدھو نے موٹھ چلایا نہیں۔ اُسکا اثر کیونکر ہوا۔ بھاتی تھی تب نہ مانا۔ خوب پھنسے۔ اُٹھکر کپی جلائی اور اُسے لیے ہوے باہر نکلی۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا بدھو چودھری سو رہے ہیں کیا۔ ذرا جگا دو۔

بڑھیا۔ نہ بابوجی۔ اس بکھت میں نہ جگاؤں گی۔ مجھے کچا ہی کھا جائیگا۔ رات کو لاٹ صاحب بھی آئیں تو نہیں اُٹھتا۔

ڈاکٹر صاحب نے چند لفظوں میں سارا ماجرا بیان کیا اور بڑی منت کے ساتھ التجا کی کہ بدھو کو جگا دے۔ اتنے میں بدھو خود ہی باہر نکل آیا اور آنکھیں ملتا ہوا بولا، کہیے بابوجی! کیا حکم ہے؟

بڑھیا نے چڑھکر کہا۔ تیری نیند آج کیسے کھل گئی۔ میں جگانے گئی ہوتی تو مارنے اُٹھتا

ڈاکٹر۔ میں نے سارا ماجرا بوڑھا سے کہدیا ہو۔ انھیں سے پوچھو،

بڑھیا۔ کچھ نہین تو نے موٹھ چلایا تھا۔ روپیے انکے گھر کی مہری نے لیے ہین۔ اب اسکا اپ
ہو رہا ہی"

ڈاکٹر" غریب مر رہی ہی۔ کچھ ایسی تدبیر کرو کہ اسکی جان بچ جائے"

بدھو" یہ تو اب بری سُنائی۔ موٹھ کو پھیرنا سہج نہین ہے"

بڑھیا۔" ارے بیٹا جان جوکھم ہے۔ کیا تجھے مالوم (معلوم) نہین ہی۔ کہین اُلٹے پھیرنیوالے ہی پر پڑے
تو جان بچنی مشکل ہو جائے"

ڈاکٹر" اب اُسکی جان تمھارے ہی بچائے بچے گی۔ اتنا دھرم کرو"

بڑھیا" دوسرے کی جان بکھاطر کوئی اپنی جان کاڑھ مین ڈالیگا!

ڈاکٹر" تم رات دن یہی کام کرتے رہتے ہو تمھین اُسکے داؤن گھات سب معلوم ہین۔ مار بھی
سکتے ہو، جلا بھی سکتے ہو۔ میرا تو ان باتون پر بالکل بشواس ہی نہ تھا لیکن تمھار اکمال
دیکھکر دنگ رہ گیا۔ تمھارے ہاتھون کتنے ہی آدمیون کا بھلا ہوتا ہی۔ اُس غریب بڑھیا پر
رحم کرو"

بدھو کچھ پسیجا لیکن اُسکی مان معاملہ داری مین اس سے کہین زیادہ فائق تھی۔ اُسے
خوف ہوا کہین یہ نرم ہو کر معاملہ بگاڑ نہ دے۔ اُسنے بدھو کو کچھ کہنے کا موقع نہ دیا۔ بولی
بابوجی۔ یہ تو سب ٹھیک ہی لیکن ہمارے بھی تو بال بچے ہین۔ نہ جانے کیسی پڑے کیسی نہ پڑے
وہ تو ہمارے سر جائے گی نہ۔ آپ تو اپنا کام نکال کر الگ ہو جائین گے۔ موٹھ پھیرنا
دلگی نہین ہے۔

بدھو" ہان بابوجی کام بڑے جوکھم کا ہے"

ڈاکٹر" کام جوکھم کا ہی تو مین تمسے مُفت تو نہین کروانا چاہتا"

بڑھیا" آپ بہت دینگے سو پچاس روپیہ دیدینگے۔ اتنے مین ہم کے دن [illegible] گے۔
موٹھ پھیرنا۔ سانپ کے بل مین ہاتھ ڈالنا، آگ مین کودنا ہے۔ بھگوان کی ایسی ہی نگاہ
ہو تو جان بچتی ہے،

ڈاکٹر۔ تو ماتاجی مین تمسے باہر تو نہین ہوتا ہون۔ جو کچھ تمھاری مرضی ہو وہ کہو۔ مجھے تو اس

غریب کی جان بچانی ہے۔ یہاں باتوں میں دیر ہو رہی ہے۔ وہاں معلوم نہیں اُسکا کیا حال ہوگا

بڑھیا۔ دیر تو آپ ہی کر رہے ہیں۔ آپ بات پکی کر دیں تو یہ تو آپ کے ساتھ جائیگا اور جو کچھ اسکے کیے ہو سکیگا کرے گا۔ آپ کی خاطر سے یہ جوکھم اپنے سر لے رہی ہوں۔ دوسرا ہوتا تو ٹکا سا جواب دیدیتی آپ کے لحاظ میں پڑکر جان بوجھ کر زہر پی رہی ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کو ایک ایک لمحہ ایک ایک برس معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بدھو کو اسی وقت اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ کہیں اُسکا دم نکل گیا تو یہ جا کر کیا بنا لیگا۔ اسوقت انکی نگاہوں میں روپیہ کی کوئی قیمت نہ تھی۔ صرف یہی فکر تھی کہ مجگیا موت کے منھ سے نکل آئے۔ جس روپیہ پر وہ اپنی ضرورتیں اور آسائشیں، اپنے گھر والوں کی خوشی اور خواہش تصدق کرتے تھے۔ اُسے جذبۂ درد نے بالکل ناچیز بنا دیا تھا۔ بولے تمھیں بتلا دو۔ اب میں کیا کہوں۔ مگر جو کچھ کہنا ہو فوراً کہدو،

بڑھیا۔ اچھا تو پانسو روپیہ دیدیجئے۔ اس سے کم میں کام نہ ہوگا۔

بدھو نے ماں کی طرف حیرت سے دیکھا۔ اور ڈاکٹر صاحب کو تو سکتہ سا ہو گیا۔ مایوسانہ انداز سے بولے اتنا میرے قابو سے باہر ہے۔ معلوم ہوتا ہے اُسکی تقدیر میں مرنا ہی لکھا ہے۔

بڑھیا" تو جانے دیجئے ہمیں اپنی جان بھاری تھوڑے ہی ہے۔ ہمنے تو آپ کے لحاظ سے اس کام کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ جاؤ بدھو سو رہو،،

ڈاکٹر۔ بوڑھی ماتا۔ اتنی بیرحمی نہ کرو۔ آدمی کا کام آدمی ہی سے نکلتا ہے"

بدھو" نہیں بابوجی۔ میں ہر طرح سے آپ کا کام کرنے کو تیار رہوں۔ اسنے پانچسو کہے، آپ کچھ کم کر دیجئے۔ جان جوکھم کا دھیان رکھیے گا۔

بڑھیا۔ تو جا کے سو کیوں نہیں۔ انھیں روپیے پیارے ہیں تو کیا تجھے اپنی جان پیاری نہیں ہے۔ کل کو کہیں لہر لگنے لگے گا تو کچھ بنائے نہ بنے گی۔ بال بچے ان کو کسپر چھوڑیگا؟ ہے گھر میں کچھ

ڈاکٹر صاحب نے شرماتے ہوئے ڈھائی سو روپیہ کہے۔ بدھو راضی ہو گیا۔ معاملہ طے ہوا۔

ڈاکٹر صاحب اُسے ساتھ لیکر گھر کی طرف چلے۔ انھیں ایسی روحانی مسرت کبھی حاصل نہ ہوئی تھی ہارا ہوا مقدمہ جیت کر عدالت سے لوٹنے والا مقدمہ باز بھی اتنا خوش نہ ہوتا ہوگا۔ جیسے

چلے جاتے تھے۔ بدھوسے بار بار قدم بڑھانے کو کہتے۔ گھر پہونچے تو جگیا کو نزع کی حالت مین پایا۔ معلوم ہوتا تھا دم واپسین ہے۔ اُسکی ماں اور بیوی دونوں با چشم تر مایوس بیٹھی ہوئی تھین بدھو کو دونوں نے منت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ ڈاکٹر صاحب کے آنسو بھی نہ رُک سکے بڑھیا کے سر کی طرف جھکے تو اشک کے کئی قطرے اُسکے مرجھائے ہوے زرد رخساروں پر ٹپک پڑے۔ بدھو کی فراست اب بیدار ہوئی۔ بڑھیا کے بدن پر ہاتھ رکھتے ہوے بولا بابوجی اب میرا کیا کچھ نہین ہوسکتا۔ یہ تو دم توڑ رہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے گڑگڑا کر کہا "نہین چودھری۔ ایشور کے لیے اپنا منتر چلاؤ۔ اسکی جان بچگئی تو مین ہمیشہ کے لیے تمھارا غلام بنا رہونگا"

بدھو۔ آپ مجھسے جان بوجھ کے جہر کھانے کو کہتے ہین۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ موٹھ کے دیوتا اس وقت اتنے گرم ہین۔ وہ میرے من مین بیٹھے کہہ رہے ہین تمنے میرا شکار چھینا تو ہم تمھین نگل جائینگے

ڈاکٹر۔ دیوتا کو کسی طرح راضی کر لو"

بدھو مسکل سے راجی ہون گے۔ پانچسو روپیے دیجیے تو اسکی جان بچے۔ اُتارے کے لیے بڑے بڑے جتن کرنے پڑین گے،

ڈاکٹر۔ پانچسو روپیہ دیدون تو اسکی جان بچا دوگے؟

بدھو۔ ہان سرط بد کر"

ڈاکٹر صاحب بجلی کی طرح لپک کر اپنے کمرے مین گئے اور باقی پانچسو روپیون کی تھیلی لاکر بدھو کے سامنے رکھدی۔ بدھو نے فاتحانہ نظرون سے تھیلی کو دیکھا۔ تب جگیا کا سر اپنی گود مین رکھکر اسپر ہاتھ پھیرنے لگا۔ کچھ بدبدا کر چھو چھو کرتا جاتا تھا۔ ایک لمحہ مین اُسکی صورت وحشتناک ہوگئی۔ آنکھون سے شعاعین سی نکلنے لگین۔ بار بار انگڑائیاں لینے لگا اسی عالم مین اُسنے ایک بے سُرا گیت گانا شروع کیا۔ مگر ہاتھ جگیا کے سر پر تھے۔ آخر آدھ گھنٹہ مین بڑھیا نے آنکھین کھولدین۔ جیسے بجھتے ہوے چراغ مین تیل پڑ جائے۔ لمحہ بہ لمحہ اُسکی حالت رو بہ اصلاح ہونے لگی اور مرغ کی پہلی بانگ سنائی دی۔ ادھر بڑھیا نے ایک انگڑائی لی اور اُٹھ بیٹھی گویا اس بانگ سحر نے اُسے بیدار کر دیا۔

(۷)

سات بجے تھے۔ جگیا میٹھی نیند سو رہی تھی۔ اُسکا چہرہ بشاش تھا۔ بد حواس روپیوں کی تھیلی لیکر ابھی ابھی رخصت ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی ماں نے کہا "بات کی بات مین پانچسو روپیہ مارے گیا۔

ڈاکٹر۔ یہ کیون نہین کہتین کہ ایک مردہ کو جلا گیا۔ کیا اسکی جان کی قیمت اتنی بھی نہین ہو؟

ماں۔ دیکھو طاق پر ہانڈی مین ڈھائی سو روپیہ ہین یا نہین ؟

ڈاکٹر۔ نہین، اُن روپیون مین ہاتھ مت لگانا۔ اُنھین وہین پڑا رہنے دو۔ اُسنے تیرتھ کرنیکے لیے دیے تھے۔ وہ اُسی کام مین خرچ ہونگے۔

ماں۔ یہ ساڑھے سات سو روپیے اسی کے بھاگ کے تھے ،،

ڈاکٹر۔ اُسکے بھاگ کے تو ڈھائی سو ہی تھے۔ باقی میرے بھاگ کے تھے۔ اُنکی بدولت مجھے ایسا سبق مل گیا جو عمر بھر نہ بھولے گا۔ تم اب مجھے جائز خرچ مین مٹھی بند کرتے ہوے نہ پاؤگی

پریم چند

نیا زمانہ اور نئے لفظ

بعض اردو اخبارات مین گزشتہ چند سالونمین بعض ایسے لفظ استعمال ہونے لگے ہین جو انھین عربی اور فارسی اخبارات مین نظر آتے ہین۔ اور وہ انھین عربی یا ترکی سمجھکر استعمال کرنے لگے ہین بحالیکہ اُنکی حالت اور ہی۔ مثلاً آجتک کیبنٹ کو وزارت یا کیبنٹ لکھا کرتے تھے۔ مگر اب اسے کابینہ لکھا جاتا ہی کیون اسلیے کہ عربی ترکی اخبارات اب لکھتے ہین۔ مگر یہ لفظ ہرگز عربی یا ترکی نہین ہی بلکہ فرانسیسی طریق تلفظ سے کیبی نٹ کو "کابی نہ" تلفظ کیا جاتا ہی۔ لفظ بالکل وہی ہی۔ انگریزی لفظ اُردو مین لکھنے کا یہ قاعدہ تھا کہ ہندوستان مین لاکھوں لوگ انگریزی لکھ پڑھ سکتے ہین۔ اور وہ کیبی نٹ کے معنی جانتے ہین۔ ایسے ہی اور کئی نئے نئے لفظ آجکل رواج پا رہے ہین۔ ایک اور قسم نئے اصطلاحات کی [illegible] خالص عربی الفاظ ہین جو ہندوستان کے مروجہ انگریزی الفاظ کی جگہ استعمال کر[illegible] ہین ہی۔ مثلاً یونیورسٹی ایک عام لفظ ہی، ہر ایک اسکول کا لڑکا اور ہمارے [illegible] جانتا ہی۔ کیونکہ اب کئی صوبونمین نئی کئی یونیورسٹیان موجود ہین مگر اردو اخبارات عربی ترکی اخبارات کو دیکھکر اُسے کلیہ لکھتے ہین۔ بحالیکہ روزمرہ کی بول چال مین اُسے ہر شخص یونیورسٹی ہی کہتا ہی۔ کیا ہندوستان کے ہندوون سے یہی امید ہی کہ وہ کبھی کلیہ پنجاب یا کلیہ مدراس یا بنگال یا بمبئی لکھین گے۔ بہت سے اور بےجوڑ اور فضول نئے لفظ اردو اخبارات مین داخل ہو رہے ہین جنکا اردو زبان مین ہضم ہونا بہت مشکل نظر آتا ہے۔

تنقید کتب

کلام طورؔ

طورؔ مرحوم دنیا مین بہت تھوڑی عمر لیکر آئے تھے لیکن اس قلیل مدت مین وہ جو خدمت قوم اور اردو زبان کی کر گئے ہین وہ عرصہ تک یادگار رہیگی شائقین ادب کو شیخ نذر محمد صاحب کا ممنون ہونا چاہیے کہ اُنکے حسن کوشش سے کلام طور کا ایک مختصر سا مجموعہ شایع ہو چکا ہے۔ گو اس مین طورؔ مرحوم کی سب نظمین یکجا نہین کیجا سکین لیکن اگر انور صاحب کی سعی موفور بر سر کار ہے تو کچھ تعجب نہین کہ کسی دوسرے رسالے مین آپ وہ تمام نظمین بھی شایع کر دین جو بعض اخبارات و رسائل مین وقتاً فوقتاً شایع ہو چکی ہین اور جو اس مجموعے مین شامل نہین،

طورؔ مرحوم انگریزی مین ایم۔ اے تھے۔ اردو فارسی وغیرہ مشرقی علوم مین کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ ایک مدت تک علی گڑھ کالج کی اسسٹنٹ پروفیسری پر بھی ممتاز رہے، اردو اور انگریزی ادب مین خاص عبور تھا۔ چنانچہ مخزن کی اڈیٹری اور کامریڈ کی اسسٹنٹ اڈیٹری پر بھی فائز رہ چکے ہین۔ اپنے دیگر علمی مشاغل کے ساتھ آپ اکثر مذہبی اور قومی نظمین بھی کہتے رہتے تھے۔ نظمون کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپکے پہلو مین ایک درد بھرا دل تھا جسمین فطرت نے شاعرانہ مذاق کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا

حالیؔ۔ شبلیؔ و اقبالؔ وغیرہ کی طرح طورؔ مرحوم کی نظمین بھی مفید ہین

کلام طور مین تسلسل مضامین کے علاوہ رنگ تغزل برقرار ہے

کسی دریا کی موجین ہین جو ایک سلسلے مین بڑھی چلی

طور کے دوسرے صفحہ پر ہے، ابتدائی اشعار ملاحظہ

مجھے تعارف کا شرف نصیب تھا

جسکی کسی طرح بھی تلافی نہین ہوسکتی ہے ایک دم

انکی ملاقات کیلیے بیقرار رہتا تھا۔ اُنکا خلوص اور

دونون پر ایک دیرپا نقش چھوڑ دیتا

ابر رحمت ساحتِ امکان پہ تھا چھایا ہوا | خود اندھیرا زینت تھا آپ [illegible] ہوا

ایک سناٹے کا عالم تھا خموشی تھی بپا | آب دریا و نباتات جہان ابھی تھے کچھ نہ تھا

منظر وحشت تھا، سونا تھا بیابان ازل | [illegible] تھا میدان ازل

غور کیجئے قادر الکلام شاعر کس خوش اسلوبی کے ساتھ سامع کے خیال کو اُس زمانے کیطرف منتقل کرنا چاہتا ہے جو وجود کائنات سے پہلے تھا، اگرچہ اُس زمانہ کا قیاس امکان فہم سے باہر ہے، لیکن شاعر نے مذہبی اور عقلی روایات کو اپنا رہنما بنایا ہے اور انھیں پر اپنے نظم کی بنیاد رکھی ہے - ان اشعار کے بعد فوراً تمہید سے گریز کرتا ہے اور اسکے بعد والے اشعار میں فلسفۂ کائنات بیان کرتا ہے -

یک بیک تاریک بادل کا لفافہ پھٹ گیا — یعنی روئے شاہد قدرت سے پردہ ہٹ گیا
نور ذات بیچگون خلوت میں عریاں ہو گیا — دم کی دم میں انجمن کا ساز و سامان ہو گیا
نور احمدؐ رونما، نور خدا سے ہو گیا — میم کے پردے میں آکے نازنین خود سو گیا
لمعہ افگن جب ہوا خورشید نور مصطفیٰؐ — مرحبا صلِّ علیٰ ہنسکر لب کُن سے کہا

پہلے دو شعروں کے مضمون سے تو قریب قریب ساری دنیا متفق ہے اور تمام مذہبی کتابیں تصدیق کرتی ہیں کہ، ابتدا میں صرف خدا کی ذات تھی اور تاریکی کے سوا کائنات کا کچھ نشان نہ تھا البتہ پچھلے دو شعروں میں خاص مسلمانوں کے عقیدے کا اظہار کیا ہے اور اس خوبی سے اظہار کیا ہے کہ شاعرانہ خوبی کے ساتھ اپنی راسخ الاعتقادی کو بھی نمایاں کر دیا ہے -

مسلمانوں کا ایمان ہے کہ پہلے خدا نے اپنے نور سے نور احمدیؐ کو پیدا کیا اور پھر تمام کائنات کو وجود میں لایا، فرقان حمید میں ہے کہ ازل میں خدا نے کہا کُن، یعنی ہو جا، بس تمام چیزیں بن پیدا ہو گئیں شاعر نے انھیں باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، آگے چلکر فلسفیانہ انداز میں پوچھتا ہے -

کون سی شئے وجہ تخلیق بنی آدم ہوئی
[illegible] پیدائش ہژدہ ہزار عالم ہوئی

[illegible] کا اعتراف کرتا ہوا بتاتا ہے کہ تخلیق عالم کا سبب عشق ہے، خدا کو [illegible] لی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کر کے سارے عالم کو ظہور میں لایا [illegible]

ماجرا [illegible] میں کیونکر کہوں — آسمان کی بات میں اہل زمین کیونکر کہوں
کیا کہوں تجھ سے ہوئی کیونکر نمود زندگی — کس طرح پر ہے وجود ہست و بود زندگی
ذات مطلق کو نمائش عشق کی منظور تھی — پردۂ سرِ ازل میں بات یہ مستور تھی

الفت محبوب کے اظہار سے ہستی ہوئی اور تعیین جہان و رفعت و پستی ہوئی
عشق سے موجود یہ اسم و مسمےٰ ہوگئے اہل جان فذات بیجان اور مجزا ہوگئے،

غرض پوری نظم قابل دید ہے، اور اسکا ہر شعر مصنف کو خود داد قادر الکلامی دے رہا ہے، اسی نظم پر موقوف نہیں بلکہ کلام طور میں جتنی نظمیں موجود ہیں سب میں تسلسل اور رنگ تغزل کی یہی شان موجود ہے، بلکہ بعض بعض نظمیں تو اپنی شان تغزل کیوجہ سے بہت بلند ہیں۔

مکالمہ شاعر و فطرت اسلامیہ سوز گداز، اور جہانہ کے عنوان سے جو نظمیں ہیں وہ اس قابل ہیں کہ اہل نظر انھیں پڑھیں اور اندازہ کریں کہ زور تخییل اور آمد مضامین کا کیا عالم ہے۔

لیکن بعض نظمیں کلام طور میں ایسی بھی ہیں جنمیں کوئی خاص بات نہیں اور انکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف مرحوم کی ابتدائی مشق ہے۔ کلام طور میں جا بجا لغزشیں بھی موجود ہیں ایمیں اکثر وہ ہیں جو عموماً اہل پنجاب کے کلام میں پائی جاتی ہیں، اور تنہا طور مرحوم کو انکا ذمہ دار نہیں ٹھیرایا جاسکتا با اینہمہ مصنف کی کم سنی اور خوشگوئی ان سب کی تلافی کردیتی ہے،

فاختہ کا پیغام، کے عنوان سے ایک دلکش اور عبرت انگیز نظم ہے، جسمیں مصنف نے اون کیفیات کا اظہار کیا ہے جو ویرانۂ دہلی کی سیر سے اسکے دیدۂ دل پر طاری ہوئیں، اس نظم کے مطالعہ سے دہلی کی گذشتہ شان و شوکت کی تصویر بربادی آنکھوں میں کھنچ جاتی ہے، نظم کا پہلا شعر یہ ہے،

ویرانۂ دہلی میں جو گیا اک فاختہ مجھ سے یوں بولی پیغام تجھے اک دیتی ہے سن اے غافل کوکو میری

غالباً طور مرحوم نے عمر خیام کی اس رباعی سے اس نظم کا خاکہ طیار کیا ہے۔

آں خوابہ کہ خویش را با کو میگفت
بر کنگرۂ سرائے او فاختہ

انھے تعارف کا شرف نصیب تھا، وہ جانتے ہیں
ہے جسکی کسی طرح بھی تلافی نہیں ہو سکتی، وہ ایک قوم
بفرض محال اگر یہ خیال صحیح بھی ہو تو
انکی ملاقات کیلیے بیقرار رہتا تھا۔ انکا خلوص اور
کے خیال کو اردو میں اس خوش اسلوبی سے
سخن دلوں پر ایک دیرپا نقش چھوڑ دیتا تھا
کم نہیں،

طور مرحوم کو غزل گوئی سے زیادہ الفت نہ تھی اگرچہ آخر میں چند غزلیں شامل ہیں مگر انمیں بھی نظم ہی کا رنگ نمایاں ہے، ممکن ہے کہ میدان غزل کی فرسودگی اور پامالی نے انھیں اسطرف

متوجہ ہونے دیا ہو پھر بھی جو چند غزلیں، کلام طور میں موجود ہیں اُن میں دو چار شعر ایسے ملتے ہیں جو شہادت دیتے ہیں کہ طور مرحوم اس صنف میں بھی مجبور نہ تھے۔

انشا کی لاجواب غزل کے بعد اس زمین میں کسی کی غزل کا رنگ نہیں جمتا،

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

مگر طور مرحوم نے باوجود کم مشقی کے کامیاب غزل لکھی ہے چند شعر ملاحظہ ہوں،

جدا ہونیکو ملکر بزم میں سب یار بیٹھے ہیں
ابھی آئے تھے جانیکو ابھی طیار بیٹھے ہیں

ہم اے مہمان سرائے دہر بہت ہار بیٹھے ہیں
مسافر ہیں ازل کے، تھک کے آخر کار بیٹھے ہیں

لگائیں خاک وہ کے اے گلستان تیرے پھولوں سے
جو مثل بوئے گل پرواز کو طیار بیٹھے ہیں

ہماری انجمن بھی انجمن ہے اے خدا کیسی
کہیں بیمار بیٹھے ہیں کہیں ناچار بیٹھے ہیں

یہاں تک کلام طور کے ایک رُخ پر گفتگو ہو چکی، اب دوسرا رخ باقی ہے، ہمارا فرض تھا کہ ہم اُسکو بھی نمایاں کرتے لیکن ہم جیسا اوپر لکھ آئے ہیں، مرحوم کی کم مشقی، تمام لغزشوں کی ضامن ہے علاوہ بریں طور مرحوم بقید حیات نہیں، اُنھیں نہ اب اپنی تعریف سے خوشی ہو سکتی ہے اور نہ اپنی غلطیوں سے متنبہ ہو سکتے ہیں، اسلیئے ہم تنقید کے اس رخ سے قصداً چشم پوشی کرتے ہیں اور اسکے بجائے خدا سے مرحوم کے لیئے دعائے مغفرت مانگتے ہیں۔

کلام طور کا حجم ایک سو چبیس صفحے کا ہے، نظموں کے علاوہ چند غزلیں اور متفرق اشعار کم شامل ہیں آخر میں بطور ضمیمہ چار صفحے پر طور مرحوم کی سوانحعمری بھی ہے، کاغذ اور کتابت وطباعت معمولی ...... ملنے کا پتہ بشیر منزل ترکمانی دروازہ دھلی

اردو میں لکھنے کا یہ قاعدہ تھا کہ ہندو
وہ لیبی نٹ کے معنی جانتے ہیں - ایسے ہی اور
قسم کے ... خالص عربی الفاظ ہیں جو
استعمال ... ہو مثلاً یونیورسٹی ایک
... جاتا ہے کیونکہ اب کسی صورت
... اخبارات کو دیکھئے

پارہ جگر

پارہ جگر مولانا کیفی چریاکوٹی کی چند نظموں کا مجموعہ ہے ... صاحب نے گورکھپور سے شائع کیا ہے۔

کیفی صاحب کی رنگینیٔ تخیل، طرز بیان، اور مضامین کی ندرت محتاج تعارف نہین رسالہ زمانہ اور اکثر موجودہ رسائل و اخبارات آپ کے رشحات قلم سے سیراب ہوتے رہے ہین آپ تمام اصناف سخن پر یکسان قدرت رکھتے ہین، اور نظم کے علاوہ نثر بھی بہت رنگین اور لطیف لکھتے ہین، لیکن آپ کبھی کبھی بلند پروازی کے جوش مین بعض ایسی باتون سے قطعاً چشم پوشی کر جاتے ہین جنکی وجہ سے کلام کی خوبیون پر حرف آجاتا ہی، عموماً آپ زور تخیل کے سامنے مسلسل مضامین اور اشعار کے ربط باہمی کا خیال نہین رکھتے۔

سب سے آخری نظم جو آپنے عید کا چاند دیکھکر لکھی ہے، وہ نہایت ہی پُرکیف ہے، گو اسکا ہر شعر لطیف ہے لیکن شروع سے آخر تک پڑھ لینے کے بعد بھی یہ سمجھ مین نہین آتا کہ اس نظم کو اپنے عنوان سے کیا تعلق ہے۔ مطلع سے لیکر مقطع تک، ایک شعر کو دوسرے شعر سے کوئی لگاؤ نہین ہے فرماتے ہین۔

جنون کا جوش بھی ہے آپ کا خیال بھی ہی — بقدر ہمت دل ہجر بھی وصال بھی ہی
کہا یہ مہر جہان سوز سے قیامت نے — جسے عروج کبھی ہے اُسے زوال بھی ہی
زبان پہ مہر خموشی ہے پانون مین زنجیر — جو پچھلے سال قیامت تھی اب کی سال بھی ہی
یہ سر ہے اپنی جگہ پر بنائے بیم و امید — کہ شکل زیست بھی ہے دوش پر وبال بھی ہی

ان شعرون مین کوئی ربط نہین، اگر انھین ہم تشبیب سمجھ لین تو کہین گریز کا پتہ نہین چلتا، دو شعرون کے بعد تیسرے شعر مین ہلال کا قافیہ ضرور نظم ہوا ہے، لیکن وہ بھی اسطرح گویا غزل کا ایک شعر ہے کیونکہ اسکے بعد پھر کسی شعر مین ہلال [illegible] نہین۔

زمین ہی نہین دشمن ترے اسیرون کی
رکھو نہ ہاتھ تسلی کو دل تو ٹوٹ گیا
جبین پہ اُنکے شکن ہے تو مین سمجھتا ہون
تمھین بتاؤ کرین اور کس سے ہم تشبیہ

ے تعارف کا شرف نصیب تھا [illegible]
[illegible] ہے جسکی کسی طرح بھی تلافی نہین ہو سکتی ہو، ایک [illegible]
[illegible] انکی ملاقات کیلیے بیقرار رہتا تھا۔ انکا خلوص اور
[illegible] دلون پر ایک دیرپا نقش چھوڑ دیتا تھا
[illegible] تمھارے [illegible]

ان شعرون کو پڑھکر کون کہہ سکتا ہے کہ ایک مسلسل نظم کے شعر ہونگے، انمین تو نظم کی کوئی شان نہیں اور نہ عنوان مجوزہ سے ان اشعار کو کوئی تعلق ہے، ہمارے خیال مین اس قسم کی نظم کو

غزل کہنا بہت مناسب ہے،

پہلی نظم جو "عصر اسلام" کے عنوان سے لکھی گئی ہے، نہایت پاکیزہ نظم ہے، اور اسکے لیے جناب کیفی دنیائے ادب سے مبارکباد کے مستحق ہیں، ممالک اسلامیہ کی بربادی کے ساتھ مسائل حاضرہ کی بڑی دلکش تصویر کھینچی ہے، پہلا بند یہ ہے۔

آج کچھ خودداری وحشت کا ساماں ہوگیا — لخت دل اشکوں میں ملکر گل بداماں ہوگیا
ہچکیوں کا زور شمشیر رگ جاں ہوگیا — یعنی آخر مبتلائے درد ہجراں ہوگیا
ناامیدی کہتی ہے رنگ جہاں کچھ بھی نہیں
دل بھی کہتا ہے کہ ہاں اے مہرباں کچھ بھی نہیں

ملاحظہ فرمائیے، جناب کیفی نے فصاحت و بلاغت کے کیسے کیسے جوہر دکھائے ہیں، ہر مصرعہ ایک ادبی جواہر ریزہ ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اسکے تیسرے اور چوتھے مصرعے میں کوئی ربط ہی نہیں، ہچکیوں کا زور شمشیر رگ جاں ہوگیا، خیر یہ بھی سہی، مگر یہ ہچکیاں کیوں آنے لگیں یہ ظاہرا ہچکیوں کو درد ہجراں سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا البتہ ٹیپ کا بند بہت دردار ہے، سلاست بیان، لطافت زبان، زور تخیل سب کچھ موجود ہے، "ہاں اے مہرباں کچھ بھی نہیں" یہ فقرہ داد سے مستغنی ہے، مجموعی حیثیت سے یہ نظم، مولانا کیفی کی، عالی خیالی اور بلند پروازی کا نہایت عمدہ نمونہ ہے، ترک و عرب کے اتحاد کے متعلق آپ نے ایک بہت ہی پرکیف بند لکھا ہے، جسمیں جناب سعدی کے شعر کو اس خوبی سے ضم کر دیا ہے، کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے،

[illegible] — حرز جاں جو بن گئے تھے طوق آہن ہوگئے
[illegible] — سب یہ کہتے ہیں عرب ترکوں کے دشمن ہوگئے
[illegible] بگریہ بر زمین
[illegible] امیر المومنین

مگر تعریف ہی [illegible] تاہم ضرور کھٹکے گا کہ "حرز جاں جو بن گئے تھے" نہایت ہی بے جوڑ اور بے تکا فقرہ ہے، اسی طرح ایک جگہ ہندوستان کو خطاب کر کے، نہایت خوب دو بند لکھے ہیں،

آئی ہیں تیری زمیں پر یوں تو قومیں بے شمار — ابرین منگولین افغان و ترکان تتار

تو سنے دیکھے اپنے آنکھون سے ہزارون تاجدار — بدبر و اسکندر و با حشمہ بشیر عالی وقار

اسطرح سیلاب آفت کا ادھر آیا کبھی

سچ بتا ایسا تماشہ بھی نظر آیا کبھی

ہم ہین کیا نقشے کیا تما مین یاس کی تصویر ہین — شکوۂ بے مدعا ہین آہ بے تاثیر ہین

جسمین کچھ مطلب نہ ہو وہ حرف وہ تحریر ہین — جسکا کچھ منشا نہ سمجھے کوئی وہ تقریر ہین

زندگی کے مقصد اصلی سے بالکل دور ہین

کیا کرین ہم ، بستۂ زنجیر ہین مجبور ہین

پارہ ہائے جگر کے چھبیسوین ۲۶ صفحے پر نالۂ مسلم کے عنوان سے جو نظم ہے اُسکی شان ہی نرالی ہے ، اُردو کے ساتھ ساتھ ، فارسی ، عربی ، اور بھاشا کی آمیزش سے کچھ عجیب چیز ہو گئی ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ جناب کیفی نے اس نظم کو کسی ترکی اخبار کے لیے لکھا تھا جو بھول چوک سے پارہ ہائے جگر مین شامل ہو گئی ، جہان تک اردو ادب کا تعلق ہے ، نظم بہت عمدہ ہے لیکن جہان سے یہ علمی ظرافت یعنی فارسی عربی بھاشا کی آمیزش شروع ہوئی ہے اسکا رنگ ہی بدل گیا ہے بہر حال یہ ادبی کھچڑی ہمکو پسند نہین ، لیکن باینہمہ پارہ ہائے جگر دیکھنے کی چیز ہے ، اُسمین نظم اردو کے بہترین نمونے موجود ہین ،

ٹائیٹل کے علاوہ ۲۰۳ صفحون پر کتاب ختم ہوئی ہے ، قیمت عہ ر کسقدر زیادہ ہے مگر کیفی صاحب کے قدر شناسون کو اُنکا کلام جس قیمت پر بھی میسر آئے گران نہین ،

(شائقین حکیم برہم صاحب (گورکھپوری)

نکات غالب

ہے تعارف کا شرف نصیب تھا

م ہے جسکی کسی طرح بھی تلافی نہین ہو سکتی ہو ایک دفعہ

انکی ملاقات کیلیے بیقرار رہتا تھا ۔ انکا خلوص اور

یہ مرزا غالب کی خود نوشتہ سوانحعمری ، سے شایع ہوئی ہے ، جسکو جناب نظامی بدایونی نے مختصر مضمونون پر ایک دیرپا نقش چھوڑ دینے کی غرض سے مرتب کیا ہے اگرچہ مضامین مختلف خطوط سے لیے گئے ہین لیکن مؤلف کی قابلیت نے ان بیش بہا دانون کو ایک رشتہ مین اسطرح پرو دیا ہے کہ پوری سوانحعمری موتیون کی ایک لڑی بن گئی ہے ،

مرزا غالب کے وہ تمام نکات بھی جو انھون نے وقتاً فوقتاً اپنے دوستون اور شاگردون کو بتائے تھے جمع کر دیئے گئے ہین، اسطرح کتاب کی خوبیون مین ایک خاص اضافہ ہوگیا ہے - آخر مین مرزا کی طبعی ظرافت کے وہ نمونے بھی پیش کر دیے گئے ہین جس سے اُنکی رندانہ اور ظریفانہ زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے، غرض یہ مختصر سی کتاب ہر حیثیت سے قدر و عزت کی مستحق ہے، اور ہم جناب نظامی کو اس بے نظیر تالیف پر مبارکباد دیتے ہین،

کاغذ عمدہ کتابت وطباعت دیدہ زیب، جلد خوشنما مگر حجم کے لحاظ سے مقررہ قیمت عہ ر زیادہ ہے - ملنے کا پتہ - نظامی پریس بدایون

امتحان وفا

امتحان وفا کے نام سے سیّد مسعود حسن بی اے ادیب نے انگلستان کے مشہور شاعر لارڈ ٹینیسن کے منظوم افسانے کا سلیس اور با محاورہ اردو مین ترجمہ کیا ہے - عموماً ترجمہ مین وہ خوبیان قائم نہین رہتین جو اصل زبان مین ہوتی ہین، لیکن جناب ادیب اپنی کوشش مین بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہین، اصل افسانہ بہت ہی پُر اثر ہے - مگر امتحان وفا مین بھی وہ تاثیر زائل نہین ہونے پائی ہے - کاغذ عمدہ کتابت وطباعت دیدہ زیب، قیمت صرف ۸ر ملنے کا پتہ زمانہ کانپور،

اعظمی

[illegible] ہے تیری [illegible]

[illegible] مین لکھنے کا یہ قاعدہ تھا کہ ہندو [illegible]

وہ تمیمی نٹ کے معنی جانتے ہین - ایسے ہی اورنگ زیب کے دورِ نسیاسی مین کئی سردارون اور سپاہیون سے اُردو مین تبسم سے مصطفیٰ خان [illegible] خالص عربی الفاظ ہین جو [illegible] ہوتا تھا آپ اس زبان مین بھی مہارت پیدا کرکے استعمال کرتے [illegible] مثلاً یونیورسٹی ایک عام [illegible] آفیسر [illegible] جاتا ہے کیونکہ اب کئی صوبہ یاد رساکن قائم گنج ضلع فرخ آباد کا کارنامہ میڈل دیکھ [illegible] اخبارات کو دیکھکر [illegible] جب رسالدار صاحب نے جواب عرض کیا کہ ہان حضور گیا تھا تو آپنے فرمایا کہ "بادشاہ سلامت کو دیکھا تھا" رسالدار صاحب نے عرض کی جی ہان اُنہی کے دستِ مبارک سے ملا تھا یہ سُنکر مسکراتے ہوئے "بہت اچھا مبارک" کہہ کر آگے بڑھ گئے -

میری پیاری بھارت ماتا

(ایک قومی گیت)

جھنڈ ہمالہ تجھکو لاتا — ہے بڑھیا سا چھتر چڑھاتا
ساگر کے بل ہے ساگر آتا — تیرے چرنون کو دھو جاتا
میری پیاری بھارت ماتا

ہرے بھرے ہین جو جنگل ہین — اچھے اچھے پھول اور پھل ہین
خوب سُہانے سب جل تھل ہین — تیرا درشن من کو بھاتا
میری پیاری بھارت ماتا

تازہ تازہ سرد ہوا ہے — خوشبو بھی پھر اسمین کیا ہے!
اور روح افزا ہر جھونکا ہے — ہان، جو جیون کو ہے بڑھاتا
میری پیاری بھارت ماتا

تیری چمک مین کیسی آؤبج ہے — چاند ہے چہرہ یا سورج ہے
سانولی رنگت پر کیا دھج ہے — آکاشش یکدم جھک کے بجاتا
میری پیاری بھارت ماتا

رشیون کو تو سرجا تو نے
ویرون کو ہان جنا تو نے
میری پ...

پھیلا سارا دھرم تجھی سے
پایا جگ کا مرم تجھی سے — جسپر اب جگ ہے اتراتا
میری پیاری بھارت ماتا

...سے تعارف کا شرف نصیب تھا جسے
...تم ہے جسکی کسی طرح بھی تلافی نہین ہو سکتی، ہر ایک دم
...انکی ملاقات کیلیے بیقرار رہتا تھا۔ انکا خلوص اور
...سمجھ دلون پر ایک دیرپا نقش چھوڑ دیتی تھی

دنیا نے کی پوجا تیری سب نے گائی مہما تیری
پھل دیتی تھی سیوا تیری بڑھیا سکھ تھا بڑھتی پاتا

میری پیاری بھارت ماتا

تجھ مین اب بھی ہے اونچا پن تیرا نام اب بھی ہے روشن
اب بھی تیری بھومی کا دھن کس کے دل کو نہین لبھاتا؟

میری پیاری بھارت ماتا

لیکن تیرے بچے بگڑے جھوٹی بچ پر سے لڑتے جھگڑے
بنتے بنتے کیسے بگڑے یہ دکھ تجھکو اب ہے ستاتا

میری پیاری بھارت ماتا

انکا گیان گھٹا اب کیسا ویسا دان گھٹا اب کیسا
تیرا مان گھٹا اب کیسا اگلا آدر نہین دکھاتا

میری پیاری بھارت ماتا

تجھسے غافل یون ہو بیٹھے آپے پن کو بھی رو بیٹھے
آرام اپنا سب کھو بیٹھے اور تیرا دل ہے گھبراتا

میری پیاری بھارت ماتا

کھو دینے کو پھر بھی اوداسی یہ تو نہین کچھ بات ذرا سی
[illegible] بھارت باسی ہر اک تجھکو ہو اپنا تا

[illegible] میری پیاری بھارت ماتا

[illegible] تیری سیوا مین مرجانا
[illegible] کرے جنکو من بھیتا تا

میری پیاری بھارت ماتا

[illegible] ہوگی جب تیسیا آنند آسے گا پھیلا سا
[illegible] دہ تماشا ہاے نہین اب جو دکھلاتا

میری پیاری بھارت ماتا

پریم رہے گا دنیا مین جم دور خوشی سے ہوگا سب غم
سورگ اوترکر تجھ مین یکدم رنگ اپنا ہوگا پھیلاتا

میری پیاری بھارت ماتا

جلد اب تجھکو پھر ہے لانا اُس حالت کا پاک زمانا
ہان جس حالت کا یاد آنا تیرے جی کو ہے ترساتا

میری پیاری بھارت ماتا

ماتا! تیرے راج اٹل ہو تیرے دل مین دل کا بل ہو
سب پر تیرا اصاف آنچل ہو سحر دعا مین یون ہے گاتا

میری پیاری بھارت ماتا

(اقبال ورما سحر ہتگامی)

کلام اکبر

باطن بہت ہین ایسے جو مشتعل نہین ہین
سینے مین سب کے دل ہین، سب اہل دل نہین ہین

سے تعارف کا شرف نصیب تھا لیکن
اس سے کب انکار ہی کہتا ہون، خود ہم ہے جسکی کسی طرح بھی تلافی نہین ہوسکتی ہی، ایک مدت
آپ بھی لیکن ہو اُنکی ملاقات کیلیے بیقرار رہتا تھا۔ اُنکا خلوص اور
سنجر دلون پر ایک دیرپا نقش چھوڑ دیتی تھی
اس خبر پر اٹھ کھڑا ہونا تھا لازم آپ کو
یہ نرا افسوس و غصہ، یہ فقط "آئین" کچھ نہین

سرودِ عشق

کچھ تمکو اسکی خبر بھی ہے ہم یاد تمھاری کرتے ہین

جب صبح گلابی ہونٹوں سے پیغام نور سناتی ہے
جب شب کی سیاہی ذرّوں کی ضیا آپس مین گھل ملجاتی ہے

جب مہر درخشان کی کرنوں سے دنیا ہوتی ہے نورانی
جب چاندنی چلتی پھرتی ہین مٹجاتی ہے سب ویرانی

جب دھوپ کی کثرت تابش سے دنیا کی زمین گرماتی ہے
پھر خورشید درخشان سے جسوقت ہوا عقرانی ہے

جب دنیا سب تھک جاتی ہے جب دوپہر کا دن ڈھلجاتا ہے
جب شام جہانکو ڈھکتی ہے جب شب کا اندھیرا آتا ہے

جب رات کا دلکش سناٹا دنیا پر ہوتا ہے طاری
جب سب اعضا سوجاتے ہین جب روح کو ہوتی ہے بیداری

جب اپنی حالت جاننے والے اپنے آپ سے ڈرتے ہین
جب اپنے گناہ آتے ہین نظر جب دل کے داغ ابھرتے ہین

کچھ تمکو اسکی خبر بھی ہے ہم یاد تمھاری کرتے ہین

جب فکروں کی تاریکی مین دل جینے سے گھبراتا ہے
جب رنج کے بادل آتے ہین جب دنیا سے جی اکتاتا ہے

جب کوشش ضایع جاتی ہے جب اپنی قسمت پھرتی ہے
جب وصل کی راحت مٹتی ہے جب ہجر کی بجلی گرتی ہے

جب عزلت کی تکلیفون مین جانکاہ ہوائین آتی ہین
جب خلوت کی بشاشی سے دل کی کلیان کھلجاتی ہین

جب اپنے پرائے صدموں سے ہوتا ہے دل پر غم طاری
جب درد و الم سے ہوتی ہے خود زیست ہمین اپنی بھاری

جب ہوتا ہے [illegible] کا پیمانہ
جب نامعلوم طریقوں سے بنتا ہے یگانہ بیگانہ

جب [illegible] ہین
جب روح کو راحت ہوتی ہے جب جی پر رنج گذرتے ہین

[illegible] یاد تمھاری کرتے ہین

جب [illegible]
جب پتی پتی ہنستی ہے۔ جب غنچے تان لگاتے ہین

جب [illegible]
جب شبنم کے دانوں پہ صبا کرتی ہے سبحہ گردانی

جب میکدۂ گلشن مین رات پھولونکو ساغر ہوتے ہین
جب مست مئے پندار خودی جامے سے باہر ہوتے ہین

جب مہرِ منور سے گلشن پر طور کا عالم ہوتا ہے
جب شمع امت ہونٹی کا ہر قطرہ شبنم ہوتا ہے

جب شاخین سجدہ کرتی ہین جب فصل بہاری آتی ہی — جب باد خزان کی گرمی سے سبزی تری جلجاتی ہی
جب دل جوش مسرت سے آنکھون مین آنسو بھرتے ہین — جب کالی گھٹائین آتی ہین ونکے جذبات ابھرتے ہین
کچھ تمکو اسکی خبر بھی ہی ہم یاد تمھاری کرتے ہین

روان

افادات اکبر مرحوم

دانت کا درد بدستور چلا جاتا ہے — وہی مازو وہی کافور چلا جاتا ہے
ڈاروِن کے اسی لکچر کا سبق ہی اب تک — وہی بندر وہی لنگور چلا جاتا ہے
برق کے لیمپ سے آنکھون کو بچائے اللہ — روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے
شیخ صاحب کی کمر جھک گئی اور دل نہ جھکا — آجتک شوق سقنقور چلا جاتا ہے

ارمان بقدر طاقت ہر سو نکل رہے ہین — صاحب تو اڑ رہے ہین وہ ہم اچھل رہے ہین
غصہ مین ہین ہم آپ پر وہ ہمپہ ہنس رہے ہین — دام فریب دنیا مین دونون پھنس رہے ہین
دونونکو چاہیے یہ طاعت سے منھ نہ موڑین — وہ اپنا جبر چھوڑین ہم صبر کو نہ چھوڑین

حامی جنون کی راہ خدا ہو تو کیا کرون — ہوش آفرین ہی ہوش ربا ہو تو کیا کرون
الفاظ پر مرے ہی بجا اعتراض شیخ — مطلب مگر جو ... ہو تو کیا کرون

... سے تعارف کا شرف نصیب تھا کہ یہ
دل شکستہ مین اک ساز جان نواز بھی ہی
... ہے جسکی کسی طرح بھی تلافی نہین ہوسکتی ہی ایک دفعہ
... انکی ملاقات کیلیے بیقرار رہتا تھا۔ انکا خلوص اور
تنخواہ کے لیے ہی نہ ہی واہ کے لیے — ... دلون پر ایک دیرپا نقش چھوڑ دیتی تھی
ہی یہ دعا کہ ترک فضولی نصیب ہو — جو کچھ کہون دعا ہو تو ... کے لیے
اک مل بچا کہ اسکو بھی لیسنس ہی ضرور — منہ کھل چکا تھا ورنہ مرا آہ کے لیے

تلاشِ سکون

(۱)

دن کے ہنگامے نہان ہین رات کے آغوش مین
ہوش ہے خوابیدہ یعنی پیکر مدہوش مین

اسطرح طاری ہین دنیا بھر پہ آثارِ سکون
ذرّہ ذرّہ اس کا گویا ہے پرستارِ سکون

رات کے دامن مین آسودہ ہے دل کا اضطرا
دہر کے رخ پر پڑی ہے رات کی کالی نقاب

ہرطرف ہے ایک تاریکیٔ مطلق جلوہ گر
یعنی پنہان ہین حجابِ شب مین انوارِ سحر

اس اندھیرے مین عجب نیرنگیان پوشیدہ ہین
کچھ نگاہین مائلِ آرام کچھ خوابیدہ مین

ساری دنیا اس سکوتِ شب کی ہے منت گزار
لیکن اک مین ہون کہ آتا ہی نہین مجھکو قرار

رات ہو یا دن مگر راحت مجھے حاصل نہین
نیند آنکھون سے اُڑی، دل ہے بہت اندوہگین

درس خاموشی مین دیتا ہون لبِ فریاد کو
کاش حاصل ہو سکون کچھ خاطرِ ناشاد کو

رنج و راحت بزم و خلوت یہ تو کچھ مشکل نہین
ہیچ ہے لیکن جو اطمینانِ دل حاصل نہین

رنج و غم مین گر سکون ہوتا نہین حاصل نہ ہو
عیش و راحت کے زمانہ مین تو دل بسمل نہ ہو

(۲)

بہرِ اطمینانِ دل کوئی تو [illegible]رت چاہیئے
سوچتا ہون مین کہ دولت اور حکومت چاہیئے

کاش مل[illegible]
کاش ملجائے مجھے خاقان کا تختِ سلطنت

[illegible]
ہو مرے زیرِ نگین عالم مین اُس کا حکمران

[illegible]
شاید اس صورت سے کچھ شادانِ دلِ رنجور ہو

[illegible]
یاد ہے افسانۂ دارا و اسکندر مجھے

یا مین اپنے جان [illegible] کا
کیا مین خالی ہاتھ دنیا کو دکھاتا جاؤنگا

اے فریبِ باطل دولت میرے دل سے دور ہو
اے غرورِ جاہ و حشمت میرے دل سے دور ہو

(۳)

جی مین اب یہ آرہی ہو فاتح اعظم بنون
ثانی اسفندیار و ہمسر رستم بنون
چارسو شہرہ ہو میری ہیبتِ شمشیر کا
ہر طرف سکہ ہو میرے عزم عالمگیر کا
خان نادر شوکتِ تیمور ہو حاصل مجھے
شاید اس صورت سے ملجائے سکون دل مجھے
لیکن اس صورت مین پیش نظر ہے باربار
جو ہوا انجام زورِ رستم و اسفندیار
فاتح یورپ وہ شاہِ بایزید یلدرم
دشمنون کے سر پہ چمکی جسکی تیغ برق دم
اُس شجاع دہر کا انجام آخر کیا ہوا
اور بونا پارٹ سا خود کام آخر کیا ہوا
اس تصور سے بھی اطمینان کچھ حاصل نہین
خودنمائی کی ہوس وجہ سکون دل نہین

(۴)

دل کے بہلانے کو پیدا اک نئی صورت کرون
حلقۂ احباب مین کچھ اور اب وسعت کرون
اس طرح گھٹ جائے شاید رنج بھی آزار بھی
غم ہی بنی جب مقدر ہے تو ہون غمخوار بھی
دوستون مین بیٹھکر کچھ تو بہل جائیگا دل
پھر نہ ہوگا اسقدر غمگین اتنا مضمحل
بے محل ہے اُف یہ میری آرزو بھی کسقدر
لو مین بھولا وہ مثل بھی غم نداری بُز بخر
یا تو یہ حالت کہ اپنی زندگی بھی بار ہے
یا یہ جرأت اب کہ ان فکرون مین دل تیار ہے
دوستون سے شرکتِ رنج و مصیبت کا خیال
ایکا امیدِ عبث ہے، اک تمنائے محال
اپنے مطلب کے سوا پاسِ وفا ان مین نہین
جسکو دیکھا آہ پایا اُس کو مارِ آستین،
ابنِ مریم کی گرفتاری مین مخبر کون تھا
قاتل داراؤ وجہ قتل نادر کون تھا
جولیس سیزر کا گھر کسنے کیا تھا بے چراغ
بیرم کے ... بیٹے کا داغ
مین نہ رکھونگا کبھی ایسون سے اپنا واسطہ

خ... سے تعارف کا شرف نصیب تھا آلیے
... ہے جسکی کسی طرح بھی تلافی نہین ہو سکتی ہو ایک دم
اُنکی ملاقات کیلیے بیقرار رہتا تھا۔ اُنکا خلوص اور
سمجھو دونون پہ ایک دیرپا نقش چھوڑ دیتی تھی
... توڑ کر

اب سکونِ قلب کی تدبیر آخر کیا کرون
یعنی جنگل مین رہون بستی کی راحت چھوڑ کر
ہان بظاہر بُعد ہوجائیگا ان افکار سے
اور زندان تمدن کے در و دیوار سے

ایک گونہ مجھکو آزادی وہان مِل جائیگی
کچھ تو یہ جانِ ستمدیدہ تسلی پائیگی

فکر مین لیکن وہان بھی مبتلا ہو جاؤنگا
کیا خبر ہے چھوڑکر بستی کو کیا ہو جاؤنگا

مین سمجھتا ہون کہ کچھ بہتر نہین یہ بھی خیال
میری نظرون مین ہے ابتک وہ اعظمؔ کی مثال

دشت و صحرا مین جو ملتا اُس کو اطمینانِ دل
تو وہ دنیا چھوڑ دینے پر نہوتا منفعل

یہ بھی ظاہر ہے کہ یون دنیا سے ہوکر بے نیاز
جانور مین اور مجھ مین کیا رہیگا امتیاز

الغرض رہبانیت مین کچھ جو ہوتا فائدا
ترکِ دنیا کو نہ کرتے منع ہرگز مصطفےٰ

آہ دنیا تجھ مین رہکر تجھکو کیونکر چھوڑ دون
کسطرح مین تیرے دیرینہ علایق توڑ دون

(۶)

بس زمانے مین کہین میرے لیئے راحت نہین
اور اطمینانِ دِل حاصل ہو وہ قسمت نہین

آہ یہ دنیا نہین ہے میری راحت کا مقام
ایسی دنیا اور ایسی زندگانی کو سلام

مجھکو مرنے دو کہ ملجائے کہین تسکینِ دل
یعنی وہ تسکین کہ جسکی جستجو سے جان گسل

جس کو جیتے جی نہ پایا اُسکو مرکر ڈھونڈلون
اک نئی دنیا تجسس کے لیئے پیدا کرون

جسکے دینے پہ نہین سارے جہان کو اختیار
دے سکے شاید وہ نعمت گوشۂ تنگِ مزار

گو نظر آتی ہے یہ تدبیر کچھ موزون مجھے
یاد آجاتا ہے لیکن ذوق کا مضمون مجھے

اب تو گھبرا کر یہ کہتے ہین کہ مرجائینگے ہم
مرکے بھی راحت نہ پائی تو کدھر جائینگے ہم

(۷)

اے سکون موہوم سے تیری بھی ہستی کسقدر
دل کے بہلانے کو ہے اک لفظِ بے معنی مگر

ساری دنیا [illegible] ہے بس [illegible] تیرا نام ہم
جستجو ہرچند کی لیکن رہے ناکام ہم

[illegible] تارک الدنیا بھی کچھ افکار سے خالی نہین

[illegible] اور اہلِ یمِ ورجا مین زاہدانِ شب گزار

[illegible] جو بتا دیتا سکونِ قلب کی منزل مجھے

[illegible] تو بتائے کوئی کیسی ہے، کہان ہے اور کیا ہے

[illegible] تو کہونگا پھر کہونگا آشکارا و برملا

ورنہ جب پورا نہ ہوگا میرے دل کا مدعا
جب یہ ہے تو جستجو کیا سعیِ لاحاصل نہین

دونون عالم مین کہین فہمیؔ سکونِ دل نہین

[illegible] کا یہ قاعدہ تھا کہ ہندو [illegible] نہین [illegible] کے معنی جانتے ہین - ایسے ہی اور [illegible] خاص عربی الفاظ ہین جو [illegible] استعمال کرنیکی [illegible] ہے مثلاً یونیورسٹی ایک [illegible] تو جاتا ہے کیونکہ اب کئی صورتون [illegible] اخبارات کو دیکھ [illegible]

سید محمود اعظم فہمی ترمذی

سالِ نو

آئے وہ دن نصیب ہو جاہ و جلال نو ‏ آنکھوں سے اپنی دیکھیں فروغِ جمال نو
چمکے فرازِ چرخ وطن پہ ہلال نو ‏ حاصل عروج نو ہو میسر کمال نو

یارب دیارِ ہند کو راس آئے سال نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فال نو

ہر سمت دور دورۂ امن و امان ہے ‏ آشوب روزگار سے آسودہ جان ہے
ارزاں ہو عیش جنس تباہی گران ہے ‏ راحت کدہ یہ خطۂ جنت نشان ہے

یارب دیارِ ہند کو راس آئے سال نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فال نو

فتنہ نہ ہو۔ فساد نہ ہو۔ شور و شر نہ ہو ‏ ہندوستان میں خانہ خرابی کا گھر نہ ہو
چہروں سے دادخواہوں کا چھلنی جگر نہ ہو ‏ دامان خاکِ خونِ شہیدان سے تر نہ ہو

یارب دیارِ ہند کو راس آئے سال نو
بہبودی وطن کے لیے ہو یہ فال نو

سبز کشت ہند ہو، دل باغ باغ ہو ‏ بادِ بہار عیش ‏ دماغ ہو
غم سے نصیب اہل وطن کو فراغ ہو ‏ ہر سو ... سے تعارف کا شرف نصیب تھا انکے لیے

یارب دیارِ ہند کو ... ہے جسکی کسی طرح بھی تلافی نہیں ہو سکتی ہے ایک دفعہ
بہبودیِ وطن کے ... انکی ملاقات کیلیے بیقرار رہتا تھا۔ انکا خلوص اور

افراد متحد ہوں۔ باہم اتفاق ہو ‏ دنیا پر ایک دیرپا نقش چھوڑ دیتی تھی ہو
غارتگرِ طرب۔ نہ خمارِ نفاق ہو ‏ شیشہ سے عناد کا بالائے طاق ہو

یارب دیارِ ہند کو راس آئے سال نو

دور ... ہوئے ... کے قربان | [illegible]
... سال ... قربان | اقبال ... [illegible]

یارب دیا ہند کو اس نے سال نو
بہبودیٔ وطن کے لیے ہو یہ سال نو

... ستم ہو نہ جور ہو | ... نصیب ... ہو
... زمانہ ... | اپنی زمین - اپنا فلک - اپنا ... ہو

یارب دیا ہند کو راس آئے سال نو
بہبودیٔ وطن کے لیے ہو یہ سال نو

ازبرق دہلوی بی۔ اے

عکس قدرت ہے ایک دریائے بے پایان حسن
دیکھتی ہے آنکھ ہر قطرے مین پان دریائے حسن
حسن کوہستان کی سنسان خاموشی مین ہے
مہر کی ضوگستری شب کی سیہ پوشی مین ہے
آسمان صبح کے آئینہ پوشی مین ہے یہ
شام کی ظلمت شفق کی گل فروشی مین ہے یہ
... آثار مین
... شعلہ کی کوشش ... [illegible]
... ہے
... طائرون کی آشیان سازی ... [illegible]
چشمۂ کہسار مین ... دریا کی آزادی مین حسن
[illegible]

... لکھنے کا یہ قاعدہ تھا کہ ہندو ...
وہ نہیں ... کے معنی جانتے ہین - ایسے ہی ...
... خالص عربی الفاظ ہین ...
... مثلاً یونیورسٹی ایک ...
... جاتا ہے کیونکہ اب کسی ...
... اخبارات کو دیکھئے ... [illegible]

زمانہ

جلد ۳۸ فروری سنہ ۱۹۲۲ء نمبر ۲

اکبر مرحوم کے چند خطوط

حضرت اکبر کے انتقال کو پورے پانچ مہینے ہوگئے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی یہ سانحہ ہوا ہے۔ انکی جدائی کا غم ابھی تازہ ہے اور ہم سمجھتے ہین کہ ہمیشہ تازہ رہیگا۔ اردو شاعری کو اس حادثہ عظیم سے جو نقصان پہونچا ہے اسکے لیے سچ تو یہ ہے کہ اگر تمام عمر ہمارے جذبات روحانی ماتم کرتے رہین تب بھی سوگواری کا حق ادا نہ ہو۔ اس فلسفی شاعر کے بغیر بزم سخن سونی نظر آرہی ہے۔ اُردو کی بدقسمتی ہے کہ آسمان ادب کے تمام ستارے ایک ایک کرکے غروب ہوتے جاتے ہین!

ذاتی حیثیت سے جن لوگون کو اکبر مرحوم سے تعارف کا شرف نصیب تھا اُنکے لیے موصوف کی وفات ایک نقصان عظیم ہے جسکی کسی طرح بھی تلافی نہین ہوسکتی ہو ایک دفعہ بھی جو اُنسے مل آیا اُسکا دل ہمیشہ اُنکی ملاقات کیلیے بیقرار رہتا تھا۔ اُنکا خلوص اور اُنکی محبت، اُنکی شگفتہ مزاجی، اُنکی بذلہ سنجی دلون پر ایک دیرپا نقش چھوڑ دیتی تھی۔ اُنکی گفتگو ایسی شستہ، برجستہ، دلنشین، اور پُرلطف ہوتی تھی کہ جس سے مدتون دل مسرور اور دماغ منور رہتا تھا۔ اُنکے پُرمذاق فقرے، لطیف چٹکلے، پُرمعنی اشلوک، اُنکی حکیمانہ

باتیں اور فلسفیانہ بحثیں، مذہبی و روحانی نکتے، اور سیاسی آزادخیالی یہ سب جب
یاد آتی ہین تو اب بھی منھ سے بے اختیار ایک آہ سرد نکل جاتی ہے۔ آہ ناپائیدار دنیا!
مگر قضا کا حکم اٹل ہے فنا کا سکہ سب پر جاری ہے۔ آج وہ کل ہماری باری ہے!

رسالہ زمانہ ابتدا ہی سے حضرت اکبر کا مرہون منت رہا ہے۔ آغاز اشاعت
سے اسکے حال پر موصوف کی خاص توجہ رہی۔ شاید اسکی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ راقم کے
بزرگون سے حضرت اکبر مرحوم کے مراسم خاص تھے۔ خیر کچھ ہو جناب اکبر روز اول ہی سے
راقم کے علمی مشاغل کی قدر کرنے لگے تھے۔ اور گو انکی بزرگانہ نوازش اور مخلصانہ ہمدردی
کا سلسلہ انکی آخر عمر تک یکسان قائم رہا اور خط وکتابت جاری رہی لیکن ۱۹۰۴ء
و ۱۹۰۹ء کے درمیان کی خط وکتابت عام دلچسپی کے خیال سے بھی نہایت اہم ہے
اکثر خطوط مین اسوقت کے مختلف تحریکات و واقعات کا جس پر لطف اور سبق آموز پیرایہ
مین ذکر آگیا ہے اسکی دلچسپی اتنے دنون کے بعد کم ہونیکے بجائے پہلے سے بھی بہت
زیادہ ہو گئی ہے۔ افسوس راقم کے پاس اسوقت کے سب خطوط محفوظ نہین ہے اور
پرانے نیاز نامون اور عریضون کی بھی نقل موجود نہین ہے ہان مرحوم کے بعض عنایت نامے
باقی رہ گئے ہین جنسے انکی بہت سی خصوصیات واضح ہوتی ہین۔ اور سوانحی حالات
پر روشنی پڑنیکے علاوہ بعض اہم مسائل پر انکے دلی جذبات اور خیالات بھی آئینہ ہو جاتے
ہین۔ ادبی حیثیت سے بھی یہ تحریرین ادب اردو اور انشاپردازی کا بہترین نمونہ ہین۔

جس زمانہ کے یہ خطوط ہین اسوقت عنان حکومت لارڈ کرزن کے زبردست ہاتھون
مین تھی۔ قومی جذبات مین صدیون کی غفلت کے بعد بیداری کے آثار ظاہر ہو رہے تھے
لارڈ کرزن اصلاح کی دھن مین ہر صیغہ مین ردوبدل کے خواہشمند تھے۔ تعلیم کی
اصلاح پر ویسرائے نے خاص توجہ کی تھی اور مروجہ نظام تعلیم بالکل بدل ڈالنے کے
درپے تھے۔ تمام ملک مین اسپر ایک تہلکہ برپا تھا۔ زمانہ مین شیوشمبھو (بالمکند گپت
مرحوم) کے مشہور و معروف چٹھے شایع ہو رہے تھے۔ راقم نے حضرت اکبر سے بھی
لارڈ کرزن کی پالیسی پر اپنے طرز خاص مین رائے زنی کی درخواست کی تھی۔ موصوف

نے رسالہ کے لیے تو نثر میں کوئی مضمون نہیں لکھا۔ لیکن ایک خط میں باتوں باتوں میں سب کچھ لکھ گئے۔ میں نے قدرتاً اُسوقت اس پُرلطف چٹھی کو شایع کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن اسکی تلافی اب ہو رہی ہے۔ حضرت اکبر اندنوں پنشن لے چکے تھے اور آپکے فرزند رشید سید عشرت حسین صاحب انگلستان میں اپنے والدین کی مرضی کے خلاف طولانی قیام کیے ہوے تھے، انھیں دنون کچھ تو قدرتی اسباب اور کچھ بیٹے کی جدائی سے حضرت اکبر کی آنکھیں خراب ہو گئیں، کلام اور گفتگو دونوں میں دلی ملال کا عکس بار بار نمایاں ہو جاتا تھا، اور کبھی کبھی تو یہ حالت ہو جاتی تھی کہ کہنے والے اور سُننے والے دونوں کی آنکھیں پُرنم ہو جاتی تھیں۔ خطوط ذیل میں انھیں سب گردوپیش واقعات اور نجی حالات کی طرف اشارہ ہے ضمنی طور پر اُردو کی کس مپرسی اور علم کی بیقدری کا بھی کہیں کہیں شکوہ ہے۔ بہرحال یہ ادبی خزانہ جو راقم کے پاس سالہا سال سے امانت تھا نذر ناظرین زمانہ ہے۔

(۱)

عشرت منزل چوک الہ آباد   ۹۔ جنوری ۱۹۱۲ء

جناب مکرم۔

آپ نے میری بڑی عزت افزائی کی۔ آپ کی تحسین و مرحبا سے دل کو مسرت ہوئی۔ اس فیاضانہ اظہار رائے کا کہاں تک شکر ادا کروں چند روز سے میری آنکھوں میں ایک ایسی شکایت پیدا ہو گئی ہے کہ نوشت و خواند سے یک قلم نہیں تو بہت کچھ معذور ہوں۔
چھ مہینے یا سال بھر میں اصلاح کا وعدہ کیا گیا ہے اسی وجہ سے میں اپنے معینہ اندازسے پہلے ریٹائر[1] ہوا۔ اس سے زیادہ کس بات کی خوشی ہو سکتی ہے کہ جوہر شناس سخن اور قدردان فن کے ملاحظہ میں اپنی ناچیز نظم و نثر پیش کیا کروں جن اکابر کے نام آپ نے تحریر فرمائے ہیں شاید وہ سب بزرگ میرے عنایت فرما ہیں۔

بالفعل میں تعمیل ارشاد سے قاصر ہوں تو معاف فرمائیے۔

میری چند نظمیں کہیں کہیں چھپ چکی ہیں۔ اور میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے تمام ناظرین

[1] ملازمت سے کنارہ کشی

انکو دیکھ چکے ہونگے۔ آپ اپنے زمانہ میں ان سب کو یکے بعد دیگرے عزت اشاعت عطا فرما سکتے ہیں [1]

مدتین گذرین مین نے چند روز پنچ کی نامہ نگاری کی تھی اور اُسوقت اسکا شوق بھی تھا عظیم سوشل اور پلیٹکل انقلاب درپیش تھا اور دور اندیش طبیعتین اُن انقلابون کے ناگوار پہلوؤن کی مخالفت اور تردید ضروری سمجھتی تھین اور ظرافت کا پیرایہ اُسکے لیے بہت ہی مفید اور موثر سمجھا گیا تھا۔ نوکری کے مشاغل اور ذمہ واری کی نزاکت نے اُس شغل کو تھوڑی مدت کے بعد مجھسے چھڑا دیا۔ اپنے طور پر کبھی کبھی کوئی غزل یا مضمون لکھتا رہا۔ مگر باوجود اصرار احباب ہنوز کسی مجموعہ کی اشاعت کو دل نہین چاہا۔ حیدرآباد اور بمبئی اور دیگر مقامات کے آپ ایسے بلند طبع اور اولوالعزم بزرگون کے خطوط کے انبار میرے پاس جمع ہین۔ اگر معذور نہ ہوتا تو انکی تعمیل ارشاد سے معذور رہتا۔

مخزن نے بمشکل اور مدت مین مجھسے دو ایک نظمین پائی ہین۔ اول تو کہتا کم ہون۔ اور کہا بھی تو لکھے کون صاف کون کرے۔ کہین نوٹ کر دیا اور بھول گئے۔

بیشک حالی [2] گورنمنٹ یا اسکولی شاعر ہین۔ داغ دربای شاعر ہین مین تو کسی شمار مین نہین ہون مین مکرر عرض کرتا ہون کہ آپ کی قابلیت اور اردو دہی نے مجھکو بہت محظوظ کیا اور مجھکو آپ کا معتقد بنایا۔ اور آرزو پیدا ہوئی کہ گھڑی دو گھڑی آپ سے باتین کرون۔ لکھنؤ آتے جاتے ایسا ممکن ہے اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو بشرط اجازت آپ کو اطلاع دونگا۔ اسوقت کسی قدر دوران سر تھا نیاز نامہ اپنے ڈکٹیشن سے لکھوا دیا ہے۔ یہ نہ خیال کیجیے گا کہ تعمیل ارشاد کا مجھکو مطلق خیال نہ رہے گا۔

اکبر حسین

۴۔ جون ۱۹۰۸ء

(۲)

عنایت فرمائے من۔ . . . .

اپریل مین آپ کا پرچہ میرے نام سے خالی رہا جس کم جہان پاک۔ بلاشبہ یہ افسوس ہوا

---

[1] اس تجویز پر زمانہ مین عمل نہین ہو سکا۔

[2] زمانہ بابت جنوری ۱۹۰۸ء مین کلام اکبر کی تمہید کے سلسلے مین اُردو شاعری کے ان مختلف اسکولون کا مختصر تذکرہ کیا تھا اور اسکے پیشگی پروف جناب اکبر کی خدمت مین ملاحظہ کیلیے بھیجے گئے تھے ان فقرات مین غالباً اسی تذکرہ کیطرف اشارہ ہے

کہ آپنے لکھا ہوگا کہ باوجود اسقدر ترغیب اور تحسین اور منت کے مین نے پروانہ کی سی امر کا مجھکو بہت خیال تھا۔ زینت وفوائد مجھ پر بار ہی عشرت سلمہ کا انتظار ہی کچھ موزون کرتا ہون تو صاف ہونے کی نوبت نہین آتی منشی جی غلط نویس ہین اور پھر وہ چند روز سے کچھ اور کامون پر متعین ہین۔

آپ نے اُن چند اشعار کو جو کمر رخط آنے پر مین نے بھیجدیے تھے نہین چھاپا اچھا کیا۔ وہ کچھ پرائیوٹ تفنن طبع کے طور پر موزون ہوے تھے لیکن اس اثنا مین میرے بعض خطوط احباب کے پاس نہین پہونچے اسیلیے شبہ ہوتا ہے کہ آپکے پاس دوسرا خط پہونچ گیا تھا یا نہین۔

"روانی لوڈور" میری ایک نظم ہے جو بہت مشہور اور مقبول ہوئی ہے اُسکے سوا اور نظمین بھی ہین البتہ اُنکا ملنا ذرا دشوار ہے۔ اگر آپ پرچہ مئی کے لیے پرود کرین تو منشی جی پر تاکید کرون کہ تلاش کرکے اُسکی نقل بھیجدین۔

مین ہنوز اُنھین شکایتون مین مبتلا ہون۔ یہ خط لکھ رہا ہون لیکن یقین نہین کہ قلم میرے ارادون کو پورا کرتا جاتا ہے۔

گوئٹہ جو جرمنی کا مشہور شاعر گذرا ہے شعرا کے سرور کو جو نظم سخن سے حاصل ہوتا ہے طیور خوش الحان کی نغمہ سنجی سے تشبیہ دیتا ہے اُنکی ترانہ سنجیان اسیلیے ہین کہ وہ اُنکی فطرت مین داخل ہین نہ اسیلیے کہ چمن روزگار سے اُنکو داد وتحسین وآفرین کی طلب ہو۔ شاعری مین وہ درجہ میرا تو ہے نہین۔ لیکن شروع ہی سے کچھ ایسی حالت پیش آئی کہ اشاعت کلام کا خیال نہوا۔ دل گھبراتا تو زبان بہلا دیتی۔ خیر جہان تک ممکن ہوگا انسان بننے کی کوشش کرون گا۔ بلبل پھر بھی جانور ہے۔ غالباً آپ کو ذوق سخن بھی ہے۔ اگرچہ اڈیٹر کو اسکی فرصت نہین رہتی چڑیون کی شنین کہ بحرون کی درستی کی فکر کرین۔ ضلع کل[1] پر میرے چار مصرعے تو تصنیف سینئے۔ پلے ایان وڈس ہے لیکن بیجا نہین۔

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال	ہر رنگ تجھے دکھائے خالق کا جمال
ساری دنیا ہے اُسکو پیاری اکبر	کہتا ہے کم آل جسکو حاصل ہے کمال

[1] ضلع جگت COME ALL مے

(۳)

(بلا تاریخ)

عنایت فرمائے من - ہرچند نظر آنکھ چرائی رہی لیکن میں نے کسی نہ کسی طرح آپکا خط پڑھ ہی لیا آپ اُس رُباعی کو میرے نام کے ساتھ بھی لکھدیں تو حرج نہیں - آخر وہ میری تصنیفات میں داخل ہے۔ آپکی مشکلات سے میں خوب آگاہ ہوں - بے تمیزی رُک نہیں سکتی جہالت کی گردن جُھک نہیں سکتی - بولنے کی طاقت نہیں - بارعب چھوٹی جماعت نہیں - لیکن آپ محنت و استقلال سے اپنا کام کیے جائیے خدا مددگار ہے - اُردو سب کو آتی ہے - انگلش لٹریچر نے خیالات کے انبار لگا دیے ہیں - آپکو بہت مضمون نگار ملتے رہیں گے - آپ خود بھی نہایت ذکی اور صاحب فہم اور وسیع الخیال ہیں - میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ لکھنے پڑھنے میں بہت دقت ہے اٹکل سے لکھتا ہوں مشکل سے پڑھتا ہوں - کئی خط آئے جس میں سخت شکایت ہے کہ زمانے کو مضمون ملتا ہے جیسے معذرت کیجاتی ہے - میں نے لکھدیا کہ وہاں بھی نہیں جا سکتا خیر یہ تو کوئی بات نہیں ہے اصل یہ ہے کہ شکایت چشم سے نہایت ہی پریشان ہوں - اپنے ذخیرۂ اشعار کو ابتک ترتیب نہیں دے سکا - عشرت سلمہ کا انتظار ہے دیکھیے ولایت سے کیا انداز طبیعت لیکر آتے ہیں

نیازمند اکبر

میری غزلیں قریباً کل غیر طبع شدہ ہیں - وہ ذخیرہ عشرت سلمہ کے علم میں کہیں موجود ہے چند اجزا میرے پاس ہیں - کچھ نئی غزلیں بھی ہیں اگرچہ یکجا طبع ہونا چاہیے لیکن تعمیل ارشاد بھی ضروری ہے - چند اشعار ایک پرانی غزل کے عرض کرتا ہوں

وہ لیگئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی ادراک بھی تھا علم بھی تھا عقل رسا بھی[1]

. . . .

اس بات سے تو خوش نہوا ہوگا خدا بھی سنتا ہوں کہ اکبر نے کیا عشق بتاں ترک

(۴)

یہ خط بلا تاریخ ہے لیکن ۱۹۰۷ء کا لکھا ہوا ہے

[1] پوری غزل ہے - یہاں صرف مطلع و مقطع درج کیا جاتا ہے ایڈیٹر

مکرمی - یادآوری اور مزاج پرسی کا ممنون ہون، میری طبیعت بدستور ہے آنکھون کی اصلاح کا وقت دور ہے - ان روزون شہر مین پلیگ کا زور ہے - مرنیوالے مرتے جاتے ہین بھاگنے والے بھاگے جاتے ہین - مین خدا بہ توکل گھر مین بیٹھا ہون - معمولی احتیاط اور صفائی کو کافی سمجھ لیا ہے - دھوپ کھاتے ہین شوربہ[۱] پیتے ہین حکم اللہ کا ہے جیتے ہین - مرنا تو نہین چاہتا لیکن طاعون کی قید نہین ہو بلکہ کسی طرح کسی عارضے مین مرنا نہین چاہتا - ایسی جگہ ملے تو سب سے پہلے مین بھاگون - ڈاکٹر کا ہمسایہ اس ریمارک کو دیوانگی سمجھے گا - شاعر کا ہمسایہ اُسپر عمل کر سکے یا نہین اسکو عمدہ مضمون سمجھے گا - جہاز اور ریل نے اچھے، برے، پاک، ناپاک، مفید، مضر کو مخلوط کر رکھا ہے - انکو کوئی روکتا نہین پھر ہم آپ بُری ہواؤن یا برے اثرون کو کیا روک سکتے ہین - نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد - بے سامانی اور کمزورون پر پلیگ کا وار چل رہا ہے -

سید اکبر حسین

(۵)

(کسی خط کا آخری ٹکڑا یہ محفوظ رہ گیا ہے)

لیکن آسمان کہتا ہے کہ یہ پاپولیشن[۲] کا رڈکشن[۳] ہمارے محکمہ سے جاری ہے - کہین پلیگ ہے کہین جنگ ہے —— جو کچھ ہو -

مقصود ہے شغل - کوئی مضمون سہی　　　پیمانہ مے نہین تو افیون سہی
ہنگامۂ موت بھی ہے اِک چیز اکبر　　　گو جنگ نہین تو خیر، طاعون سہی

منشی جی سے کہدیا ہے دو ایک رباعیان بھیجدینگے - میرا نام خریدارون[۴] مین نہ لکھے گا اور مجھ مین نہین ہے - باقیداری پسند نہین -

(۶)

(۲۲ - جون ۱۹۰۴ء)

عنایت فرمائے من زاد لطفہ - آپ کا خط دیکھکر یہ مضمون ذہن مین آیا

گو وہ نہ کھلا سکے مضامین کے گل　　　احباب مین ہو رہا ہے تحسین کا غل
ہے آج زمانہ مصلح گلشن نظم　　　اکبر بھی بنا ہے آنریری[۵] بلبل

۱؎ شوربہ ۲؎ آبادی ۳؎ تخفیف ۴؎ اسکا کوئی خوف نہ تھا لیکن کفایت شعار طبیعت احتیاط پسند تھی ۵؎ اعزازی

اگرچہ آپ کی قدر افزائی کا شکر گذار ہون لیکن شرمندہ ہوتا ہون کہ وہ قابلیت نہین ہے جو آپ نے تصور فرمائی ہے - لارڈ کرزن کی کس اداپر آپ میری توجہ چاہتے ہین ؎

حیران ہین اس زمانے مین ہم جی کے کیا کرین
جائز سہی شراب مگر پی کے کیا کرین

اسکا دوسرا شعر شاید کچھ تعلق رکھتا ہے ؎

تعلیم اونچے درجے کی ہوتی نہین نصیب
پھر گھر مین بیٹھکر بجز ^A^ ^B^ بی کے کیا کرین

A . B بی بی سے بھی مخاطبہ ہے - ۱۶ مئی ۱۹۰۴ء کے انسٹیٹوٹ گزٹ علی گڑھ مین میری ایک نظم چھپی ہے جسمین لڑکون کو اطاعت والدین کی نصیحت ہے مین خیال کرتا ہون کہ اس سے زیادہ کوئی ضروری چیز نہین ہوسکتی - آپ اُس پرچے کو منگا کر ملاحظہ فرمائین محسن الملک صاحب نے میرا پرائیوٹ خط بھی چھاپ دیا ہے اگرچہ وہ بھی لطیفہ تھا لیکن میرا مقصود اصلی اخلاقی نظم سے تھا - دربار دہلی کے متعلق میری جو نظم ہے اسکو بھیجئے - کرزن سبھا کو چھاپیے - لارڈ کرزن پر اعتراضات سے ہوتا کیا ہے اس ملک مین بنگالیون نے زور قلم دکھایا، سرسید نے بزم جمشید مرتب کی، خوب چمک دمک دکھائی، ڈنڑ دیے، دونون نے اپنے اپنے طریقون سے کشور کا رچایا لیکن ہمارے اعمال ایسے ہین کہ خرابی ہی کی طرف رفتار ہے - اسی خیال سے مین نے یہ رباعی کہی تھی ؎

بنگالی ہاتھ مین قلم لے تو کیا　　مسلم جو مثال بزم جم لے تو کیا
ہندی کی نجات ہے نہایت مشکل　　سو مرتبہ مرکے وہ جنم لے تو کیا

یہ رباعی ذہن مین تھی اسوقت لکھتا ہون - ابھی آپ کے پرچہ مین کسی صاحب کا مضمون تھا کہ بچون کو بھوت سے نہ ڈرانا چاہیے، بیشک یہ بات صحیح ہے - یہ نصیحت بارہا ہوچکی ہے - اگرچہ ظرافتاً مین کہدون کہ بیگانہ ملک سے گھر کا بھوت اولی ہے یعنی تصریح نہ پوچھیے سکوت اولی ہے - لیکن درحقیقت بچون کے دل مین ایک غلط خیال کی بنیاد قائم کرنا نہایت مضر ہے - سچی بات کیون نہ کہو کہ حکام کا خوف اور ادب دل مین پیدا ہو -

لڑکے جو شریر ہیں سنور جائینگے آ جائینگے راہ پر سُدھر جائینگے
بھوتون کے ذکر کی ضرورت کیا ہے صاحب کا نام لے دو ڈر جائینگے

نصیحت تو اچھی ہے لیکن شاعرانہ کمبختی سے ترکیب نظم ایسی واقع ہوگئی ہے کہ بدگمانی[1] پیدا ہوسکتی ہے۔ آپ خود حظ حاصل کرلین۔ حضرت آپ کی تحریر اور تقاضے اور تعریفین مجبور کرتی ہین ورنہ مجھکو خط لکھنا بھی بار ہے۔ تا بہ مضمون نگاری چہ رسد

نیاز مند
اکبر

ہمایون

رسالہ ہمایون کا پہلا نمبر لاہور سے ۲۰ × ۳۰ تقطیع پر میان محمد شاہدین صاحب ہمایون (مرحوم) کی یادگار مین شایع ہوا ہی جو صوری و معنوی دونون حیثیت سے قابل قدر ہے۔ کاغذ اور کتابت و طباعت کے ساتھ مضامین بھی اچھے ہین۔ ہماری دعا ہے کہ دنیائے ادب کا یہ نو وارد مسافر جناب ہمایون مرحوم کی یادگار کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کے لیے سرمایۂ ناز ثابت ہو، ہمارا ذوق ادب مجبور کرتا ہی کہ ہم معزز رسالہ ہمایون اور بعض دیگر معاصرین سے گزارش کرین، کہ وہ اپنے صفحات کو ایسے مضامین سے پاک رکھنے کی کوشش کرین جنکی معنویت ہوس کارانہ لفاظی پر مبنی ہوتی ہے، اور جنمین نفسانی جذبات اور ولولہ انگیز خیالات کے سوا اور کچھ نہین ہوتا، کچھ دنون سے اس قسم کے مضامین کی بھرمار ہو رہی ہے، ضرورت ہے، کہ اُن مضامین کی باقاعدہ مخالفت کی جائے جن سے ادب اُردو کی دراصل توہین ہوتی ہے

ہمایون کی سالانہ قیمت پانچ روپیہ ہے۔ شائقین مینجر رسالہ ہمایون لاہور سے طلب فرمائین

---

[1] مرحوم بمقتضاے وقت عموماً بہت محتاط تھے اور آخر وقت تک ضرورت سے زیادہ احتیاط کرنے لگے تھے۔ ایڈیٹر

نواب مہر مرحوم

نواب امین الدولہ سیف الملک سیّد آغا علی خان بہادر فیروز جنگ مہر مرحوم فرزند رشید نواب معتمد ولہ مختار الملک سیّد محمدؐ خان بہادر ضیغم جنگ عرف آغا میر وزیر شاہ اودھ ناسخ مرحوم کے ارشد تلامذہ مین تھے اور شاعری کے دلدادہ تھے فارسی اردو دونون زبانون مین قادر الکلام تھے آپکا دیوان سنہ ۱۲۹۳ھ مین شاہی پریس لکھنؤ مین طبع ہو چکا تھا۔ تحقیق زبان صحت الفاظ محل استعمال مین انکا مرتبہ ناسخ سے کچھ کم نہ تھا دو تین مرتبہ ناسخ مرحوم ان کے بلائے ہوئے کانپور مین گئے حسن اتفاق سے ایک مرتبہ کسی تقریب مین ناسخ نواب امین الدولہ کے مہمان تھے کہ منیر مرحوم نے حاضر ہو کر شرف تلمذ حاصل کیا۔ ناسخ نے کہا نواب صاحب کو تو اصلاح دینے کی فرصت نہین ہے مین میر علی اوسط رشک سے کہدونگا تم انھین سے اصلاح لیا کرو مجھے اصلاح دینے کا وقت نہین ملتا نواب امین الدولہ کی تمام عمر کانپور مین گذری - اگرچہ کانپور کو بھی نواب نے دوسرا لکھنؤ بنا لیا تھا تاہم ہمیشہ لکھنؤ کے لیئے بیتاب رہتے تھے، اکثر مشاہیر شعراء لکھنؤ منیر، رشک، ناسخ، وغیرہ انکے یہان مہمان رہا کرتے تھے - اس طرح لکھنؤ کا نظارۂ باطنی تو میسّر تھا۔ مگر نظارۂ ظاہری کی متمنی رہتے تھے چنانچہ فرماتے ہین،

دم پھڑکتا ہے مرا ہر دم برائے لکھنؤ　　لکھنؤ مجھکو دکھا دے اے خدا اے لکھنؤ

جب کنارِ گنگ آتی ہے کبھی ٹھنڈی ہوا　　یاد آتی ہے مجھے آب و ہوا اے لکھنؤ

آرزو ہے تجھسے اے فرمانروائے کائنات　　مہر پہ ہون مہربان فرمانروائے لکھنؤ

دوسری غزل مین کمال اشتیاق ظاہر کرکے کہتے ہین -

کانپور مین ہے یہ میری زندگانی کا سبب　　جسم کو لگ جاتی ہے اکثر ہوائے لکھنؤ

ایک غزل قافیہ بدلکر لکھنؤ کی حسرت مین کہی ہے -

بلبلو پھرتے ہین دلمین گلعذار لکھنؤ　　میری آنکھون کو ہے اکثر انتظار لکھنؤ

پاس سے دیکھوں بنائے پائیدار لکھنؤ — دور ہو آنکھوں سے یارب انتظار لکھنؤ
حیدرآباد اور دلی کی حقیقت کون شئے — وسعت ملک صفاہان ہے نثار لکھنؤ
کانپور میں کیا کہیں جاؤں پے گلگشت باغ — سامنے آنکھوں کے ہے باغ و بہار لکھنؤ

ایک اور غزل تبدیل قافیہ ردیف و فراق لکھنؤ میں کہی ہے،

فرش ہو مسند ہو بیداری ہو خواب عیش ہو — اب سخن تکیہ مرا ہے اشتیاق لکھنؤ
سلطنت کے بدلے پہونچا دے وطن تک لے ہما — بادشاہی سے سوا ہے اشتیاق لکھنؤ
مثل آب و آتش و خاک و ہوا طینت سے ہے — پانچواں عنصر بنا ہے اشتیاق لکھنؤ
مرہم سیر وطن اے مہر اسکا ہے علاج — مثل داغ دل بنا ہے اشتیاق لکھنؤ

آخر میں مایوس ہو کر فرماتے ہیں،

جینے کب دے گا فراق لکھنؤ — جان تک لیگا فراق لکھنؤ

اور غزلوں میں بھی آپنے لکھنؤ کی حسرت دیدار کو بہ طرز احسن ظاہر کیا ہے۔جس سے قادرالکلامی ٹپکتی ہے۔

لکھنؤ خوب ہے جنت کے چمن سے ہم کو — خوش کرے جلد خدا سیر وطن سے ہمکو

میر ضامن علی شوق خلف میر علی اوسط رشک ہمیشہ انھیں کے دربار میں رہے۔

جناب شوق کا ایک قاعدہ تھا کہ ہر غزل کے مقطع میں مادہ تاریخ غزل نکالتے تھے اور یہ شرف اُنھوں نے جناب مہر سے حاصل کیا یعنی جناب مہر نے کبھی کبھی اپنے مشاعرے کی غزل میں مقطع کے مصرعہ آخر سے مادہ تاریخ نکالا ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں۔

یہ ہوئی طرح کی اے مہر یہی تاریخ — بس محبت ہے گل غنچہ دہن سے ہمکو

اور مضمون کی صفائی حسن بندش معانی کی خوبی کا تو ان کے کلام پر خاتمہ تھا۔

کھل گئے غیب کے اسرار سخن سے ہم کو — کام کی بات ملی تیرے دہن سے ہمکو

جدت طرازی کا نمونہ سنیئے۔

ہستی زر پہ نہیں قابو گدا و شاہ کا — جان بھی اللہ کی ہے مال بھی اللہ کا
مجھ میں اس قاتل میں تیرو کی لڑائی جتنی ہو — جب نگہ کا تیر کھایا تیر مارا آہ کا

کہکشاں اسے مہر جسکو فلسفی ٹھہراتے ہین   یہ دھواں ہے آسمان گیر اپنی شمع آہ کا

ایک مشکل مصرع پر ایسا زوردار مصرع لگایا ہے کہ قابل داد ہے مصرع یہ تھا ع پیکرتہ پیرہن نہ دیکھا، بادی النظر مین اس مصرع کو تغزل سے کوئی واسطہ نہین معلوم ہوتا اور یہ بھی سمجھ مین نہین آتا کہ شاعر کیا مصرع اسپر لگائیگا۔ اسی مصرع سے مہر کی قادرالکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔

دیکھا تجھے چشم دل سے عُریان   پیکرتہ پیرہن نہ دیکھا

ایک غزل مین لکھنؤ کی بربادی پر افسوس کرکے فرماتے ہین۔

اُٹھائے غربت کے رنج ہمدم تباہ ہوتے وطن کو دیکھا   مقام شادی ہے ہمصفیرو خزان مین روئے چمن کو دیکھا

ایک مرتبہ کانپور کے قریب ایک مقام بٹھور ہے وہان کے میلے مین تشریف لیگئے اسکی کیفیت ایک غزل مین نظم کردی ایک شعر مین میلے کی صفت کو ختم کردیا۔

جس سے بازار مصر شرمائے   ایسا میلا بٹھور مین دیکھا

مشکل ردیف وقافیون بھی اپنا رنگ طبیعت دکھا جاتے تھے حباب بنا پر بگڑ گیا، کتاب بنا پر بگڑ گیا، اسمین ایک شعر اپنے حصّہ کا کہا ہے۔

ایوان عیش اہل فنا کو، نہ پوچھئے   مانند بزم خواب بنا پر بگڑ گیا

کہین کہین تعلی بھی کی ہے۔

ہماری نظم سے کیونکر ہو آب و تاب جدا   درِ خوش آب جو ہو اس سے کیا ہو آب جدا

چلین گے شہر سے جاکر کہین شراب جدا   ہے پاس وضع جدا اپنے ہم اصحاب جدا

سنہ ۱۲۴۹ ہجری مین ایک دفعہ بٹھور کے میلے مین تشریف لیگئے اُسکی تعریف ایک غزل مین لکھی اور مادہ تاریخ مقطع کے آخری مصرع سے نکالا۔

دریائے فیض عام ہے میلا بٹھور کا   ہوتا عبث نہین لب گنگا بٹھور کا

اس ماہ وش نے مجھ سے یہ تاریخ مین کہا   لے مہر دیدنی ہے یہ میلا بٹھور کا

سنہ ۱۸۳۳ء مین ایک غزل بٹھور کے حالات مین لکھی اسمین بھی مادہ تاریخ پیدا کیا۔

کاشی گیا پراک مین جانے سے فائدہ   آنکھون مین یان سمایا ہے تیرتھ بٹھور کا

تاریخ عیسوی مین یہ مصرع ہوا ہے مہر   کیا ہی پسند آیا ہے تیرتھ بٹھور کا

لکھنؤ سے نکلنے کا غم دل پر ہمیشہ رہا اور اسکا اظہار غم مختلف پہلو سے کیا۔

لکھنؤ تھا جسم تو ہم جان سے تھے — آئی قضا دیس نکالا ملا
شاہ ہم اس حکم کے دیوانے ہین — بے سر و پا دیس نکالا ملا
کہتے چلا آیا ہے آدم کا ارث — کیا یہ نیا دیس نکالا ملا

دوسری غزل مین کہتے ہین۔

بیجرم و بے گناہ غریب الوطن کیا — ہمکو وطن سے شاہ غریب الوطن کیا
دشمن نہ یون ہو دوستنے جسطرح سے ہین — باحالت تباہ غریب الوطن کیا

تصوف کے رنگ مین بھی اچھی داد سخن دی ہے۔

یہ عرش نہین گوشۂ میخانہ ہے اسکا — سورج خم افلاک مین پیمانہ ہے اسکا
چھانا جہان مین نے اک جا مکان نہ ٹھہرا — مسکن ترا مکان سے تا لامکان نہ ٹھہرا
ہمکو بھی ساتھ لیتے اے رہروان منزل — عجلت کا کیا سبب تھا کیون کاروان نہ ٹھہرا

درج گوہر کو صدف سے تو نے عاری کردیا — ایک کا گھر بھر دیا اور ایک خالی کردیا

اُستاد کا ذکر خیر عجیب حسرت سے کیا ہے۔

پوچھتے ہو مجھسے کیا اے مہر آہ — نام تھا ناسخ مرے اُستاد کا

لکھنؤ کی بربادی کا حال کس دلکش پیرایہ مین کیا ہے،

مین ہون ساکن اس خراب آباد کا — جسمین غم ہے نکہت برباد کا

غلط کی ردیف مین نواب ناظم والی رامپور کی غزل مشہور ہے لیکن مہر کی غزل تبدیل قافیہ عجب مرصع نظر آتی ہے۔ ناظم فرماتے ہین،

مین نے کہا کہ دعوئ الفت مگر غلط — کہنے لگے کہ ہان غلط اور کسقدر غلط

جناب مہر فرماتے ہین،

دنیا کے ہین یہ سات ورق جابجا غلط — ہے ابتدائے دہر سے تا انتہا غلط

ایک چھٹ دوسرے کا نام نہین   قصر دل خانۂ عوام نہین

جسم مین جان نہو طاقت گفتار نہو   سب گوارا ہے مگر فرقت دلدار نہو

منہ خط رخسار بتان ہے   چمن مین آمد فصل خزان ہے

ہنس کے یون کہگئے وہ مجھکو جو روتے دیکھا   سیر کو آئے تھے ہم آب روان دیکھ چلے
کی جگہ اور ہوسناکونکے خاطر خالی   خوب ہم محفل عشرت کا سمان دیکھ چلے

کہین کس دل سے ہم خدا سمجھے   تجھ سے اے بت تری جفا سمجھے

دیکھو اے غافل سوئے ماہ و نجوم   چار دن یہ صحبت احباب ہے

آؤ رخصت ہو لو اے اہل وطن   اب ہمارے کوچ کا سامان ہے

وصل کی شب بات کی فرصت نہین   شام ہوئی اور سحر آ گئی

تو جو گرم خرام ہوتا ہے   روز محشر کا نام ہوتا ہے
وصل کے بعد ہے جو رنج و فراق   یہ فقط انتقام ہوتا ہے

وقت پیری نہین ہوا معلوم   کہ پیام اجل جوانی ہے
جائے عبرت ہے ہستی موہوم   صحبت رفتگان کہانی ہے

روز کہتے ہین یہ اردو سے معلے والے   سلطنت دہلی تو گیا لکھنؤ آباد رہے
ہے خدا سے یہ دعا لکھنؤ آباد رہے   اصفہان سے بھی سوا لکھنؤ آباد رہے
ربع مسکون مین غرضکہ نہین ایسی جا   لوگ کہتے ہین بجا لکھنؤ آباد رہے

کسقدر اسکا دہن شیرین ہے   ایک سے ایک سخن شیرین ہے

تا زدنیا ز دل سے نہ آگہ کبھی رہے   تا منتہائے عشق ہین مبتدی رہے
خالی ملازمت سے نہ شغل اے پری رہے   حقے کے بدلے صحن چمن مین کلی رہے
کہتا ہے تجکو عقد ثریا دکھا کے چرخ   اے ماہ نیمچہ مین بھی دستکی رہے

ہرگز نہ وعظ سے دل میخوار توڑیئے   اکبار توبہ کیجیئے سو بار توڑیئے

خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت

لاکھ

لاکھ بھی گوند کی قسم سے ہے اور یہ اُن کیڑون کا فضلہ ہے جو درختون مین خود بخود پیدا ہو جاتے ہین یہ صرف مشرق ہی مین ہوتی ہے اور ہندوستان مین سب سے زیادہ ہندوستان کے علاوہ سیام اور انڈو چینا مین بھی اسکا وجود پایا جاتا ہے مگر دونون ملک کل پیداوار کا صرف (جو تقریباً ۹½ لاکھ من ہوتی ہے) دو یا ڈھائی فیصدی مہیا کر سکتے ہین۔ ان دونون ملک کی بیشتر لاکھ ہندوستان چلی آتی ہے جو صاف کر کے بنائی جاتی ہے۔ اسطرح سے ہندوستان کا قریب قریب لاکھ پر اجارہ ہے پس لاکھ ایک ایسی پیداوار ہے جسپر کہ ملک محصول بر آمد لگا کر فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

لاکھ کا کیڑا مختلف درختون مین لگتا ہے جس قسم کا درخت ہوتا ہے اسی قسم کی لاکھ ہوتی ہے سب سے عمدہ قسم کی لاکھ کسمب کے درخت کی ہوتی ہے مگر بیر۔ پلاس پیپل اور ببول کی لاکھ بھی اچھی ہوتی ہے۔ ممالک متوسط مین کسمب اور پلاس کے درخت زیادہ تر لاکھ پیدا کرتے ہین۔ مگر سندھ مین ببول پر عمدہ لاکھ ہوتی ہے۔ لیکن جب سندھ کے ببول کی لاکھ کے کیڑے بہار مین لائے گئے تو ببول کے درخت پر انکی نشو و نما نہو سکی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مختلف قسم کی لاکھ محض اس بات کی وجہ سے نہین ہوتی کہ کیڑے مختلف قسم کے درخت پر پرورش پاتے ہین بلکہ بات یہ ہے کہ کیڑے بھی مختلف قسم کے ہوتے ہین۔ اس بات کا ابھی کافی طور پر پتہ نہین چلا ہے اور ابھی اس مسئلہ کی تفتیش کی ضرورت ہے۔

سال مین لاکھ کی چار فصلین ہوتی ہین۔ انمین سے پہلی سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

(۱) بیساکھی (۲) جیٹھوا (۳) کتکی (۴) اگہنی۔

یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ کل ملا کر ۹½ لاکھ من کچی لاکھ حاصل ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ جاوا سیام اور انڈو چینا سے تقریباً نوے ہزار من درآمد ہوتی ہے۔ اسطرح میزان کل دس لاکھ

پندرہ ہزار من ہوئی - اس سے چالیس سے ساٹھ فیصدی تک صاف شدہ لاکھ تیار ہوتی ہے - یہ ۴ ۱/۲ -لاکھ من ہوئی - یہ زیادہ تر دوسرے ملکون کو چلی جاتی ہے -

لاکھ کی پیداوار بہت بڑھ سکتی ہے - جتنے کام کرنیوالے ملے اتنی ہی لاکھ فراہم ہوئی - اگر جنگلو نمین لاکھ جمع کرنیکے کام کرنیوالون کی تعداد مین اضافہ ہو تو لاکھ کی پیداوار مین بھی اضافہ ہوسکتا ہے - زمانہ گذشتہ مین سب سے بڑی اشکل یہ رہی ہے کہ عمدہ لاکھ کے کیڑے کم دستیاب ہوتے تھے لیکن اب انتظام کیا گیا ہے کہ عمدہ کیڑے مل سکین - انکے واسطے گھوارے قائم ہونے والے ہین - فی الحال لاکھ جمع کرنیکے پٹے دیے جاتے ہین اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب لائسنس بدلنے والا ہوتا ہے اور لائسنسدار کو امید نہین ہوتی کہ اسکو لائسنس پھر ملے گا تو وہ لائسنس کی مدت ختم ہونیکے قبل ہی جتنی لاکھ ہوتی ہے سب نکال لیتا ہے اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ازسرنو لاکھ پیدا کرنے کا سامان بھی جاتا رہتا ہے یہ مشکل اسطرح حل کرنے کا ارادہ ہے کہ انڈے دینے والے لاکھ کے کیڑے کسی اوسط مین لائسنس سے مستثنیٰ کر دیے جائین - جنگ کے زمانہ مین اس امر کی تھوڑی بہت تحقیقات ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری صنعتین ابھی مختلف پہلوؤن سے سائنس کے اصولون پر نہین چلتین - یہی حال لاکھ کا بھی ہے - ہندوستانی لاکھ اکھاڑ لیتے ہین جا لاکھ لاکھ ابھی پورے طور پر بڑھنے نہین پاتی - ملائم اور نرم ہوتی ہے اور قبل اسکے کہ اس سے انڈے پھوٹ کر ننھے کیڑے نکلین - اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک تو لاکھ کی عمدگی مین فرق آتا ہے دوسرے یہ کہ اگر کافی تعداد مین کیڑے انڈے پھوڑکر لاکھ جمع کرنیکے پیشتر ہی نکل نہین گئے ہین تو آنیوالے موسم مین لاکھ کی پیداوار کم ہوجاتی ہے - مگر لاکھ جمع کرنیوالون کا ایسا کرنا حق بجانب ہے کیونکہ لاکھ صاف کرنیوالے ایسی ہی لاکھ مانگتے ہین - اسکی وجہ یہ ہے کہ لاکھ مین جو گوندسی شے ہوتی ہے وہ لاکھ کے ملایم ہونے پر کم درجہ کی گرمی پر گل جاتی ہے ورنہ اسکو گرمی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے لیکن اسطرح لاکھ کے انڈے برباد ہو جاتے ہین اور لاکھ بھی عمدہ نہین ہوتی - تیسرا اثر اسکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ سال بسال لاکھ برابر مقدار مین نہین پیدا ہوتی اسیلئے لاکھ کی تجارت مین قمار بازی کو دخل ہوجاتا ہے اور اس سے بہت

نقصان ہوتا ہے۔ ادھر بھی لاکھ کو جمع کرنے کا جو دستور ہے اسکی اسی طرح بندش کرنا چاہئے جسطرح ہندوستان مین صغرسنی کی شادی کی روک کی ضرورت ہے۔ لاکھ کے واسطے ضرورت اس بات کی ہے کہ جن شاخون مین لاکھ بھی ہے انکو درخت پر ہی رہنے دیا جاے یا انکو کاٹکر دوسرے درختون پر ڈال دیا جاے تاکہ اُسکے نئے کیڑے نکل جائین اور آیندہ لاکھ بنائین۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ سال بسال لاکھ کی پیداوار مستقل ہو جائیگی۔ قمار بازی لاکھ کی تجارت مین مسدود ہو جائیگی اور اسکی قیمت ارزان ہوگی۔ لاکھ کی تجارت مین یا کسی اور تجارت مین قمار بازی یون پیدا ہو جاتی ہے کہ جب یہ اطمینان نہین ہوتا اور نہ معلومات ہوتی ہے اور نہ ایسے سامان ہوتے ہین جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ پیداوار کتنی ہوگی تو ہوشیار تاجر اس سے نفع اٹھانیکے زیادہ خواہشمند ہوتے ہین۔ وہ پیداوار کو روک لیتے ہین اور جب قدرتی طور پر کمی ہونیکی وجہ سے اسکا نرخ چڑھتا ہے تو اپنی قسمت کو سراہتے اور ایک کے چار چار کرتے ہین۔

ہندوستان مین چار خطے ہین جہان لاکھ کی پیداوار کافی مقدار مین ہوتی ہے۔

۱۔ ممالک متوسط ہند جسمین ضلع ناگپور۔ اڑلیسہ اور بنگال کے ملحق علاقے اور حیدرآباد ریاست کے مشرقی اور شمالی جنگلات شامل ہین۔

۲۔ سندھ

۳۔ سنٹرل آسام۔

۴۔ اپر برما اور ریاستہاے شان۔

انکے علاوہ اور بھی علاقے ہین جیسے پنجاب۔ مگر نمبر اول کے مقامات کو بھی اہمیت ہے کیونکہ لاکھ صاف کرنیوالے اسی رقبہ سے زیادہ تر لاکھ حاصل کرتے ہین۔

(لاکھ کا استعمال)

لاکھ کا استعمال متعدد طریقون سے ہوتا اور گذشتہ چند سالونمین یہ نئے نئے طریقہ پر صنعتونمین استعمال ہونے لگی ہے۔ یہ وثوق کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ مغرب مین صنعتون کیلیے یہ ایک لابدی شے ہے۔ اور چونکہ یہ دیگر ممالک یورپ اور امریکہ مین نہین پائی جاتی

اسیلیے ابتک دیگر ممالک مین بڑی بڑی تحقیقاتین ہو چکی ہین تاکہ کوئی اسکا بدل تیار ہو جسطرح کونیل کا بدل جرمنی مین تیار ہوا تھا مگر ابھی تک اسمین کوئی کامیابی نہین ہوئی ہے - یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسکا مصنوعی بدل بنانا غیر ممکن ہے اور اگر بنا یا بھی جائے تو لاکھ کا کام نہین دے سکتا -

اس لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ ایسے وسائل اختیار کیے جاوین کہ جس سے لاکھ پر جو اجارہ ہندوستان کا ہے قائم رہے اور ہندوستان کا خزانہ اس سے مستفید ہو سکے لاکھ بطور خام مال کے یورپ اور امریکہ کے آرٹ اور صنعتون کے واسطے ضروری ہو گئی ہے - دوران جنگ مین یہ فوجی ضروریات کی چیزون کے بنانے مین بھی کام آئی ہو- اس سے اسکی اہمیت اور بڑھ گئی ہے اسکے خاص خاص استعمال حسب ذیل ہین-

۱- صنعتون مین یہ مندرجہ ذیل صنعتون مین کام آتی ہے - گراموفون کے رکارڈ بنانا بٹن بنانا بیتھو کی روشنائی بنانا - نقلی ہاتھی دانت بنانا - آئل کلاتھ بنانا - وارنش اور پالش تیار کرنا - پتھر اور دھات کی چیزون پر پالش کے لیے چیز تیار کرنا وغیرہ وغیرہ -

۲- ریشم یا کھر کی ٹوپیون مین سختی پیدا کرنا

۳- بجلی کی مشینون مین بجلی کی طاقت کو زائل ہونے سے روکنے کیلیے آلات بنانا جنکو انگریزی مین انسیولیٹر کہتے ہین - لاکھ ایک ایسی شے ہے جسمین سے ہو کر بجلی گذر نہین سکتی جیسے دھات مین سے ہو کر گذر جاتی ہے -

۴- بارود کی ایسی چیزین بنانے مین کام آتی ہے -

۵- روزمرہ کے گھر کے استعمال کی چیزین بنانے مین کارآمد ہے مثلاً مہر کرنے کے لیے چوڑیان بنانیکے لیے - کھلونے بنانے کیلیے - وغیرہ وغیرہ -

۶- جوڑنے کے کام آتی ہے مثلاً ہاتھی دانت اور دھات کی چیزین جوڑنے کے لیے تلوارون کا دستہ جوڑنے کے لیے -

۷- زیورات بھرنے کے لیے جو اندر سے کھوکھلے ہوتے ہین-

۸- سفید لاکھ تیار کرنے مین جو لاکھ اور کلورین کی مرکب ہے -

جب لکڑی پر پالش یا دھات پر پالش کرنیکے یا بارود کے گولوں کے اندر پالش چڑھانیکی ضرورت ہوتی ہے تو لاکھ کو الکوحل میں گھولتے ہیں۔ نلٹ ترپین اور ایسی چیزوں کو کڑا کرنیکے لیے لاکھ کو سہاگہ میں ملاتے ہیں۔ سفید لاکھ تیار کرنیکے لیے اسکو سوڈا کی خاک اور پانی میں گھولتے ہیں۔ یہ سفید لاکھ الکوحل میں گھل جاتی ہے اور اسطرح ایک سفیدی مائل صاف شفاف پالش تیار ہو جاتی ہے۔

(لاکھ اور اسکی تجارت)

خام لاکھ سے پختہ لاکھ جسکو شیلک کہتے ہیں ممالک متحدہ آگرہ و اودھ۔ بنگال اور بہار کے مختلف اضلاع میں تیار کی جاتی ہے۔ سب سے زیادہ مشہور مقامات اسکی صنعت کے مرزاپور۔ بلرامپور۔ امام گنج۔ پاکر اور جھالدہ ہیں۔ اسکے علاوہ بنگال میں دو کارخانہ ہیں جنمیں مشین کے ذریعہ پیٹنٹ شدہ طریقوں سے شیلک بنائی جاتی ہے۔

اسکے حسب ذیل تجارتی اشکال ہیں۔

۱۔ خام لاکھ

۲۔ دانہ دار لاکھ۔ خام لاکھ کو کوٹ پیسکر دھوکر خشک کر لیتے ہیں۔

۳۔ شیلک یا چپڑا لاکھ۔ یہ تیار شدہ لاکھ یا شیلک ہے جو پپڑا یا گائے کی شکل کی ہوتی ہے

۴۔ بٹن یا زبان کی شکل کی لاکھ۔ یہ وہی تیار شدہ لاکھ یا شیلک ہے۔ اسکو گلا کر بٹن یا زبان کی شکل میں بنا لیتے ہیں۔

۵۔ تامڑے کی لاکھ۔ یہ بھاری سرخ رنگ کی ہوتی ہے۔ اسکی شکل پتلے پتلے ٹکڑوں کی سی ہوتی ہے جو چپٹے نہیں ہوتے جیسے نمبر ۳۔ اسمیں تقریباً ۱۰ فیصدی رال ہوتی ہے لیکن خالص بن سکتی ہے۔ نمبر ۴ و ۵۔ اقسام کی ادنی درجہ کی لاکھ لاکھ کا فضلہ ملانیسے بھی تیار ہوتی ہے۔

۶۔ کیٹری۔ یہ فضلہ ہے جو بوروں میں جنمیں لاکھ گلائی جاتی ہے لاکھ گلنے کے بعد باقی رہجاتا ہے۔ اسمیں لاکھ کا کچھ اوسط ہوتا ہے۔ بعض اوقات پچاس فیصدی تک۔ اکثر اس سے بھی زیادہ۔ یہ عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مشین کی بنی ہوئی لاکھ ہاتھ کی بنی ہوئی

لاکھ سے مقابلہ نہین کرسکتی۔"

تجارت برآمد کی کل قیمت کا اندازہ ۳/۱/۲ ۳ کرور روپیہ سالانہ ہے مگر یہ اتنا زیادہ اسوجہ سے ہے کہ نرخ چڑھا ہوا ہے۔ فوجی ضروریات کی وجہ سے دوران جنگ مین اسکی قیمت مین بہت بڑا اضافہ ہوا۔ اور اسکی اہمیت بڑھ گئی۔

دس سال قبل تجارت برآمد کی کل قیمت کا اندازہ صرف ۳/۱/۲ ۲ کرور روپیہ ہے۔ جنوری ۱۹۱۶ع سے جب سے کہ ہندوستان کے وسائل پورے طور پر جنگ مین کام آنے لگے اور جب سے گرانی کا سلسلہ شروع ہوکر ابھی تک ختم ہونے نہین آتا بائیس مہینونمین ۱۱۲۰۰۰ من لاکھ وزارت اسلحہ کو گئی تھی۔ اسکی قیمت مقررہ تھی۔ ۸۲-۱/۲ ۱۵ پونڈ فی من کی قیمت ۸۲ روپیہ تھی مندرجہ ذیل اعداد روپیہ ہین۔ اور برآمد شدہ مال کے ہین۔

میزان کل	غیر تیار شدہ لاکھ	تیار شدہ لاکھ	سال
۱۹۶۵۸۰۰۰	۱۳۷۳۰۰۰	۱۸۲،۸۵۰۰۰	۱۹۱۳-۱۴
۱۶۰۵۸۰۰۰	۶،۹۶۰۰۰	۱۵۳،۶۲۰۰۰	۱۹۱۴-۱۵
۱۷۱۸۵۰۰۰	۱۱،۲۹۰۰۰	۱۶۰،۴۶۰۰۰	۱۹۱۵-۱۶
۲۸۳۳۲۰۰۰	۲۳،۳۳۰۰۰	۲۵۶،۹۹۰۰۰	۱۹۱۶-۱۷
۳۷۷۷۸۰۰۰	۱۴۳۹۰۰۰	۳۶۳۳۹۰۰۰	۱۹۱۷-۱۸

اگر مندرجہ صدر پانچ برسون کا اوسط نکالا جائے تو اوسط برآمد ۲ کرور ۴۰ ۳ لاکھ روپیہ نکلتا ہے۔ اسکی تجارت کا نظام بہت سادہ ہے اور تقسیم کار و نقصانات کے عمدہ اصول پر مبنی ہے۔ لاکھ کے جمع کرنیوالے اسکو بنیون کے ہاتھ فروخت کرتے ہین۔ بنیا چھوٹے چھوٹے کارخانہ دارون کو مال بہم پہونچاتا ہے۔ یہ مال تیار کرکے دلالون کے ذریعہ برآمد کرنیوالے تاجرون کے ہاتھ فروخت کرتے ہین۔ سرمایہ جو اسمین لگتا ہے مختلف درجونمین مختلف مالکون کا ہے۔ کلکتہ کے دلال چھوٹے چھوٹے کارخانہ دارون کو روپیہ پیشگی دیدیتے ہین اسطرح انکا کام چلتا ہے۔ لاکھ جمع کرنیوالون کو روپیہ بنیون سے پیشگی مل جاتا ہے۔ اسمین ایک نقص ہے اور وہ یہ ہے کہ اس نظام مین پیشگی روپیہ لینے والا۔ دینے والے کا ایک قسم کا

غلام ہو جاتا ہے۔ اسکو مال بازار کے نرخ سے کم دام پر دینا پڑتا ہے اور اکثر شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ سوائے اسکے مال اور کسی دوسرے کو نہ دیا جائے۔ پہلی شرط کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ سود نہیں لیا جاتا اسلیے اسکا معاوضہ کمی نرخ مین نکلتا ہے مگر اسمین پیشگی لینے والے کا سراسر نقصان ہے۔ فرض کیجیے کسی نے سو روپیہ پیشگی لیے اور دوران سال مین اسنے ۵۰۰ کا مال دیا۔ یہ مال فرض کیجیے ۲۵ من ہے لہذا قیمت بیس روپیہ فی من ہوئی۔ قیاس کہتا ہے کہ جب بیس روپیہ کا نرخ کاٹا گیا ہوگا تو بازار کا نرخ ۲۵ روپیہ فی من ضرور ہوگا۔ اسطرح سے اسکو پانچ روپیہ فی من کا گھاٹا ہوا۔ ۲۵ من پر ۱۲۵ روپیہ ہوئے اور سو روپیہ پیشگی لینے پر ۱۲۵ روپیہ کا نقصان ہوا۔ سو روپیہ کا سود ۱۲ فیصدی لگانے پر بھی پیشگی لینے والے کو ۱۱۳ روپیہ کا خالص فائدہ رہا۔ دوسری شرط ایک بندش ہے جس سے کارخانہ دار کو سخت نقصان پہونچ سکتا ہے۔ ایسی ہی بندشون سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال کی پارچہ بافی کی صنعت کو ملیامیٹ کر دیا تھا جب نرخ ارزان ہوتا ہے تو کٹے ہوے نرخ سے بھی کم دام دیے جاتے ہین اور جب گران ہوتا ہے تو معہودہ نرخ پر بیچنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔ غرض روپیہ پیشگی دینے والا ہر طرح سے اپنا فائدہ نکالتا ہے۔

(لاکھ سے کیا کیا نکلتا ہے)

اول اول لاکھ محض رنگ کیلیے جو اس سے نکلتا ہے جمع کیجاتی تھی۔ لاکھ مین تین خاص چیزین ہوتی ہین۔

۱۔ لاکھی رال۔ یہ درختون پر جمی ہوئی لاکھ کی سب سے اوپر کی پوستش ہے۔

۲۔ لاکھی موم۔ یہ لاکھ کے کیڑے کے اردگرد ہوتا ہے۔

۳۔ لاکھی رنگ۔ یہ کیڑے کے جسم کے اندر ہوتا ہے۔

یہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ لاکھ جو دیسی طریقہ پر بنائی جاتی ہے اسمین ایک یہی نقص ہوتا ہے کہ اسمین میل ہوتا ہے۔ یہ موم اور رال کی ملاوٹ ہے جسکے اوسط کا پتہ نہین ہوتا۔ چونکہ لاکھ مختلف کام مین آتی ہے اور مختلف کامون مین لاکھی موم اور رال کے مختلف اوسط کے میل کی ضرورت ہوتی ہے اسلیے یہ ضرور ہے کہ ہر قسم کی رال کی نسبت یہ تحقیق ہو کہ اسمین۔

کتنا کتنا مین کس قسم کا ہے۔موم تو بالکل نکالا ہی نہین جاتا اور اگر رنگ نکالا جاتا ہے تو
اسمین موم۔ خالص رال اور کیڑے کے جسم کے ذرے اور گرد کی ملاوٹ ہوتی ہے۔

لاکھ سے جو رنگ نکلتا ہے وہ کل لال رنگون سے زیادہ شوخ اور گہرا لال رنگ ہے
یہ کہا جاتا ہے کہ ابتک ہندوستان کے بعض حصونمین یہ کامدار کملون اور ساریون کے
رنگنے مین کام آتا ہے اور اسکو ولایتی سُرخ رنگ پر ترجیح دی جاتی ہے۔یہ بڑے افسوس
کی بات ہے کہ فی الحال کل لاکھ کا رنگ جو نکلتا ہے پھینکدیا جاتا ہے۔یہان پر اس بات
پر توجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ سائنس کے طریقون پر تحقیق ہوکر اسکی ترقی ہونا چاہیے
کیونکہ اس سے لاکھ کی صنعت وتجارت کے فوائد بڑھ جائینگے اور ایک قدرتی رنگ اور
سب سے بہتر سُرخ رنگ ہمارے کام آئیگا۔یہ بات بتلانیکی چندان ضرورت نہین کہ قدرتی
رنگون سے جسمانی اور دماغی فائدہ ہوتا ہے اور برخلاف اسکے مصنوعی رنگون سے نقصان
ہوتا ہے۔قدرتی رنگون کی خوشبو بھلی معلوم ہوتی ہے اور مصنوعی رنگون کی ناگوار۔اسکے علاوہ
جس عرق مین رنگ ہوتا ہے وہ کھاد کا عمدہ کام دیسکتا ہے اگر تازہ تازہ کھیتون مین
چھوڑ دیا جاوے کیونکہ اسمین نشروجن ہوتی ہے جو زمین کی زرخیزی کا ایک عنصر ہے۔لیکن اگر
یہ خشک کرکے کھاد کے کام مین لایا جاوے تو اتنا عمدہ کام نہین کرتا جیسا کہ تازہ کیونکہ خشک
ہونے پر اسمین سے فاسفورس کے اجزا جو زرخیزی کا ایک دوسرا عنصر ہے غائب ہوجاتے
ہین۔مگر رنگ کی ان ناتمام ترکیبون سے سہل طریقون سے مندرجۂ ذیل چیزین نکالنا ممکن ہے

۱۔ایک قسم کی دوم درجہ کی وارنش۔

۲۔موم جو مکھی کے موم کے مثل ہوتا ہے اور خوبی یہ کہ خواص اور قیمت مین بھی ویسا
ہی ہوتا ہے۔

۳۔رنگ۔یہ ریشم اور اون رنگنے کے بہت کام آسکتا ہے۔اگر خالص بنایا جاوے
تو بہت کام کا ہے جیسا اوپر کہا گیا ہے ابھی تک یہ بالکل ضائع کردیا جاتا ہے۔لاکھ
کے تیار کرنے مین جو عرق بچتا ہے اسکو اگر تجربہ اور تحقیق کے باصول طریقون سے کام
مین لایا جاوے تو اوپر لکھی ہوئی تینون چیزین اس سے بآسانی نکل سکتی ہین۔امید کیجاتی

ہے کہ یہ کام اگر ہاتھ مین لیا جائے تو بہت ہی فائدہ مند ثابت ہوگا۔ اوپر کہین یہ ذکر کیا گیا ہے کہ خاص خاص چیزون کے بنانے مین لاکھ کے خاص خاص مرکبون کی ضرورت ہوتی ہو مثلاً

۱۔ ٹوپیون کے بنانے مین ایسی لاکھ کی ضرورت ہوتی ہے جسمین ایک خاص مناسبت سے رال اور گوند کا میل ہو تاکہ ضروری نرمی اور چمڑا پن لاکھ مین ہو۔

۲۔ گراموفون کے ریکارڈ تیار کرنے مین ایک قسم کی لاکھ کی ضرورت ہوتی ہے جو خواص مین مخصوص ہے

۳۔ لکڑی اور دھات پر پالش کیلیے لاکھ مین رال کا جز نہین ہونا چاہیے۔ اسکے واسطے خالص لاکھ کی وارنش کی ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ مہر کرنیکے لیے۔ کھلونے بنانے کیلیے اور آرٹ وغیرہ مین استعمال کیلیے ایک خاص قسم کے لاکھ کی ضرورت ہوتی ہے۔

۵۔ وارنش تیار کرنے کیلیے یہ بات بہت ضروری ہے کہ رنگ نہو۔ انگریزی طریقہ رنگ دور کرنے کا بلیچنگ پوڈر کے ذریعہ سے ہے (یہ پوڈر چونہ اور کلورین گیس کا مرکب ہے اور گرمی مین جلد خراب جاتا ہے) لیکن رنگ دور کرنے کا سب سے بہتر طریقہ جو ابھی تک معلوم ہے وہی ہے جو ہمارے دیسی کاریگر استعمال کرتے ہین یعنی لاکھ کو ہرتال اور گندھک کے ایک مرکب مین ملاکر گلاتے ہین۔

۶۔ وارنش کے علاوہ اور چیزونمین لاکھ کا رنگ کوئی ہرج نہین کرتا مسئلہ کی اہمیت صرف اسمین ہے کہ رال اور موم کا اوسط مقرر ہو اور جس کام کیلیے ہو اس کام کیلیے لاکھ اسی مقررہ اوسط سے ترکیب دیجائے۔

پس ظاہر ہوتا ہے کہ لاکھ کی صنعت وتجارت مین جس لائن پر ترقی ہونا چاہیے یہ ہی کہ لاکھ کے مختلف اسٹینڈرڈ یا درجے قایم کیے جائیں جنکے مطابق لاکھ تیار ہوا کرے۔ اسکے لیے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔ پھر بھی اسکی مالی کامیابی اس بات پر منحصر ہوگی کہ شیلک کے نرخ کو قیام ہو۔ جیسا بتایا جاچکا ہے کہ فی الحال نرخ کو قیام اسوجہ سے نہین کہ اول تو اسکی پیداوار کے حالات نرخ کے قیام کے موافق نہین دوئم خوک فروش اسکا اسٹاک جمع کرکے اس سے

"ناجائز منافع اُٹھانے کی فکر کرتے ہین - اگر سائنٹفک اصول پر کام کرنے سے پہلا سبب دور کیا جائے تو دوسرے کے اسباب بھی مسدود ہو جائینگے۔" ہندوستان کے ہاتھ مین ایک مفید چیز کا اجارہ رہے گا - اور چونکہ یہان الکوہل لامحدود تعداد مین تیار ہو سکتا ہے اسلیے اسکے متعلق صنعتون کو ہندوستان اپنے یہان جاری کر سکے گا - اور اگر باشندگان ملک ملکی اور غیر ملکی مال مین تفریق اور تشخیص کر سکین تو ہندوستان مین اس ضروری چیز کا اجارہ اور اس سے غیر معمولی منافع ہمیشہ قائم رہ سکتا ہے - اس غیر معمولی منافع کو حاصل کرنیکے لیے کچھ محنت و جانفشانی اور تحقیق اور تجسس کی ضرورت ہے اور اسکے لیے روپیہ درکار ہے - سرکاری کونسلو نمین تجویز ہے کہ لاکھ کی برآمد پر محصول لگا کر اسکا محصول لاکھ کی انجمن کو جو ملک مین قائم ہے دیدیا جائے تاکہ یہ روپیہ اسی طرح لاکھ کی ترقی مین لگایا جائے جسطرح چائے کی برآمد پر جو محصول ہے وہ چائے کی انجمن کے ذریعہ چائے کی ترقی مین لگایا جاتا ہے امید ہے کہ اس ترکیب سے یہ منصوبہ پورا ہوگا -

اقبال بہادر سکسینہ

مہامہوپادھیا ڈاکٹر ستیش چندر ودیابھوشن پرنسپل سنسکرت کالج کلکتہ نے پچھلے سال کے اورینٹل کانفرنس کے سامنے ایک مضمون پڑھا جسمین اُنھون نے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ ملک الشعرا کالیداس نے لنکا کے جنوب مین بمقام متالدا واقع دریائے کیرندی اور بحر ہند کے جائے اتصال پر سنہ ۵۳۲ء مین وفات پائی، لنکا کا راجہ کمار داس کالیداس کی تصنیف جانکی ہرن کا ویہ پر ہزار جان سے فدا تھا اپنے دوستانہ تعلقات اور احسانمندی کے اظہار مین ملک الشعرا کالیداس کے ساتھ اسی چتا مین جل مرا تھا - بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ اور کالیداس ایک خاص زبان مین آپس مین مشاعرہ کیا کرتے تھے - اس زبان کو ہندوستان کے مختلف صوبون کے لوگ اور اہل لنکا دونون اپنے ساتھ منسوب کرتے ہین -

---

میرابائی

(۱)

سرزمین راجپوتانہ کا چپہ چپہ تاریخ عالم کا ایک ورق ہے جسمین شجاعت اور دلیری کی بہترین یادگارین موجود ہین خصوصاً چتور کا نامور قلعہ اور اُسکی شاندار عمارتین آج تک زمانۂ ماضیہ کے حُسنِ رعنائی، شجاعت و مردانگی حلم و بردباری کے غیر فانی مضمون سے معمور ہین۔ یہی وہ قلعہ تھا جسکو اکبر اعظم کی شمشیر خارا شگاف فتح نہ کر سکی۔ یہی وہ گڑھی تھی جسنے پہاڑ و نمین روپوش ہو کر ایک عرصۂ دراز تک اپنی خود مختاری اور آزادی قرار رکھی، اسی ریاست کے سورما بہادرون نے آزادی کی خاطر جو انسان کا پیدایشی حق ہے سیکڑون بار سر بکف ہو کر میدان جدال و قتال مین داد شجاعت دی اور علم خود مختاری کو سرنگون نہونے دیا۔ یہی وہ سرزمین حسن ہے جس کی پری تمثال ملکہ پدمنی نے شاہنشاہ علاءالدین خلجی کو ایک زمانہ تک مضطرب و بیچین رکھا، اور بالآخر قربانگہ وفا پر بھینٹ چڑھ گئی۔ یہی وہ مقدس اور مردم خیز خطہ ہے جسمین میرابائی جیسی نامور خاتون پیدا ہوئی، جو حُسن و دلآویزی مین لاثانی تھی اور جسکے جمال و رعنائی نے اہل چتور کے قلوب کو مسخر کر لیا تھا۔

میرابائی کا نام نامی آجتک زبان زد خلائق ہے چرواہے دوپہر کو درختون کے سایہ مین لیٹ کر آج بھی اسکے گیت گاتے ہین پجاری کرشن جی کے روبرو دوزانو ہو کر آج بھی اسی کی بھجن الاپتے ہین۔ بڑے بڑے کلاونت جب دُھرپد مین نغمہ سرائی کرتے ہین، اور بزم نشاط مین اپنی صدائے نغمہ پرور سے سامعین کو محو و بناتے ہین تو میرابائی کے داستان رنگین سے فضائے آسمانی گونج اُٹھتی ہے۔ وہ میرابائی جسکی پاک روح صدق و صفا کا جوہر تھی، جو ہند کی ایک نامور شاعرہ اور ادیبہ تھی جو کرشن جی کے بھگتی مین سراپا غرق ہو چکی تھی۔

(۲)

چیت کا مہینہ ہے اور پورنماشی کا دن کتنے ہی سے مہاراجہ چتوڑ کا نامور اور قبول صورت راج کمار جسونت سنگھ اپنے محل کے بالائی منزل پر جلوہ افروز ہے، اور اسکی نازآفرین اور خوبصورت رانی بھی اسکے پہلو میں رونق افروز ہے فطرت کی فیاضی نے دونوں کو فنون لطیفہ مین یکتاے روزگار بنایا تھا، دونوں شاعر تھے اور موسیقی کے ماہر، جسونت سنگھ اپنی شاعرانہ نازکخیالی اور شیوا بیانی مین مصروف رہا، لیکن میرا بائی نے اپنا طنبورہ ہاتھ مین لے لیا اور گھنٹوں اپنی لحن داودی کا کرشمہ دکھاتی رہی، تمام کائنات پر چاندنی چٹک رہی تھی، ماہتاب ٹکٹکی باندھے اسکے گلابی رخساروں پر نظر جمائے ہوے تھا اور ہوا اسکی زلفوں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔آخر جب اس حسینہ کی نزاکت مزید نغمہ سرائی کی تاب نہ لاسکی تو اسنے اپنا طنبورہ رکھدیا اور راجکمار کے آغوش الفت مین سر رکھکے بیہوش ہوگئی۔ "آہ"

نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتین اسکی ہین
اسکی زلفین جسکے بازو پر پریشان ہوگئین

امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ دونوں کے شاعرانہ انداز بیان مین نمایاں فرق ہوگیا جسونت کے کلام مین رنگینی اور نفس پرستی جھلکنے لگی اور روز بروز اسکا مطمع نظر پست ہونے لگا یہان تک کہ تخت نصیب ہونے تک اسکی شاعری بالکل ختم ہوگئی۔اسکے برخلاف میرا بائی کے کلام مین تصوف اور روحانیت کا رنگ گہرا ہوگیا اور اسکا طائر خیال ان منازل تک پرواز کرنے لگا جہان انسانی فکر کی رسائی محال ہے۔سری کرشن کی بھگتی نے اسکے دل پر قبضہ کرلیا اسنے بہت جلد محسوس کرلیا کہ کوئی فرد بھی اسوقت تک سچی خوشی حاصل نہین کرسکتا جب تک کہ سرچشمۂ محبت کا متلاشی نہو۔

مذہبی جوش حقیقی عشق اور صفائی قلب نے اسکو دنیاوی فکر و علائق سے آزاد کردیا، وہ خانگی فرائض، دنیوی افکار اور ظاہری آرائش سے بھی بے نیاز ہوگئی۔صبح کے وقت وہ گھنٹوں اپنی سہیلیوں کے ہمراہ محل کے حسین باغ کے کنجوں مین بھجن گاتی اور گوبندجی کے مقدس دربار مین اپنی بلورین پیشانی فرط محبت سے رگڑتی، اسکی شاعرانہ سحر طرازی کا ڈنکا

ایک عالم مین بج چکا تھا، موسیقی کے ساتھ ساتھ اسکی آواز مین بھی وہ سوز و گداز پیدا ہوگیا تھا کہ سننے والے ازخود رفتہ ہوجاتے تھے اور وہ خود بھی گاتے گاتے بیہوش ہوجاتی تھی۔

آخر یہ مقدس ہستی کب تک چتوڑ کے قلعہ مین مقید رہ سکتی تھی جس سینے مین عشق کی آگ دہک چکی ہو اُسے کوئی چیز بھی ٹھنڈا نہین کرسکتی، چنانچہ وہ سری کرشن کے آستانۂ اقدس پر پہونچگئی جہان وہ اپنے بھگتی مین ڈوبے ہوئے راگ گاتی اور بیہوش ہوجاتی، پتھر اُسکے نغمے سنتے اور پگھل جاتے، ندی اُسکے بھجن سے متاثر ہوکر اپنی روانی بند کردیتی، طیور اس کی جادو بیانی سنکر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے اور ایک دنیا اسکی نغمہ سرائی سے نشۂ بیخودی مین سرشار و مدہوش ہوجاتی۔

(۳)

میرا بائی کی شہرت شدہ شدہ اکبر فرمانروائے دہلی تک پہونچی، وہ خود بھی شاعر تھا چنانچہ اُسنے اُس مطربۂ حقیقت کے نغمے سُننے کا مصمم ارادہ کرلیا، تان سین کے ہمراہ ایک دیہاتی پجاری کے لباس مین تن تنہا اسکی طرف چل کھڑا ہوا، اور چند روز بعد اُس مندر مین پہونچا جو میرا بائی کی جادو نظری اور لحن داؤدی کی وجہ سے ایک محشرستان بنا تھا، اُسنے اُس حسن کی دیوی کی زیارت کی، اُسکے بھجن سُنے، اور فرط نیاز سے اُسکے قدمون پر گر پڑا، حصول نجات کی تدبیر دریافت کی اور ایک مالا پیش کرکے بولا۔

"مقدس دیوی اپنے معشوق حقیقی کے واسطے یہ حقیر نذر قبول کر"

میرا بائی نے مالا دیکھا۔ اکبر پر نظر ڈالی، اور کہنے لگی۔

آپ تو دیہاتی فقیر معلوم ہوتے ہین۔ ایسی نایاب چیز آپکو کہان سے ملی؟

اکبر نے جواب دیا کہ جمنا جی مین اشنان کرتے ہوئے مجھے یہ مالا ملا ہے "

میرا بائی نے شکریہ ادا کیا، اور دونون جاتری دہلی واپس آگئے۔

مالا نہایت قیمتی اور نفیس تھا، سیکڑون آدمی کرشن جی کی مورت پر اُسکے جواہرات کی دیدہ زیبی دیکھنے دور دور سے آنے لگے، حتی کہ جسونت کو بھی اسکی خبر ہوئی، جاسوسون سے

معلوم ہو گیا کہ یہ مال اکبر کے خزانۂ عامرہ مین تھا، اور شاہان مغلیہ اسکو بہت عزیز رکھتے تھے وہ تون جانبرون کا سراغ لگانیکے بعد مہاراجہ جسونت سنگھ کو یقین ہو گیا کہ اکبر اعظم نے میرابائی کو بے حجاب دیکھ لیا ہے وہ سمجھا کہ میرا نے میواڑ کے عالی خاندان پر کلنگ کا ٹیکہ لگایا، چنانچہ فوراً اُسکے قتل کا حکم جاری کر دیا لیکن کوئی جلا دتعمیل حکم پر آمادہ نہوا اور ریاست کے تمام افسر بھی عذرخواہ ہوے۔ آخرالامر رانی کے پاس حکم بھیجا گیا کہ تم اپنی جان سے دست بردار ہو جاؤ۔

میرابائی پوجاپاٹ سے واپس ہو رہی تھی، اُسنے اس حکمنامہ کو پڑھکر قاصد سے دریافت کیا، کہ

"کیا مین آخری مرتبہ اپنے آقا کا درشن کر سکتی ہون؟" قاصد نے جواب دیا کہ مہاراجہ تمکو اسکی اجازت نہ دینگے"، اور ہندو دھرم مین عورت کیلیے اپنے شوہر کا حکم ماننا ضروری ہے

(۴)

رات کے بارہ بج چکے ہین، تمام دنیا ہو کا عالم بنی ہوئی ہے۔ فضاے عالم محوِ خواب ہے آسمان و زمین بھی سو رہے ہین، دریا کی موجین بھی آغوش سکون مین ہین، ہر طرف ایک سناٹا چھایا ہوا ہے، ایک حسینہ لب دریا کھڑی ہے اور دبی آواز سے کچھ گا رہی ہے جس سے ہوا مین رہ رہ کے خفیف سا تموج پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اُسنے "سری کرشن" کا نام باواز بلند لیا اور "آقا تیرا حکم مانتی ہون" کہکر تاریک موجون مین کود پڑی، ایک ہولناک آواز نے ہوا مین حرکت پیدا کر دی اور بس،

یہ وہی دُنیا کی قابل رشک عورت میرابائی تھی جسکی پاک مذہبی جوش نے اسکو بے چون و چرا اپنے شوہر کا حکم ماننے پر مجبور کر دیا۔ مغربی تہذیب و تمدن کی کوئی تاریخ اس وفاشعاری اور اطاعت پسندی کی مثال نہین پیش کر سکتی۔ یورپ و امریکہ بیشک دولت و صنعت کے سرچشمے ہین لیکن مادر ہند کی وفاشعار لڑکیان شوہر پرستی اور اطاعت گزاری مین ضرب المثل ہین، اسی سرزمین مین بڑی بڑی باوقار مستورات نے اپنے شوہر کی وفات پر عین عالم شباب مین اپنی شمع حیات کو بالقصد گل کر دیا ہے، اور انتہائی دلیری و شجاعت کی داد دیکر دنیا کو

بتا دیا ہے کہ ہند کی دیویان وفاداری مین اپنا جواب نہین رکھتین۔

میرا بائی کو دریا مین کودتے ہی ایک حسین، درخشان سفید پوش فرشتہ نظر پڑا جس نے اُسکو تعظیماً گود مین اُٹھا لیا اور محبت سے کہا۔

میرا! تو نے اپنے آقا کا کہنا مانا، اور اپنے آپ کو ہلاکت مین ڈالا، لیکن ابھی تجھکو ایک اہم فرض انجام دینا ہے اُٹھ کھڑی ہو، جا، اور دنیا کو عشق حقیقی کا سبق دے۔

میرا نے آنکھ کھولی تو دن تھا، وہ ساحل دریا پر پڑی تھی، آفتاب کی تیز کرنین اُس پر پڑ رہی تھین، وہ اٹھی اور آہستہ آہستہ چل کھڑی ہوئی۔ سر راہ اسکو چند چرواہے ملے اُسنے پوچھا۔

"بھائیو! بندرابن کا راستہ کونسا ہے"

راستے مین اُسنے اپنے دلی جوش کو پردۂ موسیقی مین ظاہر کرنا شروع کیا اور اپنے شیرین نغمون سے راہ مین آنیوالے دیہاتیون کو محبت و عشق سے لبریز کرتی چلی۔ مردون نے اپنے کام چھوڑ دیے، عورتون نے اپنی دلچسپیون کو خیرباد کہا، بچون نے مان باپ سے رخصت طلب کی اور اُس نغمہ آفرین جوگن کے ہمراہ سرگرم سفر ہوے، حتی کہ عشق الٰہی کا یہ متوالا قافلہ بجے سوز و گداز کے ساتھ بندرابن مین پہونچ گیا۔

یہ مسرت آمیز خبر فوراً کل ملک مین پھیل گئی، چتور کی آبادی کا ایک حصہ بھی اس کی پرستش کے واسطے بندرابن پہونچا، اب وہ ایک طاقتور و با اختیار مہارانی کے بجاے ایک جوگن تھی جسکی پوشاک بوسیدہ جسکی زلفین پریشان اور جسکے ہاتھ مین کشکول محبت تھا، لیکن اب وہ سلطنت عشق کی تنہا ملکہ تھی جو چتور کی ریاست سے وسیع تر ہے اور جسکے بغیر نجات دارین حاصل کرنا ناممکن ہے۔

زمانہ گزر گیا، میرا بائی کے عقیدت کیش و سچے پرستار جوق جوق ملک کے ہر گوشہ سے بندرابن پہونچتے، اور جام محبت پی کر سرشار واپس ہوتے، وہ ملکۂ حسن جو کسی زمانہ مین بہ ہزار ناز و عشوہ گری چتور کے حریم ناز مین ایک گل نوشگفتہ کی طرح کھلی تھی آج سقف آسمانی کے نیچے درختون کے سایہ مین بندرابن کی سخت چٹانون پر سادہ بال

مین دست مشاطہ سے مستغنی، کنیزون اور سہیلیون سے جدا سری کرشن جی کے سایۂ عاطفت مین بسبیل عشق سے طالبان خدا کو شراب معرفت پلا رہی ہے۔ وہ میرا بائی جو جسونت سنگھ کی آغوش محبت مین اپنی راتین گذارتی تھی ،، اور جو کل ریاست چتور کی پُر ناز محبوبہ تھی آج سنسان جنگل مین ایک پجاری کے لباس مین مصروف نماز عشق ہے ، اہل دنیا کے قلوب پر اسکی حکومت کا نقش جما ہوا ہے ہمالیہ پربت سے لیکر بندھیاچل تک اِدھر گنگا جی سے لیکر سندھ تک لوگون کے دلون مین اُسکے پوتر بھجنون کا سکہ بیٹھا ہوا ہی۔

مندر کی سیڑھیون پر یہ خاتون خاموش بیٹھی ہوئی کچھ بچار کر رہی ہے۔ میواڑ کا مغرور اور زبردست مہاراجہ تبدیل لباس کیے ہوے اُسکے روبرو آتا ہے اور فرط محبت سے اُسکے قدمون پر گرکر زار زار رونے لگتا ہے، مہارانا نے بھرائی ہوئی آواز مین کہا۔

"مین بھکاری ہون، مجھے بھیک دے،،

میرا نے جواب دیا کہ مین خود جوگن ہون، تو کسی امیر کے پاس جا،،

مہارانا بولا۔ "مجھے تو تو ہی بھیک دے سکتی ہے،،

"مین کیا دے سکتی ہون،،

"عفو، معافی، رحم،،

"ہاے رانا،، یہ کہکر وہ اُسکے آغوش محبت مین گر پڑی اور بیہوش ہوگئی۔

(ماخوذ از انگریزی) تماشائی بریلوی

مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی حضرت اکبر الہ آبادی کے سوانح عمری مرتب کرنے کا اعلان فرما چکے ہین۔ اور پانی پت مین بھی کوئی صاحب اسی قسم کی سعی فرما رہے ہین۔

منشی کنھیّا لال سکسینہ ریش

ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

بس دیکھ لی تری یہ فسونِ گیٔ حیات
لائی تھی کس فریب سے دنیا میں کھینچکر (ریش)

انسان کو ضعیف البنیان کہتے ہیں۔ زندگی کو حباب سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اِس دارِ فانی کے قیام کو حیاتِ عارضی زیستِ چند روزہ ہستی موہوم کے نام سے پکارتے ہیں، عمر کی بے ثباتی اور بے اعتباری زبان زد عام ہے لیکن خدا وہ برا وقت دشمن کو بھی نہ دکھلائے جب موت ان مختصر جملوں کی مہیب اور حسرتناک واقعیت کی مجسم تصویر پردۂ جوانمرگی میں انسان کو جبراً دکھاتی ہے۔ قسامِ ازل نے ۱۷۔ اگست سنہ ۱۹۲۱ء کا دن ہم لوگوں کے لیے بھی ایسا ہی بنا دیا تھا۔ اس روز قضا و قدر کی دراز دستی نے والدین سے جوان العمر۔ لائق و فائق لختِ جگر کو، مجھ سے میرے چھوٹے عزیز بھائی کو، اور خاندان سے ایک ایسے ممبر کو جسکی ذات پر سب کو ناز و فخر تھا، ہمیشہ کے لیے چھین لیا۔ ۹ جون کو مرحوم ریاست اودھار سے جہاں وہ سشن جج تھے بیس روز کی رخصت لیکر اس خیال سے بھوپال آئے تھے کہ بوجہ کثرتِ کار کچھ روز سے طبیعت مضمحل رہتی ہے اور مکان پر چندے سکون اور آرام کے ساتھ قیام کرنے سے اسکی اصلاح ہو جائیگی لیکن مشیتِ ایزدی یہ تھی کہ اس مرتبہ یہاں آکر پھر ان کو واپس جانا نصیب ہوا۔ اور گھر والوں کو بھی انکی مفارقت دائمی کا صدمۂ جانکاہ برداشت کرنا پڑا۔ ۱۰ جون سے مرحوم کو بخار آنے لگا جو آخر وقت تک روزمرہ آتا رہا۔ اسی اثنا میں مرض بواسیر نے بھی زور پکڑا جسکی شکایت مرحوم کو سال ڈیڑھ سال سے ہو گئی تھی۔ انھیں عوارض میں مرحوم نے ۱۷۔ اگست کو صبح آٹھ بجے اس دنیاءِ فانی کو خیرباد کہا۔ مرحوم کا ایک شعر اس اندوہناک اور پُرحسرت واقعہ کا کیسا سچا مرقع ہے۔

آئے تھے ترے کوچہ مین بچنے کو مرگ سے
یان آکے جو دیکھا تو اجل ڈھونڈھ رہی ہے

اُستادِ ازل نے مرحوم کی زبان سے یہ شعر نہین کہلایا بلکہ ایک پیش آئندہ واقعہ کو بارہ پندرہ سال پیشتر ہی قلمبند کرادیا۔

عزیز مرحوم دسمبر ۱۸۸۸ء مین پیدا ہوے تھے ابتدائی تعلیم دو ڈھائی سال تک والد صاحب مدظلہ نے خود دی۔ اسکے بعد وہ مدرسہ مین داخل ہوے اور برابر کامیاب ہوتے رہے۔ ۲۲ سال کی عمر مین ایم۔اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کرکے فارغ التحصیل ہوگئے۔ خاندان مین یہ پہلے شخص تھے جنکو یہ فضیلت علمی حاصل ہوئی۔ تیزی طبع اور ذہانت عالم طفولیت ہی سے نمایان تھی۔ بڑے ہوکر خیالات کی بلندی اور نگاہ کی وسعت نے قوت فہم و ادراک کو اور بھی تیز کردیا تھا اسکے ساتھ تندرستی۔ روشن دماغی۔ تحمل۔ مستقل مزاجی یکسوئی بھی مرحوم کے پاک سرشت مین داخل تھی اور مبداء فیاض سے یہ صفات خاص طور پر اُنکو عطا ہوئی تھین جنسے نہ صرف حصول تعلیم مین وہ ہمیشہ فائز المرام رہے بلکہ جس مشغلہ اور کام مین اُنھون نے ہاتھ ڈالا بہت جلد اُسمین بلا کسی کی امداد کے کافی دسترس اور خاص قابلیت پیدا کرلی۔ شاعری کا مادہ فطرت ہی کا عطیہ تھا فوٹوگرافی بلا کسی کی امداد کے خود ہی سیکھ لی اور ڈرائنگ اور خوشخطی مین کافی مہارت حاصل کرلی تھی غرض مرحوم علوم متداولہ کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔

مرحوم کی حیات چندروزہ مین ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۹ء تک کا زمانہ خاص طور پر قابل ذکر ہے زیادہ تر یہی وقت اُنکے دل و دماغ کی نشو و نما اور ترقی کا تھا۔ ایک طرف طالبعلمی کے مراحل بکامیابی طے ہو رہے تھے دوسری طرف دیگر مشاغل علمی بھی ترقی پا رہے تھے اُردو و فارسی شعرا کا کلام اُنھون نے اسی زمانہ مین دیکھا۔ انگریزی علم ادب کی صدہا کتابین پڑھ ڈالین شکسپیر اور ملٹن کی تصانیف کا مطالعہ انٹرنس اور ایف اے کی تعلیم کے ساتھ فرصت کیوقت روزانہ کرتے رہے۔ ان تصانیف کو اس توجہ سے اُنھون نے پڑھا ہے کہ اکثر جگہ توارد خیالات دکھلانے کی غرض سے اُردو فارسی شعرا کے اشعار لکھ دیے گئے ہین۔ اسی انہماک

دماغی میں شعر گوئی کا شوق بھی داخل تھا یوں تو مرحوم کی فکر رسا بچپن ہی سے فن شعر کی دلدادہ تھی لیکن اس پانچ چھ سال کے عرصہ میں شاعرانہ رنگ انکی طبیعت پر خوب غالب آگیا اور انگریزی فارسی اردو تینوں زبانوں میں اپنے خیالات نظم کرنے لگے ۱۹۰۸ء کے بعد ۱۹۱۲ء تک شاعری کا وہ زور شور نہ رہا اس زمانہ کا کلام بھی ہے گر بہت کم "کملایا ہوا پھول" نامی نظم جو رسالہ ادیب کی جلد ۱ میں نکل چکی ہے ۱۹۱۰ء میں مرتب ہوئی تھی - مولانا شوق قدوائی کی مشہور نظم "عالم خیال کے چار رخ" آن دونوں مختلف رسالہ جات میں شایع ہوکر مرحوم کی اور میری نظر سے گذری تھی - مجھے یہ انداز بیان اور وزن خاص طور پر پسند آیا تھا چنانچہ میں نے مرحوم سے اس طرز پر لکھنے کو کہا اور انھوں نے نظم مذکورہ لکھکر بمسرت میری فرمایش پوری کی - بی - اے - میں فلسفہ لینے کی وجہ سے فلسفیانہ مضامین کے مطالعہ اور آپنر بحث ومباحثہ میں وہ خاص دلچسپی کا اظہار کرنے لگے تھے - جن دنوں والد بزرگوار ریاست جبا وزہ میں اکونٹنٹ جنرل تھے آخر اصحاب مذاق علمی رکھنے والے غریب خانہ پر مہمان ہوتے تھے اسوقت پنڈت صاحبان سے روح اور آتما پر فلسفیانہ بحثیں اور فن سخن کے دلدادگان سے شاعرانہ چہچے رہتے تھے اور ان مباحثوں میں مرحوم کا خاص حصہ ہوتا تھا ۱۹۱۳ء سے اسطرف مشاغل علمی کا جوش بہت ٹھنڈا پڑ گیا تھا - تفکرات دنیوی - ملازمت کی ذمہ داری - اولے فرض کا احساس اور نقص صحت ان باتوں نے طبیعت سے وہ ذوق وشوق شگفتگی اور خوش فکری چھین لی تھی جو شاعری اور مذاق علمی قایم رکھنے کے لیے ضروری ہے - لیکن انگریزی علم ادب اور فارسی کی کتب جنکا انکو ابتدا سے شوق تھا اب بھی کبھی کبھی بوقت فرصت زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں -

اردو فارسی میں مرحوم نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے - انگریزی میں بھی اُنھوں نے نظمیں لکھی ہیں اگرچہ مرحوم نے کسی اُستاد سے باقاعدہ اصلاح نہ لی اور ممکن ہو کہ کلام میں لغزشیں بھی موجود ہوں لیکن وہ اپنی جولانی طبع اور ذہن رسا کے باعث کسی زمین میں کسی وزن پر شعر کہنے میں کبھی رُکتے نہ تھے - زمانہ تعلیم اور ملازمت میں جب کبھی وہ گھر آتے رات کو کھانا کھانیکے بعد شعر وسخن کا چرچا رہتا - بعض اوقات اُنکی طبیعت اسقدر

موزون ہوتی تھی کو شعر پر شعر کہتے جاتے تھے۔ کبھی کبھی ہندی کے بھجن۔ سورٹھا اور کنڈلیا کہتے تھے جنمیں اکثر فلسفیانہ نکات کی چاشنی ہوا کرتی تھی۔ افسوس یہ کلام کبھی لکھا نہیں گیا اسوقت یہ تمام باتیں صرف وقت کی خوش گذرانی کا ذریعہ تھیں۔

مرحوم نے ابتداءً اپنا تخلص طالب رکھا پھر حزین لکھنے لگے۔ بالآخر ریش تخلص اختیار کیا اور اپنے آپ کو اکثر "ریش درویش" لکھا کرتے تھے۔

مرحوم کا جسقدر کلام اردو فارسی کا موجود ہے وہ زیادہ تر غزلیات پر مشتمل ہے لیکن اسمیں متعدد نظمیں از قسم قصیدہ۔ مثنوی۔ رباعیات۔ قطعات وغیرہ بھی ہیں۔ اردو میں میر اور غالب کا کلام خاص طور پر انھیں پسند تھا۔ فارسی میں امیر خسروؔ کے زیادہ دلدادہ تھے چنانچہ مرحوم کی شاعری میں انھیں اصحاب کا رنگ غالب ہے۔ زندگی کی بے اعتباری پر بھی متعدد اشعار موجود ہیں جس سے قیاس ہوتا ہے کہ آپکی طبیعت اس ناوقت انجام کا اثر مدت سے قبول کیے ہوئے تھی۔ شکسپیر کی نظم "وینس اینڈ اڈونس" کو مرحوم نے مثنوی کا جامہ پہنانا چاہا تھا۔ مگر یہ کام ناتمام رہا دیگر انگریزی نظموں کے ترجمے کا بھی یہی حال ہے۔ ان باتوں سے اس امر کا تو اندازہ ہوتا ہے کہ مرحوم کو شاعری کی نگاہ اور طبیعت فطرت ہی سے ملی تھی اور شاعرانہ تخیلات وجذبات کے لیے آنکا دل ودماغ کسی بیرونی تحریک یا کشش کا محتاج نہ تھا لیکن بڑا قلق یہ ہے کہ موت نے آپکی عمر کا قبل از وقت خاتمہ کر دیا اور انکو اسقدر مہلت نہ دی کہ اس عطیۂ قدرت سے کوئی قابل قدر ادبی خدمت ملک وزبان کی بجالاتے جسکی انسے پوری توقع تھی۔ مرحوم کا قصد اردو میں "اصول قانون" پر ایک کتاب لکھنے کا تھا وہ بھی پورا نہو سکا۔ جین آسٹن کے مشہور ناول "پرائڈ اینڈ پریجوڈس" کا اردو ترجمہ شروع کیا گیا تھا مگر وہ بھی نامکمل رہا۔ افسوس با مرگ بے ہنگام نے آپکی بہت سی نیک کوششیں اور خواہشیں پوری نہ ہونے دیں۔

فارغ التحصیل ہو کر مرحوم نے کچھ دنوں وکالت کی لیکن طبیعت اس پیشہ کی ابتدائی زحمتیں اور چھوٹے پیسے جدوجہد کی تاب نہ لا سکی لہذا ترک وکالت کرکے وہ ملازمت میں داخل ہوئے۔ قریباً پانچ سال تک ریاست عالیہ بہاولپور میں جج رہے اور اسکے بعد نومبر ۱۹۲۳ء

سے ریاست دھار مین سشن جج ہوگئے اور آخر وقت تک اسی عہدہ پر مامور رہے یہ عہدہ اور کام اُنھیں طبعاً بہت پسند تھا۔ بڑی دلچسپی اور توجہ کے ساتھ اسکو انجام دیتے تھے اور عدل و انصاف کے ساتھ مقدمات کا فیصلہ کرنیکے بعد آنکی طبیعت بڑی بشاش ہوتی تھی۔ فریقین کی جانب سے مقدمہ مین بحث و تردید کو نہایت صبر کے ساتھ سنتے اور لکھتے رہتے جو جتنا کہنا چاہتا اُسکو اتنا موقعہ دیتے اور ضروری امور کا انکشاف اگر فریقین بھول جاتے تو خود کراتے تاکہ انصاف کرنے مین کوئی دقیقہ باقی نہ رہ جائے۔ دفتر کا تمام وقت اسی کام کے نذر ہوجاتا تھا اسوجہ سے فیصلے وہ بالعموم مکان پر پورے اطمینان کے ساتھ لکھتے تھے۔ اداے فرض اور انصاف کا خیال اُنپر اتنا حاوی تھا کہ وہ اپنی تندرستی کی بھی پروا نہ کرتے تھے اور جسمانی تکلیف بھی اس کام مین مصروف ہو جانے سے باز نہ رکھ سکتی تھی اکثر دیکھا گیا کہ ۱۰۰ یا ۱۰۱ درجہ کا بخار ہے اور وہ فرش پر دوزانو بیٹھے ہوے فیصلہ لکھ رہے ہین۔ سرکار دھار ازراہ کرم اکثر کلب مین آنے اور کھیلنے کی تاکید فرماتے لیکن مرحوم کی جانب سے ہمیشہ کثرت کار کا عذر پیش ہوتا۔ اُنکا خیال اور عمل یہ تھا کہ کام اس قابلیت اور ایمانداری کے ساتھ انجام دینا چاہیے کہ حق کی دادرسی بطرز احسن ہو جاے۔ دھار مین بھی یہی طریق کار رہا گو اس طرز عمل کے اعتدال سے تجاوز کر جانے کا اثر خود اُنپر یہ پڑا کہ انکی تندرستی خراب ہوگئی لیکن جس خیال سے یہ نوبت پہونچی تھی اُسمین اُنکو کامیابی ہوئی دونون جگہ حکام بالاتر اُنسے خوش اور مطمئن رہے اور رعایا مین توقع سے زیادہ ہردلعزیز ہوے۔ اور ایسی ہی خدمت بجالانا اُنکی تمنا رہی تھی۔ علی راجپور سے اُنکے قطع تعلق کر لینے کا وہان کے لوگون کو بڑا افسوس ہوا۔ اُنکی اُنس و محبت کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوتا ہے کہ علی راجپور کا جب کوئی شخص دھار جاتا تو اُنسے ضرور ملتا۔ ریاستون مین رشوت کا بازار اکثر گرم رہتا ہے لیکن بعض افسر اس قاعدۂ کلیہ سے مستثنٰی ہین۔ مرحوم کی احتیاط اس معاملہ مین انتہائی درجہ پر پہونچی ہوئی تھی۔ رشوت کا کیا ذکر کسی کی ڈالی یا تحفہ بھی کبھی قبول نہ کرتے تھے۔ مرحوم کا یہ بے لوث چلن اور منصفانہ روش اور اسکے ساتھ اداے فرائض کی پوری اہمیت ہی اُنکی کامیابی کا راز تھی

اور انھین باتون نے انکو اپنے آقا اور خلق خدا کے سامنے ہمیشہ سرخرو رکھا اور کبھی کسی کو انکے طرز عمل پر حرف گیری یا انگشت نمائی کا موقع نہ ملا۔

اگرچہ مرحوم زمانہ حال کے تعلیمیافتہ نوجوانون مین سے تھے لیکن انکا طرز معاش بالکل ہندوستانی طریق کا اور سادہ تھا۔ شارٹ اور کوٹ اور پتلون انھون نے کبھی نہین پہنا۔ پان اور سگرٹ کا اگرچہ بکثرت استعمال کرتے تھے لیکن اوقات دفتر مین اُسنے قطعی پرہیز رہتا۔ راستبازی اور ظاہر و باطن کا ایک ہونا انکی طبیعت کا خاصہ تھا اور اسوجہسے وہ صاف گو بھی تھے جس بات کو وہ خود حق سمجھتے خواہ کسی کو کتنا ہی بُرا معلوم ہوتا اُسے بے باک ہوکر کہدیتے۔ توکل اور استغنا بھی مزاج مین بیحد تھا۔ ملازمت کے ملنے اور ملنے پر اُسکے قائم رکھنے اور آیندہ ترقی کے لیے ریاستون مین بالخصوص جو جدوجہد کرنا پڑتی ہے اُسمین انھون نے کبھی حصہ نہین لیا اور نہ کسی کی خوشامد اور چاپلوسی کی۔ بزرگون اور احباب کی ملاقات مین ادب و اخلاق کا ہمیشہ پاس رکھتے تھے۔ ذاتی شہرت اور ناموری سے وہ بہت دور بھاگتے تھے یہی سبب ہے کہ انھون نے کبھی اپنا کلام یا کوئی مضمون کسی رسالہ کو چھپنے کی غرض سے نہین بھیجا۔ ادیب کو جو انڈین پریس الہ آباد سے نکلتا تھا ایک نظم کمال حسن ” اور دوسری کُملایا ہوا پھول ” میرے سخت اصرار پر ارسال کی تھین۔

مرحوم سناتن دھرم اور وید انتی خیالات کے تھے اور اپنی آزاد خیالی بلند نظری اور خوش اعتقادی کے باعث ہر قوم اور ملت کے رہنمایان دین کی توقیر و عزت کرتے تھے زمانہ عدالت مین اگرچہ بخار کے تسلسل اور بواسیر نے جسم کو لاغر و نحیف کر دیا تھا لیکن اپنے آچار و چار کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ صبر و برداشت کی یہ حالت تھی کہ نشست و برخاست مین مُنھ سے اُف نہ نکالتے تھے نہ کسی کی امداد کے طالب ہوتے تھے۔ ایام بیماری مین یہ شعر اکثر اُنکے وردزبان رہتا تھا۔ ؎

گر ہمہ عالم بہم آید بجنگ   بہ نہ شود پاے یکے مور لنگ

اس سے عیاں ہے کہ قدرت کبریائی کا مرحوم کے دل پر آخری ایام مین کتنا اثر تھا اور وہ کس درجہ راضی بہ رضا تھے۔ مرنے سے چند گھنٹے پیشتر مرحوم نے دنیا کی بے ثباتی پر جو

اظہار خیال کیا وہ کبھی فراموش نہین ہو سکتا۔ مرحوم کو دم واپسین تک ہوش رہا انکے آخری الفاظ "اوم تت ست،، تھے اور اسکے بعد وہ پرم پوتر آتما جو قید جسمانی سے بیزار وطالب نجات ابدی تھی راہی ملک بقا ہوئی۔

کل تک مرحوم گھر کی روح رواں بنے ہوے تھے صدہا امیدین اُنکی ذات سے وابستہ تھین۔ خود اُنکے دل مین آیندہ ترقی کے بے شمار ولولے جوش زن تھے آج وہ اجل کا شکار ہوگئے اور پس ماندگان کو ہمیشہ کے لیے مبتلاے حزن وملال چھوڑ گئے۔ موت نے آن کی آن مین تمام آرزوون کا خون کر دیا۔ بقول مرحوم

ابھی اے مرگ تو نے کر دیا زیر زمین مجھکو
ابھی تھا دوستو نہین مین زیر آسمان بیٹھا

ذیل مین مرحوم کے کلام کا کچھ انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ قصد ہے کہ ذخیرہ موجودہ کو کتاب کی صورت مین شایع کرایا جائے کیونکہ بجز اس کلام کے مرحوم نے اپنی کوئی یادگار نہین چھوڑی۔

نام تو چھوڑ گئے اپنا ہما و عنقا
ہم وہ معدوم ہوے نام ونشان کچھ بھی نہین (ریش)

رُباعی

سہل اُسکا زبس وصال اے دل نکلا آسان۔ سمجھے تھے جسکو مشکل۔ نکلا
عالم مین تلاش کرتے پھرتے تھے عبث پہلو اپنا ہی اس کی منزل نکلا

ہم ہین سراپا شکل غم۔ صورت رنج سر بسر بزم عیش ونشاط مین کوئی رہین تو پاے کیون



ماسٹر سُکھ دیال سمسیفر ریس ایم اے ایل ایل بی

تھی عمر کہ تھا قدم صبا کا　　یا شعبدہ پیر پارسا کا

جب کچھ نہ تھا تو طالبِ رغبتِ وجود تھا　　انسان کو ازل سے خیالِ نمود تھا
مذہب کو جانتا تھا جہان مین پر اسقدر　　اِک حلقۂ کمندِ رسوم و قیود تھا

یارون کو پاس خاطرِ آشفتہ ہے مگر　　کہتے ہین جنون کو خرد افزا مرے آگے

ہوتی ہے ترے چہرہ سے عید کی صبح آشکار　　ابرو کی ہے ترے کشش جلوۂ ماہ نو نہین

نے چارہ نے علاج کا منت کشیدہ ہون　　صد گونہ اپنے درد سے مین آرمیدہ ہون
کسطرح رکھون جادۂ مقصود پر قدم　　صد خار غم بپائے تمنا خلیدہ ہون

جوانی واے غم سنتے تھے عہدِ انبساطِ دل　　یہ گزرا ابھی اور ہم کہتے تھے اب آیا اور اب آیا

صبا یہ پھرتی ہے آوارہ اک زمانہ سے　　مگر نہ نقش قدم کا ترے نشان ملا

واعظا جام مئے عشق سمجھنا نہ حرام　　یہ وہ آئینہ ہے دیکھو تو حقیقت کھلجائے

بہارِ عمر کا کیا جانین کیا فسانہ ہے　　بشاخ بیخبری اپنا آشیانہ ہے

رخصت اے خضر کہ گم گشتگی رہ منزلِ عشق　　رہنمائی کے لیے مل گیا عنقا ہمکو

میانِ راہ مستی مین بسانِ کاروان بیٹھا   لگی تھی فکر منزل کی اٹھا وان سے یہان بیٹھا
پسندِ خاطرِ آزادہ رو۔ کیا رسم پابندی   ٹھکانا خاص کیا میرا یہان بیٹھا وہان بیٹھا
شبک سر ہو کے مت چلنا کہین اے رہروِ دوران   کہ اس وادی مین بھی دیوانہ ہو اک سرگران بیٹھا
خبر اتنی نہین۔ آہو نہین۔ صحرا نہین یان پر   یہ باتین کر رہا ہو رنیش تو کس سے کہان بیٹھا

اے چمن کس کا قلم مائل گلکاری ہے   بوٹہ بوٹہ کو جو حاصل یہ طرحداری ہی
نغمہ آرائیِ رامش گرد بر ہر سمت   گویا خود عیش و طرب بر سرِ تیاری ہی
آنکھ کھولون تو نظر خیرہ صد خواب خیال   آنکھ موندون تو عجب عالم بیداری ہی
اُف نمک ریزیِ ناصح، بدلِ رنیش کہ ہاے   مین تو سمجھا تھا کہ مرے درد کی غمخواری ہی

جانتا ہون کہ تو ہی جلوہ نما ہوتا ہے   شور تجھا نون مین جو صبح و مسا ہوتا ہے

وہ نقش وہ نگار ترے بتکدے مین ہین   صورتگران چین بھی حیرت کدے مین ہین
کوچۂ جانان مین جا کر کیا کہون کیا ہو گیا   مین تماشا کرنے آیا تھا تماشا ہو گیا

کوئی نہ باغ دہر مین یارب ہرا نہال   ہر برگ آکے یان کفِ افسوس مل گیا

ہر نقش وقت وقت مبدل بہ شکل کار   قسمت نوشتہ ہے کسی جادو طراز کا
عیش و نشاط دنیوی ہیہات کب تلک   کہتا ہے بزم مین یہ ہر اک نغمہ ساز کا

بر لبِ رخسار مصحف گیسوے مشکین یار   جسطرح ہو پیچھے پیچھے مہر کے ابرِ سیاہ

کہے ہی یاس کہ اک دم کی تجھ مین تاب نہین
امید کہتی ہے حالت تری خراب نہین

خاک ہم ہوگئے مرکر بُت ہندو پر ریش
آسکے ہان ریت تھی مردہ کے جلا دینے کی

کہتے تھے کل عروس چمن سے چمن کے پھول
اک دو گھڑی کے ہم ہین نہ ہمکو ہین کے پھول
صیاد و آہ و زاری بلبل پہ رحم کھا
یاد آتے ہین غریب کو اپنے وطن کے پھول

اے برق غم دہر ذرا پاس کیا کر
میرا مکان منزلِ آفات بھی نہین

لگائی ناطقہ مین آگ اس آتش زبانی نے
بجز قلقل زبانِ شیشہ کو ہے بولنا مشکل
دلِ لاغر کو گیسو مین بُت پرکار نے باندھا
گرہ ہی مو پے پیچان کی نہ کیون ہو کھولنا مشکل

مین وہ دلسوختۂ شمع رخِ یار ہون ریش
مجھکو پروانہ جو دیکھے گا تو جل جائیگا

کیون ریش ہے محوِ نالہ دن رات
ہان دیکھون زبان تو سنے نہین ہے

یہ مانا جنبش مژگانِ جانانِ جانستان کیون ہو
اجل بے خانمان پھر ہمرہِ تیغ و سنان کیون ہو

جگر بھی ساتھ گریبان کے چاک کر دینا
تمھین قسم ہے مرا قصہ پاک کر دینا

جی گیا اے ریش مین لیکر جراحت کے مزے
تیغ سمجھی ہوگی اب کیا اس تنِ بسمل مین ہے

جہان پڑے تھے ہم اے ریش رات مست و خراب
اسی کو حضرت ساقی کا آستان کہیے

توبہ مین اے شیخ - مجھکو یون تو پیش و پس نہین　　جام سے گر وہ پلائے گا تو میرا بس نہین

صورت کوئی ملنے کی نکل آئے تو اچھا　　تم پردہ مین ہو پردہ جو اٹھ جائے تو اچھا

اُسکی شوخی ہوئی عاشق کے لیے کام روا　　چُلبلے ہاتھ تھے پردہ کو اٹھا کر مانے

سکتے تھے اپنی اپنی سبھی داستانِ عشق　　مین بول اُٹھا کہ قتل سہی داستانِ عشق

پردہ سے نکل اب تو کہ اہلِ نظر تمام　　آنکھون کے سامنے سے پسِ پردہ ہو گئے

کلام فارسی

سپیدہ دم مرا - بانگِ خروشِ نالہ چون برشد　　بہ حیرت پیر گردون ماند آیا صبحِ محشر شد

تو حسنِ می فروشی من دل ہمی فروشم　　آ جنس خویشتن را باہم بدل نمائم

بردہ از یادِ خود آن مہ - منِ دلسوختہ را　　ہمچو طفلی کہ فراموش کند آموختہ را

ببُرد از بر من ہمدم و ہم دم برُد　　ببین کہ دزد تمنا چون متاعِ عمرم برُد

بہ شیشۂ زنخش خالِ دلفریب نمود　　عجب کہ تخم برون از درون سیب نمود

بہارِ اشتیاقِ دل مرا گلشن جگر سازد　　شمیم زلف گلرویان بعزمم چون گذر سازد
خوشا صحرا کہ در دیوانگی نورست ہم ظلمت　　فروغ وحشتِ ما شام فرقت را سحر سازد
پری روئے بمن گفتا - ندیدی عیش دیوانہ　　کہ آہ و نالۂ بے دست و پا را نامہ بر سازد

صبا بدولم رونقِ صحرائے جہان شد | نخجیر بہ یک تار نظر بست و روان شد

صبح بے بادہ مرا جامِ نمو دست سکسے | گوئی کز چشمِ فلک نور ربودست کسے

مہ من ز چہرہ نقاب کش کہ فروغ بخشِ جہان توئی
نظرے براین صفِ بے دلان بنگر اکہ قبلۂ جان توئی

نویسم ار کہ بہ سینہ جراحتے دارم | غلط بخواند و داند کہ راحتے دارم

توئی کہ از ذاتِ تست اے مہ۔ دریں جہان نورِ حق ہویدا
بہ ہر زمینے کہ جلوہ سازی شود از و شانِ طور پیدا

ہلال عید ز ابروئے تو خجل دارد | ز رشک چہرۂ تو لالہ خون بدل دارد

کرشمہ می کنی و سر زتن جدا گردد | عجب کہ لطف بفرمائی و جفا گردد

شہرۂ حسنِ تو فتاد اندریں عالم فنا | ہر قدمے کہ مے نہی حشر ہمی شود بپا

پیش رخسار تو لالہ عرق می ریزد | پا بہ گل سرو شود چون قدمت می خیزد
بس لطیف است دماغت ز رہِ خوشبوی | بار ہا باد صبا روئے گلان را بیزد
این چہ می بود کہ ہم خضر و مسیحا دیشب | دربغل کردہ سبو۔ دست بہ ساغر می زد

نگر مرگ از حیاتِ من بخاطر کینہ میدارد | مسیحا ہم بمن پیشِ نفس آئینہ میدارد

شد بسرم ہوائے تو عمر بسر نمی رسد — تیر بہ سینہ می خلد تا بہ جگر نمی رسد

ہر کس از درد عشق رنجور است — بین کہ پُر آب چشم انگور است

گر میسر نشود وصل تو امشب بخدا — بر سرِ ہر دو جہان صبح دمیدن ندہم

زندہ بر سوزن تدبیر ناصح چاک من خندہ — بصحرائے دگر میگردم خارِ دگر دارم

حرمان نصیب بھائی
جیدیال

جذبات بسمل

جان کا دشمن، یہ اندازِ تغافل کوش ہے — اب ترا بیمار ہے اور موت کا آغوش ہے
ہے نگاہِ مستِ ساقی آج پیمانہ بدست — رخصت اے تقویٰ کہ اب قتلِ دماغ ہوش ہے
رفتہ رفتہ اسقدر میں خوگرِ غم ہو گیا — اب مجھے ذکرِ مسرت بھی وبالِ گوش ہے
اب کہاں وہ نشۂ شب کی نشاط آرائیاں — یہ جو اک حسرت سی باقی ہے خمارِ دوش ہے

یہ ہجوم نامرادی یہ وفورِ بیکسی
تربتِ بسمل ہے یا اک محشرِ خاموش ہے

مولوی فضل اللہ بسمل

خزانہ غیب

چاندنی رات تھی۔ بادل کے ٹکڑے فضائے آسمانی مین مثل آزاد طیور کے ادھر اُدھر اُڑتے پھرتے تھے اور ماہتاب فتحیاب سپہ سالار کی طرح آسمان پر جلوہ افروز تھا۔ رام داس کالی دیوی کے سامنے دوزانو بیٹھا اُنکے قدمون پر عقیدت کے پھول چڑھا رہا تھا۔ اِدھر اُسنے عبادت ختم کی اُدھر پو پھٹی اور دنیا کے ظلمتکدہ پر آفتاب عالمتاب ضیاپاشی کرنے لگا۔

یہ دیکھکر کہ مندر کا دروازہ ابھی بند ہے۔ وہ ایک مرتبہ دیوی کے سامنے جُھکا اور اُس کے قدمون کے پاس سے ایک پتھر ہٹا کر لکڑی کا ایک صندوقچہ نکالا۔ اس بکس کو اُسنے اپنی کُنجی سے جو جنیو مین لٹک رہی تھی، کھولا لیکن اندر نظر کرتے ہی اُسکا مُنھ فق ہوگیا۔ اُسنے صندوقچہ کا ایک ایک گوشہ دیکھ ڈالا لیکن بے سود۔ اُسنے دیوی کے قدمون کے نیچے تجسس آمیز نگاہین ڈالین لیکن بیفائدہ۔

رام داس کا یہ چھوٹا مندر اُسکے خانہ باغ کے اندر بنا ہوا تھا۔ باغ کے چارون طرف قدآدم دیوارین تھین۔ مندر مین صرف ایک دروازہ تھا۔ رام داس نے مندر کا دروازہ کھول دیا۔ اور پاگلون کی طرح اِدھر اُدھر پھرنے لگا کہ شاید کوئی سُراغ ملجائے۔ لیکن تمام کوششین بیکار ہوئین۔ آخر وہ حالت یاس مین سیڑھیون پر بیٹھ گیا اور سر کو ہاتھون پہ رکھکر کسی گہری فکر مین ڈوب گیا، ساری رات آنکھون مین کٹی تھی اسلیے اب اُسے غنودگی سی معلوم ہونے لگی عین اسی حالت مین کسی نے اُسکا نام لیکر پکارا۔ رام داس نے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ سامنے صحن مین ایک سنیاسی کھڑا ہے۔ اُسکے لمبے لمبے بال کمر تک لٹک رہے تھے اور چہرہ سے جلال ٹپکتا تھا۔ رام داس نے ادب سے پرنام کیا سنیاسی آگے بڑھا اور رام داس کے سر پر ہاتھ رکھکر بولا کہ بیٹا تو فضول رنج وغم نہ کر،،

رام داس چونک اُٹھا اور کہنے لگا کہ مہاراج کیا آپ دوسرون کے دل کی باتین بھی جان لیتے ہین۔ آخر آپ کو میرے رنج وغم کا حال کیسے معلوم ہوا؟

سنیاسی بولا کہ بیٹا! جو چیز تمھارے ہاتھ سے نکل گئی وہ ایک فضول چیز تھی۔

رام داس نے بیقرار ہوکر سنیاسی کے پاؤن پکڑ لیے اور کہا آپ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہین مجھے بتلایئے کہ وہ پرچہ کس طرح ضائع ہو گیا اور اب مجھے وہ پھر کیسے مل سکتا ہے۔

سنیاسی "مین تمکو مصائب و آلام مین مبتلا کرنا نہین چاہتا اسلیے اُسکے متعلق کچھ نہ بتاؤنگا"

ان باتون سے رام داس کی تسلی نہ ہوئی۔ وہ سنیاسی کو خوش کرنے کی نیت سے تمام دن اُسکی خدمت کرتا رہا لیکن دوسرے دن سنیاسی کا کہین پتہ نہ تھا۔

رام داس کے بچپن مین ایک دن اُسکا دادا ہری ہر مندر کی سیڑھیون پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا کہ ایک سادھو اُسکے پاس آیا۔ ہری ہر سادھوون کا بہت معتقد تھا۔ اُسنے کئی دن اُسکی مہمانداری کی اور جب وہ رخصت ہونے لگا تو ہری ہر کو ایک کاغذ کا ٹکڑا دے گیا کہ اسکو احتیاط سے رکھے رہو تمھارے خاندان کے کسی نہ کسی شخص کو اس سے بہت بڑی دولت حاصل ہوگی۔

ہری ہر نے اُس کاغذ کو احتیاط سے رکھ چھوڑا اور مرتے وقت اُسے اپنے بیٹے کو دے گیا رام داس کے باپ نے اُس پرچہ کی عبارت پڑھنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوا مجبوراً اُسنے اس پرچہ کو ایک صندوقچہ مین رکھکر دیوی جی کے قدمون کے نیچے (بنظر حفاظت) دفن کر دیا۔

جب رام داس اور اُسکا بھائی دونون جوان ہوئے تو باپ نے ایک دن دونون کو بلا کر اس دفینہ کا سارا حال کہ سنایا۔

رام داس اپنے بھائی سے عمر مین بڑا تھا اور اسو جہ سے اُسنے خود ہی فائدہ اُٹھانے کے خیال سے اس پرچہ کو لیکر اپنے پاس رکھ لیا۔ چھوٹے بھائی شوشی کو بھائی کی یہ خود غرضی بہت ہی ناگوار ہوئی آخر ایک دن موقع پاکر اُسنے اس پرچے کو رام داس کی جیب سے نکال ہی لیا۔

کاغذ لیکر شوشی فوراً ایک طرف کو چلدیا۔ اور دن رات کوشش کرنے لگا کہ جسطرح ممکن ہو اسکی عبارت پڑھکر گم شدہ خزانہ کا پتہ لگائے مگر جو لکیرین کاغذ پر بنی ہوئی تھین انکا مطلب شوشی کی سمجھ سے باہر تھا۔

مہینوں کی دوڑدھوپ اور سرگردانی کے بعد سوشی ایک دن دریا کے کنارے بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ میری اُمیدوں کا بیڑا کیونکر پار ہوگا۔ وہ اسی خیال مین مستغرق تھا کہ سامنے ایک فقیر نظر پڑا جو دریا کے قریب ایک گھنے جنگل مین جا رہا تھا۔ غرض مند باؤلا ہوتا ہے۔ سوشی یہ سوچکر کہ شاید اس فقیر ہی کی مدد سے اُس خزانۂ غیب کا کچھ پتہ ملے۔ اُسکے پیچھے ہولیا۔

جنگل گھنا تھا اور راستہ تنگ۔ فقیر آگے آگے جا رہا تھا۔ اور سوشی اُسکے پیچھے تھا۔ فقیر نے ایک مرتبہ پیچھے مڑکربھی دیکھا مگر مُنھ سے کچھ نہ بولا۔ اور نہ سوشی نے سوال کرنیکی جراُت کی سوشی فقیر کی سیوا کے خیال سے جنگل ہی مین رہنے لگا۔ اور خزانہ کی امید مین صحرائی زندگی بسر کرنے لگا۔ فقیر کے ساتھ رہتے ہوے اسے چندہی دن گزرے ہونگے کہ یکایک اُسکے جذبات مین تغیر پیدا ہوگیا۔ پہلے تو صرف وہ دنیاے فانی کی دولت کا طلبگار تھا لیکن چندہی روز مین یہ خیال دل سے دور ہوگیا۔ طلسم زندگی کی حقیقت اسے معلوم ہوگئی اور اب وہ اس گورکھ دھندے سے نجات حاصل کرنے کا آرزومند ہوگیا۔

انقلابات زمانہ سے شاہ وگدا، امیر وغریب، ظالم ومظلوم کسی کو چھٹکارا نہین۔ اولیا، پیغمبر، بادشاہ سب تقدیر کے محکوم ہین۔ وہ فقیر جسکی صحبت نے سوشی کو زر پرست سے خدا پرست دُنیادار سے دین دار، اور شیطان سے انسان بنا دیا تھا، اس دارفانی کو چھوڑ چکا تھا۔ اور سوشی نے اس خیال سے کہ بقیہ عمر اُسی کُنج عافیت مین بسر کرے، وہین سکونت اختیار کرلی تھی ایک دن سوشی کوئی چیز تلاش کررہا تھا۔ وہ چیز تو اُسے ملی لیکن جھونپڑے کے ایک کنارے کی دیوار مین اُسکو ایک پرانی کھڑکی دکھائی دی جسکا دروازہ بہت ہی بوسیدہ تھا۔

شوق نے گدگدایا، سوشی کھڑکی کھول کر اندر داخل ہوا تو کھڑکی کے اندر ایک زینہ نظر آیا۔ زینہ کو طے کرکے سوشی ایک صحن مین پہونچا۔ صحن ختم ہونے پر اُسے ایک دروازہ ملا۔ دروازہ مین قدم رکھتے ہی سوشی کو قدرت خدا کا تماشا نظر آنے لگا۔ سونے کا ایک وسیع محل تھا جسکی در و دیوار سب سونے ہی کی بنی ہوئی تھی۔ فرش اور چھت مین اس صفائی سے ہیرے اور جواہرات جڑے ہوے تھے کہ سارا مکان جگمگا رہا تھا، اور اُسکا ذرہ ذرہ زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ اس سے بہتر انسانی صنعت کا نمونہ ملنا ممکن نہین

سوشی نے اس بے انتہا زد جواہر پر ایک حقارت آمیز نظر ڈالی اور واپس آکر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

جنگل کے جس حصہ میں سوشی رہتا تھا، وہ بہت گنجان تھا اور شاید اسی سبب سے وہاں کبھی کسی شخص کا گزر بھی نہ ہوتا تھا۔ لیکن خلاف معمول ایک دن سوشی نے ایک شخص کو اپنی جھونپڑی کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اس شخص نے آکر پانی مانگا۔ سوشی نے اُسے پانی پلایا اور غور سے دیکھکر کہا "کیا تمھارا نام رام داس ہے"

اجنبی:۔ "ہاں میرا نام رام داس ہے"

سوشی دوڑکر بھائی سے لپٹ گیا۔ دل صاف ہو گئے اور محبت برادرانہ ظاہر ہونے لگی سوشی نے خاندان کے حالات دریافت کیے۔ لیکن رام داس نے کہا کہ جب سے تم وہ کاغذ لیکر مکان سے چل دیے تھے، اسی دن سے میں تمھاری اور گمشدہ خزانے کی تلاش میں پھر رہا ہوں۔

سوشی نے اپنے بھائی کو حیرت سے دیکھا اور کہا "کیا اب بھی خزانہ کی تلاش باقی ہے؟"

رام داس:۔ "میں نے تو اپنی زندگی اُسی کیلیے وقف کردی ہے"

سوشی نے بھائی کا ہاتھ پکڑا اور جھونپڑی میں لیجا کر خزانہ کے دروازہ پر کھڑا کر دیا۔

جذبات انسانی، قوت ارادی کے تابع نہیں ہوتے۔ رام داس بے انتہا مال و زر کو دیکھکر پاگل سا ہو گیا۔ وہ کبھی اِس کمرے میں جاتا اور کبھی اُس کمرے میں۔

تھوڑی دیر میں جب اُسنے بخیال خویش، مکان کا ایک ایک گوشہ دیکھ لیا تو واپسی کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن باوجود تلاش باہر آنے کا دروازہ نہ ملا۔

آخر تھک کر وہ سونے کے ایک ستون پر جو فرش پر پڑا ہوا تھا لیٹ گیا۔ اُسنے دیکھا کہ پاؤں کے تلوے ہیرے کے ٹکڑوں پر چلنے سے لہولہان ہو رہے ہیں، اور اُسنے فوارہ جاری ہے

رام داس نے لیٹے لیٹے بھائی کو آواز دی اور مدد کا خواستگار ہوا۔

سوشی نے کہا کہ میں خود تمکو بڑی دیر سے ڈھونڈھ رہا ہوں۔ لیکن تم تک نہیں پہونچ سکا۔ میرے خیال میں تم صرف اس شرط پر اس جگہ سے باہر آسکتے ہو کہ خزانہ سے فائدہ اُٹھانے کا

خیال چھوڑ دو۔

رام داس جسکی دلی آرزو اب خدا خدا کر کے پوری ہوتی نظر آتی تھی اس شرط کو کیسے منظور کر سکتا تھا۔ اُسنے اپنے جسم کے کپڑے اُتار کر زخمی تلوؤں پر لپیٹے اور باہر کا راستہ ڈھونڈھنے مین مشغول ہو گیا۔ لیکن کامیابی نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔

شام ہوئی اور پھر دوسرا دن۔ لیکن رام داس کو راستہ نہ ملا۔ آخر رام داس کو نا امید ہو کر خزانے کے خیال سے دست بردار ہونا پڑا اور دل سے اس خیال ہی کو نکال دیا۔ اب اُسے فوراً ہی راستہ مل گیا اور تھوڑی دیر مین وہ اپنے بھائی کے پاس پہونچ گیا۔

سوشی نے رام داس کا اُترا ہوا چہرہ اور حسرت بھری آنکھین دیکھکر کہا "بھائی! تم کیون اسقدر زر و جواہر کے آرزومند ہو؟ انسان جب تک دھن دولت کے پیچھے پڑا رہتا ہے اُسوقت تک وہ بندۂ زر رہتا ہے۔ دنیا کی مثال اسی گنج زر کی سی ہے جس سے ابھی تم باہر نکلے ہو۔ جب تک تمھارے دل مین لالچ رہی تم خود مقید رہے۔ مگر جب تم نے اسے دل سے نکال دیا آزاد ہو گئے یہی حالت دُنیا اور تفکرات دُنیا کی ہے۔ جب تک انسان دُنیاوی خواہشون مین مبتلا رہتا ہے اُسوقت تک اُسکی روح آلایشات سے پاک نہین ہو سکتی۔ لیکن جب انسان طلسم حیات کے راز کو سمجھ لیتا ہے تو آزاد، خود مختار، اور اپنے افعال کا آپ مالک ہو جاتا ہے۔

(ماخوذ از ماڈرن ریویو)

عالی لکھنوی

انڈین ایجوکیشن نامی رسالہ مین مسٹر کے ایل اوگلے نے ایک مضمون مین ثابت کیا ہے کہ کالیداس کے زمانہ تک ہندوستان مین تعلیم نسوان کا عام رواج تھا چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ :-

کالیداس کے ناٹکون کی لڑکیان تعلیم یافتہ اور ڈرائنگ مین ماہر ہین شکنتلا کی دونون سکھیان رشی اور بالکا پڑھی لکھی ہین۔ کیونکہ وہ اعلی خاندان کی لڑکیان ہین، لیکن تعجب اس امر کا ہے کہ شکنتلا جو جنگل کے ایک غریب سادھو کے ہان پلی ہے۔ وہ بھی زیور علم سے آراستہ ہے۔ رگھوبنس مین سورج بنس کی آخری رانی نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد وزرا کے مشورے سے انتظام حکومت کیا تھا۔ گویا کالیداس کے زمانہ تک بھی ہندوستان مین عورتون کیلیے تعلیم کے

تنقید کتب

نفس اللغہ

اُردو کے اس نایاب لغت کے مؤلف رشک لکھنوی مرحوم ہیں جو ناسخ مرحوم کے شاگرد رشید تھے، اور اپنے اُستاد کی طرح زبان کی درستی اور اصلاح کا خیال رکھتے تھے انکا دیوان درستی محاورات، اور تحقیق الفاظ کا بیمثل آئینہ ہے لیکن بعض بعض جگہ جمہور کے خلاف آپ نے اجتہاد سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً آپ نے املا کو مونث لکھا ہے۔

خط کی انشا اور ہے لکھنے کی املا اور ہے نامۂ جانان ہے یا لکھا مری تقدیر کا

ایجاد کو مذکر لکھا ہے۔

جب سے صبح وگل و دیوانہ کا ایجاد ہوا
کوئی سمجھا نہ ہوا چاک گریبان ابتک

ممکن ہے کہ رشک مرحوم نے خود اس قسم کا اجتہاد نہ کیا ہو اور کاتب کی عنایت سے یہ شان پیدا ہوگئی ہو، لیکن دیباچہ میں نشتر صاحب نے اس قسم کی متعدد مثالیں لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رشک صاحب کے نزدیک انکا استعمال یون ہی درست ہے، بہرحال رشک کی شاعری اس اعتبار سے قابل رشک ہے کہ وہ زبان اُردو کے لیے مفید ہے، اور اسمین محاورات اُردو محفوظ ہین ورنہ دست برد زمانہ سے مٹ جانے کا احتمال تھا، مگر اسکے سوا رشک کی شاعری مین کچھ نہین، یعنی تخیل، بلندی مضامین، شان تغزل کا مشکل سے نشان ملتا ہے اکثر غزلین اور اشعار تو ایسے لکھے ہین کہ اُنکے سننے سے طبیعت کو تنفر پیدا ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایسے شخص نے تک بندی کی ہے، جسکو شاعری کی ہوا تک نہین لگی مثلاً

فرقت یار مین پائے نہین جاذل الماس گوشۂ لخت جگر

میرے کھانے سے کیون فلک ہی کباب پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہین
یہ زمین غزل وہ ہے اے رشک جسمین ذرہ کہین بھیرا ؤ نہین

اسمین شبہ نہین کہ رشک نے اہل زبان کے لیے تحقیق الفاظ وتصحیح محاورات کا ایک کافی ذخیرہ جمع کردیا ہے، اشعار کے علاوہ آپ نے نفس اللغہ، کے نام سے ایک اُردو لغت بھی تیار کیا ہے، جسمین اُردو کے تمام الفاظ ومحاورات کو جمع کردیا ہے اور فارسی مین انکے معانی ومطالب لکھے ہین حقیقت یہ ہے کہ یہ لغت اُردو کیلیے بہت مفید ہے، لیکن سمجھ مین نہین آتا کہ آپ نے اُردو اور ہندی محاورات کے معنی فارسی مین کیون لکھے' یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ اسوقت فارسی زبان مین لکھنے کا رواج زیادہ تھا، لیکن اسکا کیا جواب ہے کہ بعض جگہ فارسیت کی وجہ سے معانی اُلجھکر رہگئے ہین، ضرورت تھی کہ رشک صاحب اُردو کے الفاظ اور محاورات کے مفہوم کو اُردو عبارت ہی مین تحریر کرتے۔ اور نفس اللغہ کو اہل ایران یا اہل کابل کیلیے مخصوص نہ کرتے۔

اسکے علاوہ بعض بعض محاورات پر یا تو رشک صاحب نے غائر نگاہ نہین ڈالی یا اُن کے مطالب کو فارسی مین ادا نہ کرسکے۔ مثلاً آستین چڑھانا۔ آستین گردانیدن،

رشک صاحب نے صرف لفظی ترجمہ کردینا کافی سمجھ لیا ہے لیکن اہل بصیرت جانتے ہین کہ آستین چڑھانے کا مطلب کچھ اور ہے۔ یہ محاورہ اظہار غیض وغضب اور کسی کام پر آمادگی ظاہر کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً اُسنے مقابلہ کیلیے آستین چڑھائی، اور، وہ اس کام کے لیے آستین چڑھاکر مستعد ہوگیا۔

اسی صفحے مین رشک صاحب نے، آسمانی تارا، کے یہ معنی خوب لکھے ہین، چیز نادر و نایاب را گویند' ممکن تھا کہ اسکے معنی بھی وہ، اختر فلک" لکھتے، لیکن یہان اصلی مفہوم بتا دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ وہ یا تو بعض محاورات کے سمجھنے سے قاصر تھے، یا فارسی مین ادا نہ کرسکتے تھے۔

ہم چند ایسی ہی مثالین اور پیش کرتے ہین تاکہ ہمارا اعتراض اور واضح ہوجائے۔

اندرائن کا پھل، باروریخته بو وتلخ (ف) خربزۂ تلخ، (ع) حنظل۔

اس موقع پر بھی آپ نے صرف لفظی ترجمہ سے کام لیا ہے حالانکہ یہ محاورہ اُس موقع پہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جب ظاہری حسن وصورت کے ساتھ باطنی بُرائیون کا اظہار مقصود ہو

اسلیے کہ اندرائن کا پھل بظاہر خوبصورت اور بباطن تلخ ہوتا ہے مثلاً وہ حنظل صفت ہی، یا اُنمین اندرائن کے پھل کی خاصیت ہے،

"انڈے سینا" نشستن مرغان بود بربیضہ، ف بیضہ پروردن۔

جامع لغت کا فرض ہے، کہ وہ بازاری محاوروں کا بھی اظہار کردے، لیکن رشک صاحب نے بعض جگہ یا تو قصداً چشم پوشی کی ہے یا اُنھیں علم نہ تھا لوگ اکثر طنزاً کہا کرتے ہین کہ وہ گھر مین بیٹھے انڈے سیتے رہتے ہین، اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ گھر مین گھسے رہتے ہین،

تکیہ دینا تکیہ کرنا تکیہ لگاتا " تکیہ دادن تکیہ کردن تکیہ زدن،

لغت نگاری کے یہ معنی نہین کہ معانی ایسے الفاظ مین لکھے جائین جنکے لیے ایک دوسرے لغت کی ضرورت ہو، رشک صاحب نے اسکی پروا نہین کی تکیہ کرنا کے معنی آپ نے تکیہ کردن لکھدیا، ایک ایرانی یا کابلی تو سمجھ جائیگا لیکن ایک ہندی جو اس سے ناواقف ہو کچھ نہین سمجھ سکتا اس موقع پر فارسیت نے آپ کو مجبور کردیا ورنہ اُردو مین آپ یون کہتے "تکیہ کرنا کسی پر بھروسہ کرنا

تماشابین" فارسی ست در محاورہ ہندیان زنان بازار را گویند،

لیجیے محاورہ بھی آپ غلط بیان فرماتے ہین ہندی کا محاورہ تماشابین نہین تماشبین ہے، اور پھر تماشبین زنان بازار کے لیے مخصوص نہین بلکہ ہر اُس شخص کو جو عیاش اور آوارہ مزاج ہو تماشبین کہتے ہین۔

اس قسم کی سیکڑون مثالین نفس اللغہ مین موجود ہین مگر ہم بنظر اختصار اسی قدر کافی سمجھتے ہین ان مثالون سے ہمارا یہ مدعا نہین ہے کہ ہم جناب رشک کی اس مفید کوشش کی داد نہ دین، نہین، ہم دل سے اس محنت کی قدر کرتے ہین، اور ناظرین زمانہ کو بھی اسکے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتے ہین، اور ساتھ ہی ساتھ منیجر صاحب ادیب اردو کی خدمت مین مبارکباد بھی پیش کرتے ہین کہ آپ کی کوشش سے اس نایاب لغت کا پہلا حصہ زیور طبع سے آراستہ ہوا، لیکن ہم یہ بھی ضرور کہین گے کہ کاغذ کی نازکی اور بوسیدگی عجب نہین کہ پھر اس نایاب لغت کو نایاب بنادے لکھائی اور چھپائی کا بھی کوئی خاص اہتمام نہین کیا گیا۔ بہرحال جو کچھ ہے غنیمت ہے قیمت عہ مع محصول(؟) ملنے کا پتہ، منیجر ادیب اُردو ونیر پریس پاٹانالہ لکھنؤ۔

داغ جگر

بزم ادب اعظم گڑھ نے جناب جگر مراد آبادی کی منتخبہ غزلیات کا مجموعہ، "داغ جگر" کے نام سے شایع کیا ہے جسمین علاوہ غزلیات و متفرق اشعار کے مثنوی کے بھی دو صفحے شامل ہین شروع مین مولوی عبد السلام صاحب ندوی کی طرف سے ایک مختصر سا دیباچہ ہے، اسکے بعد چوالیس صفحون پر مرزا احسان احمد صاحب وکیل اعظم گڈھ کا معرکتہ الآرا مقدمہ مندرج ہے جسمین کہین جگر صاحب کی خصوصیات شاعری سے بحث کیگئی ہی کہین موجودہ شعرا سے جناب جگر کا تقابل کیا گیا ہی کہین اُنکے محسوسات حکیمانہ پر روشنی ڈالی گئی ہی غرض مقدمہ کیا ہی مرقع ہی جوش عقیدت اور حسن ستائش کا۔ اور خلاصہ ہے داغ جگر کا۔

اسمین شک نہین کہ جناب جگر ایک قادر الکلام شاعر ہین، اُنکی غزلین رنگینی تخیل، ندرت بیان اور بلند پروازی کا نمونہ ہوتی ہین۔ وہ جب کسی خیال کو اپنی شاعرانہ تخیل مین ادا کرنا چاہتے ہین تو اس انداز سے کہتے ہین کہ سننے والا بیچین ہوجاتا ہے۔ فرماتے ہین۔

مجھے اب خوف ہی کیا ہجر مین تنہائی دل سے — ہزارون محفلین لیکر اُٹھا ہون تیری محفل سے

غور فرمائیے جگر صاحب نے ایک معمولی خیال کو کتنی بلندی پر پہونچا دیا ہے، مگر کہین کہین تخئیل اسقدر کمزور ہوتی ہے کہ طرز بیان کی ندرت بھی اُسکی تلافی نہین کرسکتی، مثلاً اسی غزل کا ایک شعر ہے

فلک پر ڈوبتے جاتے ہین تارے بھی شب فرقت
مگر نسبت کہان اُنکو مرے ڈوبے ہوئے دل سے

بندش کے لحاظ سے تو شعر خوب ہے لیکن حاصل کچھ نہین۔ اسکے مقابلہ مین جوش صاحب کا شعر (جو مرزا صاحب نے مقابلتاً پیش کیا ہے) بہت بلند ہے، اُسمین ڈوبے ہوے دل کے بجائے ٹوٹے ہوے دل کا قافیہ نظم ہے

کبھی سن لے اسے او ساز عشرت چھیڑنے والے
عجب آواز آتی ہے مرے ٹوٹے ہوے دل سے

داغ جگر میں اکثر اشعار ایسے بھی ملتے ہیں جنکے مطالعہ سے قلب پر ایک خاص کیفیت طاری ہو تی ہے اور روح مست ہو جاتی ہے۔ مثلاً

تیرے جلوؤں کے تصدق لیکن | تیرے جلوے کو کدھر دیکھوں میں

آئی ہے موت منزل مقصود دیکھکر
اتنے ہوے قریب کہ ہم دور ہو گئے

کوئی تو خیر خواہ دل ناصبور تھا | مانا کہ تم نہ تھے کوئی تم سا ضرور تھا
ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش | شامل کسی کا خون تمنا ضرور تھا

جگر صاحب کی نظموں میں بعض بعض جگہ توارد کی مثالیں بھی ملتی ہیں، توارد کوئی عیب نہیں بشرطیکہ شعر میں کوئی خاص خوبی پیدا ہو گئی ہو لیکن جب اسمیں کوئی عیب ہو یا اس شعر سے کم درجہ کا ہو جس سے توارد ہوا ہو تو شعر کا غزل میں نہ رہنا ہی بہتر ہے۔ مثلاً عزیز لکھنوی کا شعر ہے،

دل یہ سمجھا تھا کہ خلوت میں وہ تنہا ہونگے | میں نے پردہ جو اٹھایا تو قیامت دیکھی

جگر صاحب لکھتے ہیں۔

سمجھے تھے کہ خلوت میں ملیں گے ہمیں تنہا | اک حشر کا عالم پس پردہ نظر آیا

مضمون دونوں شعر کا ایک ہے اور گمان غالب ہے کہ توارد نے یہ یکجہتی پیدا کردی ہوگی لیکن جگر صاحب کے شعر میں پس پردہ کا قافیہ کیتا اور رسوا کے ساتھ بالکل غلط ہے جس سے شعر میں سقم پیدا ہو گیا اسلیے کہ پروا (باظہار الف) اُردو لفظ ہے۔ اسکے ساتھ فارسی اضافت درست نہیں۔ اگر کسی اور شاعر کے یہاں بھی کوئی ایسی مثال موجود ہو تو وہ بھی صحیح نہیں۔

جگر صاحب فرماتے ہیں۔

رات بھر جسطرح گزری کچھ نہ پوچھو دیکے ساتھ | صبح تک رکھا ہے ہاتھوں ہاتھ اس بیمار کو

جناب داغ۔

کرنی پڑیں فراق میں تیمار داریاں | ہاتھوں میں ساری رات دل ناصبور کے

مضمون کے لحاظ سے دونوں شعر ایک ہیں، صرف طرز بیان کا فرق ہے مگر داغ کا شعر بہت بہتر ہے۔ اسکے علاوہ جگر صاحب کے شعر میں اس موقع پر ہاتھوں ہاتھ کا استعمال

کچھ زیادہ پسندیدہ نہین ۔

اسی طرح بعض جگہ داغ جگر مین، محاورون کی غلطیان بھی ملتی ہین لیکن سچ یہ ہے کہ اس قسم کی لغزشین بہت کم ہین تاہم یہ نہوتین تو بہتر تھا، مثلاً

مقید ہوگئے سارے صیاد جسدن سے ہزار آئی   وہی دن ہے کہ پھر اب تک نہ گلشن مین بہار آئی

'وہ دن ہے اور آج کا دن ہے'، اسکے بجائے 'وہی دن ہے' صحیح نہین

دل ہوا خاک تپ غم سے مگر دل کی جگہ   اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے

معلوم ہو رہی ہے یا معلوم ہوتی ہے، کے بجائے معلوم ہوئی جاتی ہے کہنا غلط ہے ۔

پھرا نہ کوچۂ جانان سے تھکر کسی صورت   عزیز تھک گئے سب مجھکو قبلہ رو کرتے

قبلہ رو کرتے کرتے، کی جگہ قبلہ رو کرتے، کا استعمال غیر فصیح ہی نہین غلط ہے ۔

مختصر یہ کہ اگرچہ جگر صاحب کا کلام غلطیون سے پاک نہین، تاہم وہ قابل داد ضرور ہے اور جگر صاحب دنیائے ادب سے مبارکباد کے مستحق ہین، داغ جگر کی لکھائی چھپائی کے لیے صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ وہ مطبع معارف مین چھپا ہے ۔ کاغذ بھی عمدہ لگایا گیا ہے ۔ قیمت عہ ہے، شائقین مرزا احسان احمد صاحب وکیل اعظم گڑھ سے طلب فرمائین ۔

ادیب ناگپور

یہ رسالہ ۲۰۰ صفحہ کا ہندوستان کے اُس خطے سے شایع ہو رہا ہے جہان اُردو کا بہت کم رواج ہے، مولوی محمود علی خان صاحب فاضل ندوی اسکے مرتب ہین اور مولوی محمد قاسم منتظم، ایسی صورت مین اگر ادیب یہ فخر کرے تو بجا ہے کہ

صد شکر کہ ہستیم میانِ دو ادیب

بہرحال ہم ادیب کا دل سے خیر مقدم کرتے ہین اور دعا کرتے ہین کہ خدا اس ہونہار پودے کو پروان چڑھائے اور صرصر حوادث سے محفوظ رکھے ۔

شائقین ادب دفتر ادیب ناگپور کے پتہ پر درخواست خریداری ارسال فرمائین ۔

"اعظم"

اللہ بس باقی ہوس

نثر مرجز

اے سونے والو مرقد کے   یہ راحت خواب آخر کب تک   اس نیند سے چونکو بہر خدا
کچھ اپنی کہو کچھ ہم سے سنو   تم ہمکو بتاؤ حال عدم   ہم تم سے کہیں اپنی بیتی
کیا اگلے روابط بھول گئے   کیا پچھلی باتیں یاد نہیں   یاد آتے ہو اکثر تم تو ہمیں
پھرتے ہو نظر میں آٹھ پہر   وہ لطف مشاغل وہ باتیں   جب یاد ہمیں آجاتی ہیں
اک چوٹ سی دل میں لگتی ہے   اشک آنکھوں میں بھر آتے ہیں   اب کوئی نہیں ایسا مونس
جو حال ہمارا ہمسے سنے   جو ذکر تمھارا ہمسے کرے   آئے ہیں یہاں ہم خود آخر
آج اپنا فسانہ سنانے کو   تم جب سے گئے اس دنیا سے   کچھ دنیا کی سدھ بدھ نہ رہی
اتنا تو بتاؤ بہر خدا   ہم یاد بھی تمکو آتے ہیں   دیرینہ مراسم دیکھنے کو
آتی ہے تمھاری روح کبھی   ہاں آج یہ جنگل حالت ہے   ہے جنکا منظر وحشت زا
وہ جنگل باغ تمھارے ہیں   وہ چمن میں ہے ویرانی یکسر   ہاں انکا پتہ بتلانے کو
کچھ ڈھیر خس وخاشاک کے ہیں   یا ٹوٹے پھوٹے چند کھنڈر   رونق وہ نہیں مجمع وہ نہیں
ہاں فہمی بیکس و دلخستہ   غمدیدہ و محزون و مضطر   جب آتا ہے اس ویرانے میں
تو گھنٹوں رویا کرتا ہے   اور گور غریباں میں اسدم   کچھ شکوے کرنے آیا ہے
بیزار ہے یہ بھی دنیا سے   تم سے ملنے کا خواہاں ہے   جینے کا اسے کیا لطف ملے
ہمدرد نہیں احباب نہیں   ہے کوئی عالم غربت میں   اور کوئی کنج تربت میں
یہ دہر سرائے فانی ہے   رہتا ہے ہمیشہ کون یہاں   باقی ہے خدا کا نام اور بس

سید محمود اعظم فہمی ترمذی

بیخبری

ہزار جامہ دری صد ہزار بخیہ گری   تمام شورش و تمکین نشاء بیخبری

سکون شورش پنہان ہے شغل جامہ دری   شرار سینۂ سوزان ہے نالۂ سحری
غرض نشاط و الم سے فقط تماشا ہے   کہ یہ بنا ظفر رہ اور مین ہون رہگذری
نہ مدعا مرا کوئی نہ کچھ ہراس مجھے   کہ عاشقی ہے فقط بیدلی و بیجگری
مزاج عشق بہت معتدل ہوا ان روز دن   جگر مین آگ دہکتی ہے آنکھ مین ہے تری
یہ ڈر ہے ہر بن مو آب لہو نہ دے نکلے   کچھ ایسے زور پہ ہے آج کاوش جگری
جو مجھ پہ گذری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم   چمک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری
اٹھا ہے درد رگ جان ہے تشنۂ نشتر   مجھے ہے آج تلاش کمال چارہ گری

تری نگاہ کی کیفیتین ہین دل مین وہی   کہ روح تن مین ہے شیشہ مین جس طرح ہو پری
اسی نگاہ کے صدقے یہ حال کیا ہے مرا   کمال ہوش کہون یا کمال بیخبری
غضب ہوا کہ گریبان ہی چاک ہونے کو   تمھارے حسن کی ہوتی ہے آج پردہ دری
کہین ہے عشق کہین ہے کشش کہین حرکت   بھرا ہے خانۂ فطرت مین رنگ فتنہ گری
محال تھا کوئی ہوتا یہان سوا تیرے   یہ کل جہان ہے منت پذیر کم نظری
جگر مین بیٹھ گئے درد بے دوا ہو کر   دلون کو کھینچ لیا نکلے شان عشوہ گری
وہ ہر عیان مین نہان ہر وہ ہر نہان مین عیان   عجیب طرز حجاب و عجیب جلوہ گری!!
کچھ اسطرح ہوئین عاجز نوا زبان اسکی   کہ میری آہ کو ہے اب تلاش بے اثری
نزول پیکر خاکی پہ روح اعظم کا   زہے کمال سرافگندگی و بے ہنری

کرم کچھ آج ہے ساقی کا وہ طرب انگیز
کہ جرعہ جرعہ ہے موج ترنم سحری

چھپی ہے نیم نگاہی مین روح بیتابی
ملی ہے حسن تبسم کو ریزش شرری

اُس آستان سے اٹھائی نہ پھر جبین مینے
حرم مین سجدۂ پیہم تھی ایک درد سری

نہ جانیے نہ سری بگڑی ہوی ادا کن پہ
کہ عاشقی مین مرے حسن کی ہے جلوہ گری

جو شوخیون سے لیا ہے جمال بیتابی
تو جوش حسن سے پائی ادائے جامہ دری

لیے ہین زلف سے آشفتگی کے کل انداز
نگاہ مست سے پہونچا ہے حسن بے خبری

خموش اصغر بیہودہ کوش وہرزہ سرا
کہ حسن و عشق کی ابھی نہین ہے پردہ دری

بگوش ہوش شنو پند حافظ شیراز
چہ نکتہ ایست بطرز ترنم شکری

زہر خبر کہ شنیدی رہے بہ حیرت داشت
ازین سپس من و ساقی و وضع بے خبری

لوح حیات آپ کی تقریر ہو گئی
جو بات کی نوشتۂ تقدیر ہو گئی

شاید کہ میری آہ مین تاثیر ہو گئی
دنیا تمام درد کی تصویر ہو گئی

جتنی مصیبتین تھین وہ لکھدین مرے یہان
بس ختم سعی کاتب تقدیر ہو گئی

تھا نزع مین بھی سلسلۂ قید غم وہی
اینٹھی جو رگ وہ حلقۂ زنجیر ہو گئی

دلکو جلا کے دولت جاوید پا گیا
اتنی سی خاک مایۂ اکسیر ہو گئی

ناسور آج ہر بن مو ہے نہیے نصیب
اے کاوش مژہ تری تفسیر ہو گئی

کیسے کہ اب مین اپنی حقیقت کو کیا کہون
جو سانس لی وہ آپ کی تصویر ہو گئی

وارفتگان ذبح ذرا ہوش مین رہو
خنجر گلے پہ آ گیا تکبیر ہو گئی

ہاتھون سے میرے دامن رحمت چھڑا تو لے
ہان ہان یہ جانتا ہون کہ تقصیر ہو گئی

آزاد ہون قیود جہنم سے دوستو
میری حیات ہی مجھے تعزیر ہو گئی

آتا ہے کوئی گور غریبان پہ اس طرح
زندہ اگر یہ محفل تصویر ہو گئی

ہستی کی شرح نزع مین کرتا مگر عزیز
دو ہچکیون مین ختم یہ تفسیر ہو گئی

سرما

ہے بلند آہنگ سرما — پھر عیاں ہے رنگ سرما
دیکھو چھائی ہے یکسر — کچھ سپیدی سی فلک پر
یہ اثر کس نے دکھایا — پڑ گیا سورج پہ سایا
دھوپ میں تیزی نہیں ہے — کلفت انگیزی نہیں ہے
تاکہ کم تکلیف ہو کچھ — ٹھنڈ میں تخفیف ہو کچھ
پڑ گئی گویا جہان پر ٹو — ہلکی ، ہلکی ، گرم چادر
کائنات ایک لخت ساری — سردی سی جو پڑ گئی تھی ٹو
پھر سراپا اُس نے بھر دی — کچھ حرارت تازگی کی ٹو
خلق کا دلکش سماں ہے — ایک رونق سی عیاں ہے
یعنی موسم کا اثر ہے — ق — دھوپ میں رنگِ دگر ہے
ہو کے محو یہ مسرت — بن گئی نوید مسرت
جب کہ عالم میں ہویدا — ایک نقشہ ٹھنڈ کا تھا
وہ بھی تھی کچھ کچھ بجھی سی لو — بن گئی تھی چاندنی سی
روشنی کی کچھ جھلک تھی — اور سردی کی چمک تھی
ٹھنڈی کرنیں جھڑ رہی تھیں — ننھی بوندیں پڑ رہی تھیں
دھند تھا ارض و سما میں — تیرگی سی تھی خلا میں
یعنی دونوں کی حرارت — ٹھنڈ سے ہو ہو کے غارت
باہم آکر منقسم گئی تھی ، — سرد ہو کر جم گئی تھی
کیسی ٹھنڈک تھی فضا میں — برف اُڑتی تھی ہوا میں ٹو

قدرتی تھی جس مین حدت ۔ اُس سے تھی سردی کی شدت
جس سے جاندار اور بیجان ۔ سب کے سب سکڑتے تھے یکسان
ٹھنڈ کا گہرا اثر تھا ۔ ہڈیون تک مین گھُستا
ہر بشر کے دانت جس سے ۔ ہو کے نالان بج رہے تھے
تھے چرندے اور پرندے ۔ مضمحل اور سُست سارے
روئیں تھے وہ گر پھُلائے ۔ تھے یہ بال و پر پھُلائے
خود فراموشی تھی ہر سُو ۔ ایک خاموشی تھی ہر سو
ٹھنڈ کے ہو کے مقہر سب ۔ دھوپ کے تھے منتظر سب

الغرض خورشید تابان ۔ پھر ہوا کچھ کچھ درخشان
ابر سے تھے بسکہ چھپائے ۔ سارے ذرّے جگمگائے

پھر حرارت آئی تن مین ۔ بن گئی چستی بدن مین
پھر چرندے کھڑبڑائے ۔ اور پرندے پھڑپھڑائے
پھر کیے لوگون نے یکسر ۔ دست و پا کپڑون سے باہر
پھر اُجالے مین نکھر کر ۔ اوس چمکی پتّیون پر
سر بسر منظر مین پھیلی ۔ کیسی سبزی اور سپیدی
ٹھنڈ اُسے گویا چھپائے ۔ ہے تری کو خود بچائے
تا رہے گرمی بھی پاکر تو ۔ آب سبزہ مین برابر
دیدنی ہے جس کی رنگت ۔ قلب کو ملتی ہے قوت
پھر ہوئی جس کے سہارے ۔ کام کی تحریک بارے
خواہ برفیلی ہوائین ہون ۔ کتنی ہی سورش مچائین
آہ جس سے یہ سمان بھی ۔ جلد ہی ہو گا نہان بھی
آفتاب اسلئے اثر سے ۔ ہان اسی سردی کے ڈر سے
دیکھو اب کترا رہا ہے ۔ کس روش سے جا رہا ہے!

کیسی کھیتوں کی زمین ہے ۔ سبز رنگت ہر کہین ہے
جس کے جلوسے ہین غضب کے ۔ دل ہرے ہوتے ہین سب کے
اور کسانون کے لیے تو ۔ خاص ہین اسباب نیکو
یہ علاج خستگی ہے ۔ مایۂ وابستگی ہے یہ
رنگ کیسے مل رہے ہین ۔ پھول کتنے کھل رہے ہین
مختلف اقسام والے ۔ لال، پیلے، اجلے، کالے
جنپہ ہے رنگ تماشا ۔ قطرہ ہاے شبنمی کا
تازگی گستر ہوا ہے ۔ سرد اور نکہت فزا ہے
کیف سے مجبور ہین سب ۔ کس قدر مسرور ہین سب
کیسی ریزش ہے صدا کی ۔ طائران نغمہ زا کی
فیض اغین آثار کا ہے ۔ اک سمان گلزار کا ہے
ارہر اور سرسون بھی پھولے ۔ پیلے پیلے پھول کیسے ہ
اور جو بور آمون مین آیا ۔ کیا بسنتی رنگ لایا
کیسی زردی ہے نظر مین ۔ ہے اثر دل مین، جگر مین
اک خوشی سی چھا رہی ہے ۔ لو بسنت اب آرہی ہے
سچ ہے یہ یہ جان طرب ہے ۔ شوکت و شان طرب ہے
رنگ نو لائے گی آخر ۔ اور بہار آئے گی آخر
اور ہے کیا شفاف پانی ۔ گندگی سے صاف پانی
جابجا لہرا رہا ہے ۔ گیت گویا گا رہا ہے
جس مین نیلے آسمان سے ۔ عکس خورشید تپان سے
آکے کرنین گر رہی ہین ۔ موج بنکر بکھر رہی ہین
کھیتون مین چھنس رہی ہے ۔ فصل گویا ہنس رہی ہے

اقبال ورما سحر ہتگامی

لطف سخن

مولانا محوی لکھنوی

ہمین کچھ قدر تیری سبزۂ مدفن سمجھتے ہین / کہ تجھکو یادگارِ عشرتِ گلشن سمجھتے ہین
اُسی پر اے نگاہِ ناز تو بجلی گراتی ہے / جسے اپنی تمناؤن کا ہم خرمن سمجھتے ہین
تری قیدِ قفس کا ہمکو اے صیاد کیا غم ہو / ہم اسکو حاصل سیر گل و گلشن سمجھتے ہین
یہ آنسو کیون ہین آنکھون مین یہ رونا کیون ہے بالین پر / مری اُلجھن کو کیا سب آخری اُلجھن سمجھتے ہین
کسی بیکس کے آنسو تم نہ پوچھو اپنے دامن سے / کہ اہلِ ذوق اسکو حاصلِ شیون سمجھتے ہین
ہمین تک ہو فغان دلگداز و نغمۂ رنگین / ہمین کو خوشنوایانِ چمن دشمن سمجھتے ہین

وہی قطرہ لہو کا حاصل قلب و جگر سمجھو
کہ وہ بھی جسکو محوی رونق دامن سمجھتے ہین

احسن تمیمی ناظم حلقۂ ادبیہ

آہ کوئی بھی نہین جانِ پُر ارمان کی طرف / درد ہے دل کی طرف دل غمِ جانان کی طرف
زندہ درگور رہا مین ترے ہاتھون اے زیست / کون لایا تھا مجھے عالمِ امکان کی طرف
چاہتا تھا کہ کرون اُنسے تغافل کا گلہ / عشق مجبور ہوا حُسن پشیمان کی طرف
ہو چکا نذرِ قفس ذوقِ تماشائے بہار / اب مین چھوٹون بھی تو جاؤن گلستان کیطرف
اِک زمانہ ہے ترے عہد مین دیوانۂ حُسن / لوگ کھنچ کھنچ کے چلے آتے ہین زندان کی طرف
جب نشیمن تھا تو صیاد بھی تھا برق بھی تھی / کون اب آتا ہے مجھ سوختہ سامان کی طرف

اک تماشا ہے مرا ذوقِ تماشا احسن
دیکھتے ہین وہ مرے دیدۂ حیران کی طرف

زمانہ

مرتبۂ دیا نرائن نگم بی، اے

نمبر ۴	اپریل سنہ ۱۹۲۲ء	جلد ۳۸

فہرست مضامین

زمانہ پریس کانپور سے شایع ہوا

نوٹ - افسوس کیساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ زمانہ کے متعلق میں جو کاغذ معمولاً لگایا جاتا ہے وہ ختم ہو گیا ہے اور مزید چالان بوجہ ہڑتال ابھی تک نہیں آسکا جسکی وجہ سے دو دفعہ سے کاغذ جو بازار میں دستیاب ہو سکتا ہے وہی لگانا پڑا امید کہ ناظرین معاف فرمائیں گے - منیجر

زمانہ

جلد سی و ہفتم ۳۷

جولائی لغایت دسمبر ۱۹۲۱ء

مرتبہ

دیا نرائن نگم بی۔ اے

زمانہ پریس کانپور میں چھپکر

دفتر زمانہ کانپور سے شائع ہوا

قیمت سالانہ عـصر   قسم اعلیٰ سے ر   فی پرچہ ۸ر

فہرست مضامین رسالہ زمانہ

جلد سی و ہفتم

بابت ماہ جولائی لغایتہ دسمبر ۱۹۲۱ء

زمانہ

جلد ۳۸ — اپریل سنہ ۱۹۲۲ء — نمبر ۴

بدھ دھرم کا مستقبل

(از رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم)

سر ولیم ہنٹر کی رائے تھی کہ ہندوستان مین ایک مرتبہ بودھ مت کی لہر آئیگی لیکن نتیجہ کا پتہ نہین کیا ہو، کیا درحقیقت کوئی آثار اس لہر کے معلوم ہوتے ہین؟

ہم چند واقعات ذیل مین درج کرتے ہین۔ ناظرین نتیجہ خود نکال لین۔

(۱) کلکتہ مین ایک عظیم الشان مندر بودھ مت کا بنگیا ہے (سری دھرم راجیکا چیتن ہال)

(۲) بودھ گیا کے مشہور مندر کی نسبت یہ تحریک نہایت سرگرمی سے ہو رہی ہے کہ وشنو فقیر کی تحویل سے مندر نکال کر بودھ مت کے فقرا کے سپرد کر دیا جاے۔ وہان ایک لکچر ہال بھی بنگیا ہے۔

(۳) صوبۂ مدراس مین ایک بودھ سوسائٹی بھی عرصہ سے قائم ہے۔

(۴) بودھ کی سلطنت کے وقت کی اتنی چیزین کھدائی سے برآمد ہوئی ہین کہ ہر ایک طالبعلم اور شائق تاریخ انکی جانب متوجہ ہے۔

(۵) اخبارون رسالون اور کتابون مین بودھ کے زمانہ حکومت کے متعلق کثرت سے

[redacted]

واقعات شائع ہو رہے ہین -

مندرجۂ بالا واقعات تو کھلے کھلے ہین - انکے علاوہ بعض ایسی باتین بھی ظہور مین آ رہی ہین جنکی نسبت یہ تو نہین کہا جا سکتا کہ وہ بدھ مت کے زیر اصول کا نتیجہ ہین لیکن اتنا ضرور مترشح ہوتا ہے کہ بدھ مت سے انکا بہت تعلق ہے اور وہ خود بخود نمایان ہو تی جاتی ہین

(۱) حیوانون کی قربانیان ہندو مندرون مین روز بروز رو بہ زوال ہین -

(۲) باطل رسمون کا ازالہ ہوتا جاتا ہے -

(۳) مروجہ مذاہب مین بجاے اختلاف بیانی کے ہم آہنگی اور مساوات کی کوشش ہو رہی ہے -

(۴) مسئلہ کرم یعنی مکافات عمل پر بہت زیادہ غور ہو رہا ہے -

(۵) ذات باری کے متعلق بھی عام خیالات تبدیل ہو رہے ہین اب خدا تعالی کو لوگ ایک ہیبتناک خشمناک شخصیت نہین سمجھتے جو انسان کے مانند ہو - یا جو رات دن دعائین سنتا رہتا ہو اور گاہے گاہے اپنے نظام مین دست اندازی کر کے باقاعدہ قدرت مین مستثنیات رکھتا ہو -

(۶) ذات پات اور چھوت چھات کے قیود بھی رفع ہوتے جاتے ہین بلکہ بعض لوگون کا رجحان ہر مذہب اور ہر ذات مین ازدواج پانی کرنے کا بھی ہے -

(۷) حیوانی غذا کے استعمال کا بھی اتنا شوق نہین رہا - بلکہ بوجوہ چند در چند نباتاتی غذا زیادہ پسند خاطر ہونے لگی ہے - جانورون پر حتی الوسع بیرحمی کم ہو رہی ہے -

(۸) منشیات کا استعمال (مہاتما گاندھی کی بدولت) اب کم ہو رہا ہے -

(۹) پولیٹکل خواہشین یہان تک زور آور ہو گئی ہین کہ بعض جوشیلی طبیعتون مین مذہب کی صداقت کی جنبہ داری چھوڑ کر ہندوستان کے سب باشندون کو ایک مذہب مین منسلک کرنے کا خیال پیدا ہو گیا ہے -

مندرجۂ بالا واقعات شاید ہمارے حسن ظن پر مبنی ہون - شاید بعض مقام پر ہمنے غلط اندازہ

کیسا ہو مگر اسمین کوئی شک نہین کہ بہت سے مندرجۂ بالا واقعات صحیح ہین۔

ہندی خاصہ ہو گیا ہے کہ جب کسی اُصول یا کسی رسم یا کسی مسئلہ پر یورپ مین مُہر لگ جاتی ہے تو اُسکو فوراً مقبولیت کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپین کتابون کے مطالعہ سے جنمین بودھ مت کا ذکر ہے ہندوستان کے باشندگان کی توجہ اسطرف منعطف ہو گئی ہے۔

ہم اس امر کے جتلانے کی مبادرت نہین کرتے کہ آیا بودھ مت کی لہر ہندوستان مین آئیگی۔ اور آئیگی تو کب تک اور کسطرح سے آئیگی اور اُسکا کیا حشر ہوگا۔ ہم صرف اس پرچہ مین یورپ مین اس مت کی شہرت کا ذکر کرینگے بیشتر اسکے کہ ہم اس موضوع پر کچھ لکھین اتنا کہنا مناسب سمجھتے ہین کہ وہان جسکی کافی شہرت ہوچکی ہوتی اگر پانچ سال کی جنگ عظیم اُسکے سدراہ اور حارج نہ ہو جاتی، خواہ یہ جنگ اور طرح سے بہت مُضر ثابت ہوئی ہے لیکن دل سب کے نرم ہو گئے ہین مصیبت اور صعوبت اسقدر ظہور مین آئی ہے کہ ہمدردی انسانی کے اظہار کے لیے جابجا مواقع پیدا ہو گئے ہین۔ مورخ بتلاتے ہین کہ شہنشاہ اشوک ایک جنگ کی آفتین دیکھکر ایسا نرم ہو گیا تھا کہ بُدھ مت کا پیرو ہو کر آخر کار خود بھی بھکشو ہو گیا۔ یورپ کو بھی اب یا تو حضرت عیسٰی کی تعلیم جو بُدھ مت کے قریب قریب ہے عملاً ماننی پڑے گی یا وہ بُدھ مت اختیار کرے گا۔ اب سُنیئے کہ:۔

انگلستان مین ایک سوسائٹی انٹرنیشنل بدھسٹ یونین کے نام سے چند سال سے جاری ہے اسکی شاخین یورپ کے تقریباً ہر ایک ملک مین قائم ہین۔ انگلستان مین شہر ڈنسٹیبل (DUNSTABLE) مین ۲۲۔ نومبر گزشتہ کو اس سوسائٹی کے سکریٹری نے ایک نہایت عالمانہ لکچر اس دھرم پر دیا جسمین سات سو سامعین تھے۔ اس سوسائٹی کی کارگذاری پر پروفیسر سوزوکی (SOZ OKI) اڈیٹر اخبار ایسٹرن ہیرلڈ (جاپان) نے نہایت اطمینان ظاہر کیا ہے۔

جرمنی کی شاخ سکریٹری مسٹر اسکر اسکلوس (MR OSKA RSCHLOSS) لکھتے ہین کہ جرمنی مین بودھ مت کی زندگی روز بروز ترقی پر ہے۔ بہت سی کتابین اس مضمون پر شائع ہوئی ہین دو رسالے جو اس دھرم کی تائید و تبلیغ مین نکلا کرتے تھے باہم ایک ہو کر اب ایک متفقہ

رسالہ شائع ہوتا ہے۔

پروفیسر (CARLO FORMICHI) شہر روم سے لکھتے ہین کہ بدھ مت کے جاننے کا شوق روز افزون ساری اٹلی مین ترقی کر رہا ہے۔ سینٹ (SENATE) کے کئی ممبر اور کئی یونیورسٹی کے پروفیسر بدھ مت کے پیرو ہین اور اُسکا پرچار کرتے ہین عملی بڑا مسٹر ارنیسٹ ہافمین ( ) بھی شہر نیپلس سے یہی لکھتے ہین۔

فرانس سے مسٹر مالبرانک (MR MAL BRANCHE.) لکھتے ہین کہ بدھ مت کا مطالعہ جنگ کی وجہ سے چند سال کے لیے بند ہو گیا تھا اب پھر تازہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح سے ڈاکٹر لینارڈ (DR LENARD) شہر وائنا سے لکھتے ہین کہ جنگ کی وجہ سے بدھ مت کا شوق پھیکا پڑ گیا تھا اب پھر تازہ ہو گیا ہے۔

ڈنمارک اور فنلینڈ مین سے اس دھرم کا چرچا زور شور سے ہو رہا ہے رشیا (RUSSIA) روس کی ابتری اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ وہان مدت کے بعد چرچا ہو گا۔

ناظرین جرمن قوم کے شوق کا اس امر سے اندازہ کر سکتے ہین کہ اُس ملک مین دو ہزار پانچسو چوالیس کتابین اس دھرم کے متعلق شائع ہو چکی ہین اور اگر جنگ اتنے سال جاری نہ رہتی تو اس دھرم کے پھیلنے کی بہت زیادہ توقع تھی

امریکہ مین بھی اس دھرم کا پرچار بہت تھا جنگ سے رُک گیا تھا اب پروفیسر اڈمنڈ EDMUND CEYLONE SYDHISTIC ANNAL تازہ کر رہے ہین

شمیم

تمام پولیٹیکل زندگی مین ایک بات ہمیشہ میرے مد نظر رہی ہے۔ میری راے صحیح تھی۔ یہ میرا خیال غلط تھا۔ لیکن میری یہ کوشش ہمیشہ رہی ہے کہ اپنے اعتقاد کے مطابق عمل کرون خواہ اسمین مجھے کتنی ہی دقت ہو۔

گارفیلڈ

اکبر مرحوم کے چند خطوط

(۱۵)

الہ آباد ۲۳ - فروری سنہ ۱۳ء

عنایت فرمائے من - آپ سے بہت نادم ہون - لیکن کیا کرون - کچھ لکھ لیتا ہون پڑھ نہین سکتا - قابل آدمی انتخاب کے لیے ملتا نہین - اب یہ ترکیب ذہن مین آئی ہے کہ زمانہ کے نام سے ایک کاپی الگ ہو اُسمین آپ ہی کے لیے مضامین ہون - انشا اللہ کچھ مضمون جلد بھیجون گا - آپ کا پرچہ کب سے نکلے گا ؟

بہ سبب میری معذوری کے اشاعت کلیات مین بہت دیر ہوئی اور بہت خرچ ہو گیا - عشرت حسین نے اہتمام کیا تھا لیکن اب وہ عدیم الفرصت ہین - ایک کارڈ[1] آپ کے نام جاتا ہے براہ مہربانی اپنے پرچہ مین نمایان طور پر مندرج فرما دیجئے - آیندہ اشاعت کی نسبت سوچ رہا ہون لیکن خود اس جھگڑے مین نہین پڑا چاہتا - حال کا کلام بھی کچھ جمع ہو گیا ہے -

اکبر حسین

(۱۶) (کارڈ)

(بلا تاریخ)

ڈیر فرینڈ - کاتب کو پڑھا دینے کی وقت ہے اس سبب سے ہنوز مضمون نہین جا سکا - آپکا پرچہ کب شایع ہوگا - مین چاہتا ہون کہ کوئی موقع ہو مین کانپور آؤن اور آپ سے باتین ہون - کلیات کا اشتہار عشرت میان کی طرف سے دیکھئے " سید عشرت حسین ڈپٹی کلکٹر سیتاپور "

مین اسکے متعلق کام کرنے سے معذور ہون - عشرت حسین نے چھپوایا اور چارج لے لیا - مجھکو

---

[1] اسمین کلیات اکبر کا اشتہار تھا -

نظرِ ثانی کا اور انتخاب کا موقع نہین ملا۔ مجھکو یقین ہے کہ آپ دوستانہ نگاہ سے دیکھین گے اگرچہ میرا مقصود عمدہ ہے اور اکثر طعن کے پیرایہ مین نصیحت کی گئی ہے لیکن ممکن ہے کہ کلام ظرافت سابق مین کہین حدِ تہذیب سے تجاوز ہوا ہو۔

عظمت علی عشرت کے ایجنٹ بلکہ محرر ہین لیکن انکا نام رکھیے۔

اکبر

(۱۷)

الہ آباد۔ ۱۹۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء

عنایت فرمائے من۔ آپ کا خط پڑھکر پہلے ہی جو بات ذہن مین آئی وہ یہ تھی۔

عزیز از جان۔ یہ آرزو آپ کو کسطرح آگئی۔ آپ کہین گے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ جی ہان یہ ایک بات ہے اور بڑی بات ہے۔

خیر صاحب اب کام کی باتون پر متوجہ ہون۔ کلیات کی جلد مین نے مخزن سے واپس منگالی چونکہ غلطیان بہت ہین اور کچھ اور ترمیم ضروری ہے اسلیے یہ کام باوجود میری معذوری کے میری ہی حاضری مین ممکن ہے۔ عشرت اگرچہ قابل منتظم ہین لیکن وہ بھی نہین کرسکتے۔ نہ وہ یہان ہین۔ ان ایک کام ترتیب اشعار کا بھی ہے جو حتی الامکان مضامین کے مطابق ہونی چاہیے لیکن اول تو مین نے مصلحتاً مضامین کو خلط ملط رکھا ہے دوسرے یہ کام بغیر اسکے نہین ہوسکتا کہ مین خود آنکھون سے کام لون۔ خیر اسوقت جو کچھ ہوسکے ہوجانا چاہیے۔

جلد کلیات پر تصحیح اغلاط کے لیے نظرِ ثانی ہوتی جاتی تھی کہ آپ کا خط پہونچا۔ رجسٹری کرا کے اسی کو بھیجتا ہون جہان تک جلد ممکن ہو نشان کرکے اور مضمون کا حوالہ دیکر واپس فرمائیے دو ہی تین دن مین۔

اکبر

(۱۸)

بلا تاریخ۔ غالباً کسی خط کا جواب نہ پہونچنے پر تحریر ہوا ہے۔

مین نکاہون سے تم کی گرگئے[1] — سمجھے مجھ سے زمانہ پھر گیا
تھی تیون سے مجھکو امیدِ وفا — میرے دل سے یہ خیال آخر گیا

[1] اکثر خطوں مین پہلے اشعار تحریر فرماتے تھے اور پھر چند سطرین نثر مین۔ اشعار ویب رسالہ کردیے جاتے تھے خطوط اب ہدیۂ ناظرین ہین یہ اشعار پہلی مرتبہ شائع ہو رہے ہین۔

مجھ پہ ستم بہ وزسلونو نہ کیجئے　　بلقد بات مانیئے نونو نہ کیجئے
کل کی صدا نہ جلوہ فطرت نلعت دید　　بہتر یہی ہے خواہش نونو نہ کیجئے

تو حشر کا منکر ہے جو اسے فتنۂ دوران　　کہتا ہے کہ نیچر میں پتا اسکا کہاں ہے
نیچر ہی سے ابھرا ہے ترا قامت رعنا　　نیچر ہی میں واللہ قیامت بھی نہاں ہے

عنایت فرماے من - آپ نے میرے نیاز نامے کو داخل دفتر کر دیا - مجھکو بیحد افسوس ہے کہ کلیات میں میرے علم و ارادے کے بغیر بعض پڑ اسے خارج شدہ شعر درج ہو گئے آپ نے مدد نہ دی میں ہنوز معذور و مجبور ہوں -

اکبر

(۱۹)

الہ آباد ۱۵ - اکتوبر ۱۹۰۹ء

ڈیر فرینڈ - میں نہایت ممنون ہونگا آپ بحوالہ صفحہ اشارات لکھدیجئے کہ کون سے اشعار قابل اخراج ہیں - زیادہ نہونگے - اس باب میں آزادی سے کام لیجئے - میں مانوں یا نہ مانوں، لیکن غالباً سب تسلیم مان لونگا - اصل تو یہ ہے کہ کل کتاب ترتیب جدید کی محتاج ہے - بغیر اسکے بہت سے جواہر وام کی نظروں سے نہاں ہیں لیکن یہ کام تو بغیر میرے نہیں ہو سکتا اور میں محتاج آنکھوں کا ہوں - ما آپریشن کو کامیاب کرے تو سب کچھ ہو ورنہ بعد میرے کچھ ہوتا رہے گا -

اسوقت وہ شعر جو پولیٹکل طور پر خطرناک ہو[۳] (غالباً ایسا کوئی شعر نہوگا) ہو یا شاعرانہ حد سے زیادہ خلاف تہذیب ہو، یا کسی مسلمان یا ہندو کو مذہباً رنج دہ ہو (ایسا بھی کوئی شعر نہیں ہے) بدگمانی سے سیاست کی اور بات ہے - میں نے تو آزادانہ کہا ہے - بہرکیف نہایت ممنون ہونگا جب تحریر سابق ان اشعار کا حوالہ دیجئے جو آپ کو قابل اخراج نظر آئیں - اگر آپ نہ کہتے اور دوسرے اطلاع ملتی تب بھی میں ترمیم کرتا -

A H

ہندوستان کا تہوار جو برسات میں ہوتا ہے[۱] (نہیں نہیں)[۲] مشین - [۳] فوٹوگراف[۴] زمانہ میں ات اکبر پر تنقید کے سلسلے میں یہ شکایت کی گئی تھی کہ مجموعہ میں بعض اشعار خلاف تہذیب بھی درج ہو گئے ہیں - خط میں بھی بالعموم نے بھی شکایت کی ہوگی - [۵] اکبر مرحوم نے اپنے عہد کے تمام اہم ملکی مسائل پر اظہار رائے کیا ہے اور انگریزی معاشرت اور انگریزی حکومت دونوں کی خوب پھبتیاں اڑائی ہیں - تاہم وہ ہر وقت بہت محتاط رہنا چاہتے تھے - اس لئے

[illegible]

نوٹ۔ یہان تک جتنے خطوط شایع کیے گئے وہ سب ۱۹۰۳ء و ۱۹۰۹ء کے درمیان موصول ہوئے تھے۔ ذیل مین ۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء کی خط وکتابت مین سے چند خطوط جو محفوظ رہگئے ہین ہدیۂ ناظرین ہین۔ افسوس ۱۹۱۰ء و ۱۹۱۲ء کے درمیان کی چٹھیان کوئی باقی نہین ہین۔

(۲۰)

الہ آباد - ۱۲ جون سنہ ۱۳ء

مکرمی - آپ کا خط پہونچا - آپ سے قدیم اور دلی تعلق و محبت ہے - دگیر کا یقین[1] تھا کہ انھون نے ایسے خیالات کا اظہار کیا - مین نے تو مناسب جواب بھی دیدیا تھا - آپ کچھ خیال نہ کیجیے اسوقت دنیا کا رنگ ہی دوسرا ہے - پریشانی، بدگمانی، بہت کچھ قابل معافی ہے . . . . .

. . . .

مین اپنا حال کیا لکھون - یہ عمر یہ علالت و ناتوانی - پھر یہ الم جانگزا - زندگانی بار ہے - کوئی تعلق نہین - کوئی اُمنگ نہین - عادتاً کبھی کچھ اشعار نظم کرلیتا ہون - بدقسمتی اور بعض صاحبون کی نادانی سے ایسی ہوا چلنے لگی ہے کہ سب کو بالخصوص متوسلان گورنمنٹ کو گفتگوئی مین بہت کچھ احتیاط فرض ہوگئی ہے - کیا ان حالات پر ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ ہم ایک اچھے زمانے مین ہین - حال مین مین نے چند اشعار موزون کیے تھے جسطرح اور اشعار مسودون مین بہ انتظار طبع حصۂ سوم رکھے ہوے ہین اُسی طرح انکو بھی رکھ چھوڑا تھا - لیکن یہ دیکھکر کہ بعض حضرات نے اخبارون مین شکایت طرز تعلیم کی ہے - اخبار انگریزی مین بھی دیکھا اُردو مین بھی . . . . (ناتمام) بقیہ حصہ کسیطرح گم ہوگیا ہے

(۲۱)

عنایت فرماے من - مین نے ایک قطعہ درباب تعلیم کے بھیجا تھا آپ کے کسی پرچے مین نہ چھپا - اگر خلاف مصلحت ہو تو جانے دیجیے - اور کوئی مضمون بھیجونگا منشی نوبت راے صاحب کہان ہین کیا کرتے ہین - اپنی خیریت لکھیے -

۳۰ اگست ۱۹۱۳ء

اکبر حسین

(۲۲)

---

[1] دگیر صاحب نے غالباً زمانہ پر کچھ چوٹ کی تھی -

الہ آباد - ۲۲ - جولائی ۱۹[illegible]ء

عنایت فرمائے من - آنریری مجسٹریٹی کی مبارکباد دیتا ہوں - آپ کی کارگذاری لائق داد ہے لٹریری قابلیت ہر محفل مین شمع بنا سکتی ہے - دل کا سانچا ملائم ہونا چاہیے -

ہماری دُنیا تو ختم ہو چکی ہے - حواس سے مجبوری ہے -

افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات نہ ہوئی - آپ ملتے تو بہت سی باتین ہوتین - خیر پھر کبھی زندگی شرط ہے -

اکبر حسین

(۲۳)

الہ آباد - ۲۸ - جنوری ۱۹[illegible]ء

ڈیر نگم سلمہ اللہ تعالی - آپ کی محبت و سعادتمندی سے دل خوش ہوا - آپ کی جو کچھ ترقی ہو حق بجانب ہے - لیکن آپ نے قیمت[1] نہین تحریر فرمائی - یہی زحمت کیا کم تھی کہ آپ نے توجہ کی

پارسل بھیجا خط لکھا

قیمت سے مطلع فرمائیے -

نسبت مبارک ہو

اکبر حسین

(۲۴)

الہ آباد [illegible]

ڈیر نگم صاحب[2] - خدا خوش رکھے

آپ داد بھی دیتے ہین خلعت بھی دیتے ہین - لوئی اوڑھکر آپ کا ریویو پڑھتا ہون اور تھینکس ادا کرتا ہون - اسکولی تقریر آپنے خوب کی ماشا اللہ

ایک امر کی تصحیح ضروری ہے[3] "چھوٹے ہین ہم تو آپ ہین چھوٹون کے بادشاہ" اسکا مصنف

---

[1] اولین حصہ کے لوئی کی فرمائش تھی جسکی تعمیل پر یہ نوازش نامہ موصول ہوا تھا

[2] "اردو شعرائے حال" کے عنوان سے زمانہ اکتوبر ۱۹[illegible]ء مین کلام اکبر پر ایک تنقیدی مضمون شایع ہوا تھا - اسپر

[3] اسی تنقیدی مضمون مین یہ شعر عام خیال کے بموجب جناب اکبر مرحوم سے منسوب کیا گیا تھا -

مین نہین ہون - خود اودھ پنچ یا اُسکا کوئی نامہ نگار ہے - امید کہ آپ نوٹ کرلیجئے - اسی طرح ایک شعر "ہوم رول لینگے - گولر کا پھول لینگے" میرے نام سے مشہور ہوگیا ہے - حالانکہ اسکے مصنف اور مستحق داد برادرم نواب شیخ احمد حسین صاحب تعلقہ دار پریانوان ملک اودھ ہین

مین ۵ - سے ۸ - اکتوبر تک سخت بیمار رہا مسہل سے افاقہ ہوا، ہنوز ناتوان ہون - آپ میری مدح کرتے ہین مین جھک کر سلام کرتا ہون - لیکن اب مین قومی شاعر نہین رہا - نہ ویسی قابلیت ہے

چو بادِ صبا بر گلستان وزد ؍ چمیدن درخت جوان را سزد

مغموم و افسردہ اُمیدوار آخرت گوشۂ عزلت مین پڑا ہون - "ہر کسے بجز و نوبت اوست"

اکبر

(۲۵)

ڈیر سر - اُدھر مین نے خط لکھا اِدھر آپ کا خط پہونچا - دل کو دل سے راہ ہے - آپ میری بہت مدح کر چکے ہین - آپ کی بصیرت قابل داد ہے - ایسے لائق سخن شناس کم ہوتے ہین - مین نہ رہونگا لیکن آپ میری یاد کو بہت دن زندہ رکھین گے -

۲۱/۱۰ ۱۸ اکبر حسین

(۲۶) (کارڈ)

الہ آباد - ۴ - مئی ۱۹۱۰ء

ڈیر فرینڈ - سابق مین سُنا تھا کہ آپ کی طبیعت صحیح نہین - پھر مدت سے کچھ حال نہین معلوم ہوا اُمید ہے کہ خیریت سے اطلاع دیجئے - مین خود بمشکل زندون مین شمار ہوسکتا ہون - لیکن آپ محب قدیم ہین یاد آہی جاتی ہے -

خاکسار اکبر

(۲۷) (کارڈ)

۲۷ - مئی ۱۹۱۰ء

عزیزم سلمہ - اول تو آپ کے بزرگون سے مجھسے مراسم تھے - دوسرے آپ میرے بہت ابتدائی پبلشر دن مین سے ہین - تیسرے قیمتی تحائف - چوتھے آپ کی سلامت روی - ان وجوہ سے آپ کو یاد رکھتا ہون - اور نیاز نامہ لکھا تھا - ورنہ مین اب بہت کچھ معذور

ہوں اور معذور ہوتا جاتا ہوں - نہ نشاط طبع ہے نہ حرص فردا -

بہر کیف آپ کا ارشاد پیش نظر رہے گا -　　A.H.

(کارڈ)　　(۲۸)

الہ آباد ۱۷/۱ ۲

ڈیر سر - کلام محروم حصہ دوم حال میں شایع ہوا ہے - اسکی ایک کاپی مصنف صاحب نے مجھکو بھی عنایت فرمائی تھی - مجھکو یاد نہ رہا تھا کہ میں نے اُسکے ٹیٹل پیج پر چار مصرع لکھ دیے تھے اسوقت میرے ایک نوجوان دوست حسن عزیز صاحب بھوپالی نے خیال دلایا - لہذا وہ نظم ارسال خدمت کرتا ہوں -

رنجور و ناتوان اکبر

ہے داد کا مستحق کلام محروم　　لفظوں کا جمال اور معانی کا ہجوم
ہے اُنکا سخن مفید و دانش آموز　　اُنکی نظموں کی ہے بجا ملک میں دھوم[ف]

(۲۹)

۲۴ - نومبر ۱۹۲۰ء

میرے محترم عنایت فرما - بیماری، ناتوانی، ترددات، نے نکما کر دیا ہے - حکم کو ٹال نہ سکا - بمشکل کچھ اشعار نقل کرکے ارسال خدمت کرتا ہوں - قدر افزا اے اکبر کو خدا خوش رکھے　　۲۴/۱۱ ۲۰　　اکبر

ف یہ اشعار زمانہ میں شایع کر دیے گئے تھے جسپر ہمارے عزیز دوست محروم صاحب نے ایک خط مورخہ ۱۳ - مئی سنہ ء میں جناب اکبر کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا ہے

مارچ نمبر میں حضرت اکبر کی رُباعی کلام محروم کے متعلق پڑھی - مناسب ہے کہ زمانہ ہی میں انکا شکریہ ادا کیا جائے - لہذا اچھا ہوگا اگر زیر ترتیب نمبر میں یہ رُباعی شایع فرما دیجئے -

رُباعی

طبع موزون خدائے برتر سے ملی　　تاثیر کلام قلب مضطر سے ملی
آیا مجھکو یقین کہ شاعر ہوں میں　　جب داد سخن جناب اکبر سے ملی

اکبر کا مذہبی نقطہ نظر

فلسفی، پولیٹیشن اور لکچرار خواہ کچھ ہی کیون نہ کہین، لیکن مسلمانون کے تنزل اور تذلیل کی زیادہ تر وجہ مذہب اور مذہبی فرائض کی غلط فہمی اور کلام اللہ سے عام بے توجہی ہے، اور جب تک یہ حالات درست نہونگے اُسوقت تک ترقی اور نشو ونما کی کوئی اسکیم کامیاب نہین ہوسکتی - یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسکا اعتراف ہر سمجھدار شخص کو ہے، مگر بدقسمتی سے ہملوگون مین ایک فرقہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو کلام مجید اور اُصول مذہب کو اپنی مخصوص ملکیت سمجھتا ہے اور مسلمانون یا عام عالم انسانیت کو اسکا اہل نہین سمجھتا اور حدیث و فقہ کی چند کتابون کا پڑھ لینا تکمیل ایمان و اسلام کا مرادف سمجھتا ہے - کلام اللہ مین غور و خوض کی ہدایتین جسقدر بتکرار آئی ہین اُسقدر شاید ہی کسی دوسرے رکن مذہب کے متعلق ہون لیکن اگر کوئی شخص جو مذکورہ بالا فرقہ کا نہین ہے مسائل اسلام پر غور و خوض کرتا ہے اور اسلام کا سچا درد لیکر اپنی سمجھ کے مطابق رسول خدا کے اصلی پیغام کو عوام الناس تک پہونچانا چاہتا ہے تو اُسے کافر یا ملحد کا لقب ملتا ہے - اس قسم کے نظام کی فطرتاً جو خرابیان ہوتی ہین وہی ہو بہو اس وقت کے مسلمانون مین موجود ہین اور صدیون کی روایات نے اسکی زنجیرون کو اسقدر جکڑ دیا ہے کہ اس قوم کا عہدہ برآ ہونا دشوار ہے - ہر شخص جانتا ہے کہ آجکل مسلمانون مین نام نہاد نماز کے پڑھنے والے اور تراویح اور شبینہ کے گردانے والے نسبتہً دیگر مذاہب کے پابند مذہب لوگون سے زیادہ ہین، لیکن باوجود اسکے دقیق النظر علماؤن، فلسفہ و سائنس دانون، سائنٹفک اختراعات کرنے والون اور ریل اور ہوائی جہاز بنانیوالون مین اگر دیکھا جائے تو شاید ہی کوئی مسلمان نظر آئیگا - برعکس اسکے شرابیون، قماربازون، اوباشون اور جرائم پیشہ لوگون اور جاہلون کی فہرست مین ان نامون کی کوئی کمی نظر نہ آئیگی - اب یا تو اِنَّ الصلوٰة تنہیٰ عن الفحشاءِ والمنکر

کو نعوذ باللہ غلط سمجھے اور یا یہ کہے کہ ہماری عبادتوں پر عبادت کا اطلاق ہی غلط ہے کیونکہ امنوا باللہ وبالیوم الاخر وعملوا الصالحات کے تین اہم اصول جو اسلام کے روح روان ہین، انکا تو کہین پتہ نہین، اور رفع یدین، آمین بالجہر، اور ہاتھ باندھکر یا کھولکر نماز پڑھنے پر سارے اسلام کا دارمدار ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ و سُنی، قادیانی، وہابی، غیر مقلد وغیرہ وغیرہ تو ہزارون ہین لیکن مسلمان بہت کم نظر آتے ہین۔

اکبر مرحوم نے اس نکتہ کو بخوبی سمجھ لیا تھا اور گو وہ بظاہر انھین مُلّانون کے بتائے ہوے طریقے پر چلتے تھے لیکن انکی نظرین انکی ظاہری بود و باش سے بہت ارفع تھین اور انھون نے اپنی شاعری کے ذریعہ سے مسلمانون کے کان کھولنے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا۔ وہ ایک زبردست مصلح قوم تھے لیکن اُنکی طبیعت صلح کُل تھی، اور کہنے کو تو وہ سب کچھ کہتے تھے اور سُننے والون پر اثر بھی ڈالتے تھے، لیکن اُنکی سخت سی سخت بات بھی سُنکر کوئی اُنسے ناراض نہو تھا۔ اُنھون نے جہان کہین اور جس شخص مین کوئی خرابی دیکھی، وہین پر صاف صاف کہدیا، لیکن وعظ و نصیحت کی خشکی پر مذاق اور فضول کا روغن تھا نملکر ع

کلوخ انداز را پاداش سنگ است

کی زد سے بچ گئے اور باوجودیکہ وہ عمر بھر ملّانون سے احتراز کا وعظ کرتے رہے لیکن اُنپر کفر یا الحاد کا فتویٰ نہین لگا، اور یون ہی ہنستے کھیلتے وہ جو کچھ کر گئے وہ ہدایہ اور قدوری والون سے حشر تک بھی نہین ہوسکتا تھا۔

اکبر کا مذہبی معیار جانچنے کے لیے کلیات اکبر مین بہت کافی مصالحہ موجود ہے اور نقاد اور دقیق نظر مین انہین اس عظیم الشان شاعر کے دماغی نشو و نما کے تمام مدارج دیکھ سکتی ہین۔ سب سے پہلی بات جو کلام اکبر مین ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اکبر مرحوم بہت پکے موحد تھے اور ایمان اور خلوص اُنکے مذہب کا اصل اصول تھا۔ فرماتے ہین۔

جو اصلِ کار دین ہے وہ فقط وحدت خدا کی ہو | مذاہب کو بہت جانچا بس اپنے منہ میان مٹھو

(ملاحظہ ہو کلام باری تعالیٰ جل شانہ لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البران امنوا باللہ الخ)

فلسفیوں میں یہ مسئلہ مدتوں سے مابہ النزاع ہے کہ بہترین نیکی (SUMMUM BONUM) کیا ہے لیکن آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے یہ مسئلہ نہایت ہی صاف الفاظ میں حل کر دیا گیا ہے۔ کاش مسلمان پڑھتے اور سمجھتے! اسی توحید اور ایمان کی طرف اکبر مرحوم نے بار بار اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں

ہر شیخ یہ کہتا ہے عقاید میں تو یہ ہیں　　توحید یہ کہتی ہے زوائد میں تو یہ ہیں

اور اس معاملہ میں اکبر مرحوم کا ایمان اسقدر پختہ تھا کہ وہ اسکے سامنے کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

شرک چاہے بہائے میرا لہو　　میں نہ چھوڑونگا لا شریک لہٗ

خالی خولی ٹکریں لگانا، جسے آجکل کی اصطلاح میں نماز کہا جاتا ہے، اُسے اکبر مرحوم نجات کیلیے کافی نہیں سمجھتے تھے اور اُنھوں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ نماز وہ نہیں ہے جسکی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور جو واقعی خواہش ومناہی سے بچانیوالی ہے۔ فرماتے ہیں۔

دوش از صحن حرم آمد بہ کالج قوم ما　　دیدنی گر دیدہ است اکنون صلوٰۃ و صوم ما

لیکن خضوع وخشوع محض حدیث وفقہ پڑھنے سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ یہ ایک قلبی کیفیت پر مبنی ہے جسکا نام ایمان ہے، اور ایمان مظاہر قدرت کے مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں

حدیث وفقہ پڑھکر شیخ بننا خوب ہو لیکن　　زمین وآسمان کو دیکھکر پہلے مسلمان ہو

پھر فرماتے ہیں۔

کرتے پھرتے ہو یہی تحقیق کسنے کیا کہا　　اپنے دل کی بھی خبر تو لو کہ اِسنے کیا کہا

. . . .

کہ گئے واعظ فسانے یہ بھی اکبر غور کر　　تجھسے فطرت کی زبان میں تیرے حسن نے کیا کہا

تاہم اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ علوم مروجہ اور فلسفہ سائنس دیکھکر آدمی مذہب پر رائے زنی کرنے کا اہل ہوجاتا ہے تو یہ بھی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں۔

اِسطرف تو نے ہسٹری رٹ لی　　اُسطرف جاکے فلسفہ پھانکا
لیکن اکبر خیال عقبےٰ میں　　نارو جنت کو بھی کبھی جھانکا

(کلام پاک:- الھٰکم التکاثر حتی زرتم المقابر..... لترون الجحیم ثم لترون الجحیم......
ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم)

غرضکہ وحدت کا احساس علوم فنون اور فلسفہ و سائنس سے بالاتر ہے اور منطقی مباحث سے ایمان کی تکمیل ناممکن ہے - فرماتے ہیں -

خدا کے باب میں یہ غور کیا ہے؟ خدا کیلئے ہے، خدا ہے اور کیا ہے!

(کلام پاک: یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی

اس روحانی راستہ کے لیے رہنما کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جسقدر خلوص اور لگاؤ ہوگا اُسی قدر راستہ سہل ہوگا - فرماتے ہیں:-

ضرورت کم ہے راہِ عشق میں خضر ہدایت کی   بقدر شوق سالک خود کشش ہوتی ہے محمل سے

غالب کہتا ہے:-

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں   مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

لیکن اسکے بعد ہی جب ہم اکبر ہی کے کلام میں یہ شعر دیکھتے ہیں کہ:-

عاقبت کیلیے کافی ہے فقط ذکر خدا   سوشل اغراض کو کچھ پیر بنا رکھے ہیں

اور نیز:-

شیخ جی بھی وہی کرتے ہیں جو سب کہتے ہیں   اب تو ہم مصلحتاً اُنکا ادب کرتے ہیں

تو ہمیں نظام معاشرت کی اُن زبردست زنجیروں کی قوت کا احساس ہوتا ہے، جنکا توڑنا ہر شخص کا کام نہیں اور جنکی طرف خود ہی اکبر مرحوم نے اشارہ کیا ہے:-

یہ پچھاڑیں کھاتے ہیں تھکتے ہیں پکڑتے ہیں شیخ جی کا دامن
مگر مشینیں جو چل رہی ہیں اُنھیں میں پسے گھسٹ رہے ہیں

اس نقطۂ خیال کو ہم کہاں تک اکبر مرحوم کی اخلاقی کمزوری کہہ سکتے ہیں، اس بحث کی ہم اس جگہ گنجائش نہیں دیکھتے، لیکن ایسی حالت میں جبکہ ہماری سوسائٹی کا سارا نظام بگڑا ہوا ہو اور بقول اکبر:-

کیا ناز ہو ایسی ساعت پر، افسوس ہے ایسی حالت پر
یا جھوٹ کہے یا کچھ نہ کہے، یا کفر کرے یا کچھ نہ کہے

ایک شخص کا بلا لحاظ کفر و الحاد کے فتووں کے کھڑا ہو کر حقیقت حال سے باخبر کرنا بذات خود

ایک نہایت ہی اہم کام ہے اور اکبر مرحوم ایسی صورت میں ہر طرح سے قابل تحسین اور تحسین قوم ہین اور جو راستہ اُنھون نے دکھا دیا ہے اگر اُسکی طرف آیندہ نسلون نے کچھ بھی توجہ کی تو یہ ایک مہتم بالشان کام ہوگا۔

اس وقت نظری اور عالی خیالی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اکبر مرحوم ہر قسم کے مذہبی تعصبات اور تنگ خیالیون سے بالاتر تھے اور اُنھون نے کلام پاک کے اس رمز کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ اشخاص قابل نفرت نہین ہوتے بلکہ افعال ہوتے ہین۔ فرماتے ہین:۔

میرے نزدیک تو بے اصل یہ اشکال ظاہر ہین جو اچھے ہین وہ مومن ہین بُرے جو ہین وہ کافر ہین

اور نیز:۔

اچھا بُرا نہ کہدو تم مذہبی بنا پر اخلاق اُسکے دیکھو اصلی تو ہین یہ جوہر

اور اسی لیے اُنھین مذہبی مباحث سے نفرت تھی۔ فرماتے ہین:۔

مذہبی بحث مین نے کی ہی نہین فالتو عقل مجھ مین تھی ہی نہین

اور ایسے مباحث کو وہ قومی ترقی کے منافی سمجھتے تھے:۔

لات و عزیٰ سے چھٹے تو زید و خالد مین پھنسے فائدہ کیا خلق کو پہونچا ہے اسلام سے

کاش ہمارے مسلمان بھائی اس باریک نکتہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو اُنھین معلوم ہوتا کہ رسول کریم کے بتائے ہوئے راستہ سے ہم کتنی دور ہٹ گئے ہین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ وعظ فرما رہے تھے کہ سامعین مین سے ایک صاحب کو حال آگیا اور وہ جھومنے لگے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اُنھین مسجد کے مینار پر لیجاؤ اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ابھی سے اسلام مین اس قسم کے فسادات پیدا کرنے لگے۔ آج ہمارے یہان ایک فرقہ حال وقال کو اصل مذہب بنائے ہوئے ہے اور دوسرا فرقہ محض ظاہری اور سطحی باتون پر کٹا مرتا ہے۔ اکبر مرحوم نے اپنی دقیق نظرون سے دیکھ لیا کہ یہ دونون فرقے راہ راست سے علحدہ ہین:۔

جو حرا کے جاننے والے تھے صوفی ہوگئے داستان بد روا ہے شیعہ سنی ہوگئے

انسان کا جسم روح اور مادہ سے مرکب ہے اور سچے مذہب کا یہ کام ہے کہ وہ ان دونون کی

نگہداشت کرے اور دونون کی بحیثیت مجموعی ترقی کے وسائل بتائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسکا ایک بہترین نمونہ تھی لیکن افسوس ہے کہ اس زندگی کے ہمنے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور ایک ایک حصہ کو لیکر سیکڑون فرقے بنا ڈالے۔ اکبر مرحوم نے اس شعر مین اشارۃً کہدیا ہے کہ اصلی اسلام اس پاک زندگی کے بحیثیت مجموعی مطالعہ کا نام ہے نہ کہ اسکی محض جزوی اور فروعی تقلید کا۔ آجکل بعض مسلمان کو اپر یشر شدومد سے اسکے مدعی ہین کہ اہنسا یا عدم تشدد انکے مذہب کے خلاف ہے لیکن انھون نے شاید اسپر غور نہین کیا کہ یہ خیال بھی رسول اللہ کی زندگی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے سے پیدا ہوا ہے تاہم یہ بحث بھی خالی از طوالت نہین۔

لیکن باوجود اس احساس کے اکبر مرحوم کی شاعری کا رجحان زیادہ تر خالص روحانیت کی طرف ہے، جسکی وجہ غالباً بعض پرائویٹ حالات اور زندگی کے تلخ تجربات ہین۔

بہرحال اکبر مرحوم کے نزدیک مذہب ایک زندہ حقیقت تھی اور محض چند عقاید یا سطحی فروعات کے مجموعہ کا نام مذہب رکھنا انکے نزدیک ناجائز تھا۔ فرماتے ہین:-

جب قدم راہ طلب مین نہ بڑھے لے اکبر بیٹھکر پانون ہلانے کا نتیجہ کیا ہے

ایک جگہ اور فرمایا ہے:-

آمنو مین تو سب کے آگئے ہین عملو الصالحات مشکل ہے

اس سلسلہ مین اکبر مرحوم نے عقل و مذہب کے تعلق کو اس خوبی سے دکھایا ہے جسکا جواب ممکن نہین:-

عقل مذہب سے دوستی رکھے نہ تو دشمن ہو اسکی اور نہ غلام

لیکن دوستی بغیر ایک دوسرے کے خصائل جانے ہوے اور طبیعت کا اندازہ کیے ہوئے پائیدار نہین ہوتی اسلیے اکبر مرحوم نے ان دونون کے افعال و خواص بھی الگ کر دیے ہین۔ فرماتے ہین۔

خوب اکبر نے یہ اڑائی تان عقل ہے آنکھ اور مذہب کان

گناہ اور ثواب کے متعلق فلسفیون اور علماؤن مین بہت کچھ چھیڑ چھاڑ چلی جاتی ہے لیکن اکبر مرحوم نے اپنی فطری ذکاوت سے اس مسئلہ کو بھی اسطرح حل کر دیا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش نہین رہی۔ فرماتے ہین۔

شگفتہ پایا طبیعت کو بعد کار ثواب   دلیر دل کو نہ پایا کبھی گناہ کے بعد

ایک اور نہایت ہی مہتم بالشان مسئلہ جو قضا و قدر کے نام سے مشہور ہے۔ اکبر مرحوم کے نزدیک نہایت ہی سہل تھا اور مندرجہ ذیل شعر پڑھ کر سر تسلیم خم کئے ہی سمجھتے تھے۔

دست قدرت میں ہو یہ خاک چمن اے اکبر   اس سے کیو نکر یہ کہوں پھول ہی بن خار نہیں

مغربی حکومت اور مغربی تہذیب کے رواج کا جو تباہ کن اثر عام ہو رہا ہے اس سے اکبر مرحوم بیخبر نہ تھے اور اس معاملہ میں آپ نے ابنائے قوم کے کان کھولنے کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا فرماتے ہیں :-

وہ اسکو مو کلیسا بنا کے چھوڑینگے   اس اونٹ کو خر عیسیٰ بنا کے چھوڑینگے

علماء کا طبقہ اس اثر سے سب سے زیادہ متاثر ہے اور اکبر مرحوم کی دور بین نگاہیں اس نکتہ کی تہ کو پہونچ جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

کیا ہے باقی جناب قبلہ میں   کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے

یہی وجہ ہے کہ اکبر مرحوم زمانہ حال کی تہذیب کی ظاہری نمائشوں کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اسے مذہب و قوم کے لیے سم قاتل سمجھتے تھے فرماتے ہیں۔

فلسفہ اولاً آئین کی چال کا ہمدوش ہے

آئین دولت غیر سے ہے اور ہم میں مذہب نوش ہے

اس نظام معاشرت کی مذمت میں اکبر مرحوم کے ہزاروں اشعار ہیں لیکن طوالت اور خلاف موقعہ ہونیکے لحاظ سے اسی پر اکتفا کیجاتی ہے

اوپر کی مختصر بحث اکبر مرحوم کے مذہبی نقطۂ نظر کا ایک سرسری خاکہ ہے اور ہم اپنے یہاں کے مشاہیر اہل قلم کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اس حیثیت سے کلام اکبر کا مطالعہ کریں اور اسکی باضابطہ تنقید و توضیح سے ایک اہم قومی خدمت انجام دیں۔

رحم علی الہاشمی

سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر اینڈ پنڈنٹ الہ آباد

عشاق عرب

ذرعہ اور ظریفہ

(۱)

فطرت نے حسن وجمال کو وہ دلکش تاثیر عطا فرمائی ہے کہ پتھر کا دل رکھنے والا انسان بھی اُسکے اثر سے متاثر ہو جاتا ہے۔ اُن سرکش اور مغرور ہستیون کی گردنین بھی اُسکی بارگاہ مین جھک جاتی ہین جو کسی کے آگے سر جھکانا اپنی توہین سمجھتی ہین۔ کسی حسین و مہ جمیل کی نشیلی آنکھون کا خفیف سا اشارہ نظام تخیل کو درہم برہم کر دینے کے لیے کافی ہے،

سرزمین عرب کی جنون خیزی اور عشق پرستی ہمیشہ سے مشہور ہے، صفحات تاریخ شاہد ہین کہ اس عشق آفرین خطہ نے قربان گاہ حسن پر کتنی قربانیان چڑھائی ہین، ہر وہ زمین کوئی نہ کوئی مثال ایسی ملتی ہے جسکے دامن مین عشق کی ناکامیون اور نامرادیون کی خونین داستانین پنہان ہوتی ہین وہان کی خاک مین خدا جانے کتنے دلون کے ذرے اور ذرّون کی چمک مین نہ معلوم کتنے مہجبینون کے جلوے شامل ہین۔

اسی جنون نواز سرزمین پر ذرعہ بھی گزرا ہے جو اپنے وقت کا قیس تھا، اُسکا تعلق عرب کے مشہور حسن پرست و عاشق مزاج قبیلہ "بنی عذرہ" سے تھا۔

ذرعہ ایک دفعہ شکار کی جستجو مین چند سایہ دار درختون کے پاس سے گزرا جنکے سایہ کو عرب کے تھکے ہوے خستہ حال مسافر شدت گرما سے عاجز و تنگ ہو کر نعمت عظمیٰ سمجھتے ہین۔ سامنے ایک تالاب تھا جسکے کنارے بہت سی عورتین نہا دھو رہی تھین ان سب سے الگ ایک نوجوان دوشیزہ کنارے پر پانی کی طرف منھ کیے کنگھی کر رہی تھی اُسکے لمبے لمبے سیاہ بالون نے سارے جسم کو ڈھانپ لیا تھا گھنے بالون مین اُسکا حسین چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شب تار مین ماہ تمام نکل آیا ہے،

نوجوان نے جون ہی اُسکی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا عذری خون رنگ لایا حُسن کی تاثیر رگون مین بجلی کی طرح دوڑ گئی اور وہ دفعتہً بیہوش ہو کر گر پڑا۔

نازنین بال سنوارنے مین مشغول تھی اُسنے ایک راہ چلتے کو اسطرح یکایک گرتے ہوئے دیکھا تو ازراہ انسانیت وہمدردی اُسکے پاس اٹھکر آئی اور بیہوش دیکھکر منھ پر پانی کے چھینٹے دینے لگی نوجوان کو ہوش آیا تو اُسنے نہایت حیرت کے ساتھ دیکھا کہ جس غارتگر عقل وہوش نے اُسکے دل وجگر کو زخمی کیا تھا وہ اب مرہم رکھنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ اُسنے نہایت تعجب سے کہا "کیا کوئی قاتل قتل کے بعد مقتول کو اسطرح زندہ کرنے کی (بھی) کوشش کرتا ہے" نازنین نے اسکا تلطف آمیز جواب دیا جو جذبات محبت سے لبریز تھا۔

"مینے اسوقت جو کچھ بھی آپ کی خدمت کی اُس سے آپ کی فوری شکایت رفع ہوگئی اور اسکے بعد آپ کو مجھسے کسی قسم کی شکایت کرنے کا موقع نہین ملا" دیر تک وہ ذرعہ سے اسی قسم کی محبت آمیز باتین کرتی رہی جس سے اُسکے دل کو بہت کچھ تسکین ہوئی اور اُسکی بیقرار روح جو حالت اضطرار مین مائل پرواز تھی پھر جسم مین واپس آگئی مگر اب نازنین بھی تیر عشق سے اپنے دل کو محفوظ نہ رکھ سکی اُسکے دل مین بھی بچی اور پاک محبت کی لہرین اُٹھنے لگین اور اسطرح حضرت عشق کے مقتولون مین دو کشتگان محبت کا مزید اضافہ ہوا۔

ذرعہ کی طبیعت مین اطمینان وسکون پیدا ہوا تو اُسنے شکار کا ارادہ فسخ کر کے مکان جانا ہی مناسب سمجھا اُسنے افسوس کے ساتھ کہا "شکار کھیلنے آئے تھے مگر آہ کیا خبر تھی کہ (خود ہی) کسی کے خنجر ناز سے شکار ہو جائینگے" اور ذیل کے اشعار پڑھتا ہوا مکان کی طرف روانہ ہوا۔

خرجتُ أصيد الوحش صادفت قانصًا

من الدبر صادتني سريعًا حبائله

مین وحشی اور جنگلی جانورون کا شکار کرنے گھر سے نکلا تھا کہ مین نے سفید جال والی ہرنی کو دیکھا اور (قبل اسکے کہ مین شکار کھیلون) اُسکے پھندون نے خود مجھے بہت جلد پھانس لیا۔

فلما رماني بالنبال مسارعًا ... رفاني واهل ميت يداويه قاتله

اور جبکہ اس تیزی کے ساتھ وہ میرے دل وجگر پر تیر مار چکی تو اس اُمید مین کہ مین اچھا ہو جاؤن

تجھ پر افسوں پڑھنے لگی (لیکن) کیا کوئی قاتل قتل کے بعد مقتول کی چارہ سازی بھی کرتا ہے،

الا فی سبیل اللہ صب قلا نقضے ولم یبلغ مرادا یحبا و لـه

آگاہ رہ کہ ایک سرگشتہ وجنون محبت کے راستہ مین بہت جلد گزر گیا مگر حالت یہ ہے کہ وہ اپنے مقصود کو ابھی تک نہین پہونچا۔

(۲)

گھر پہونچا تو حالت ہی دوسری تھی، دل کے ساتھ اسکے چہرے کا رنگ بھی بدل چکا تھا "عشق" نے اُسکی تمام باتون مین انقلاب پیدا کر دیا تھا مکان کے گوشہ مین پڑے رہنے اور بجوشش عشق مین اشعار پڑھنے کے سوا دوسرا شغل نہ تھا اُسکی ماں نے اُسکی حالت مین یہ تغیر اور اُسکے چہرہ پر حزن واضمحلال کے آثار نمایاں دیکھے اور تنہائی مین عشقیہ اشعار پڑھتے سنا تو سمجھ گئی کہ ضرور کسی نے اُسے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اُسے قسمین دلائین کہ صحیح واقعے اور گزری ہوئی مصیبت سے اطلاع دے، ماں کے اصرار پر اُسنے اپنے دردِ دل کا اظہار کر دیا۔

بیٹے کی فریفتگی کا حال سنکر اُسے سخت فکر پیدا ہوئی اور اُس "سفید ہرنی" کی جستجو مین جسکی آنکھون نے اُسکے بیٹے کو بیمار بنا دیا تھا، گھر سے نکل پڑی۔

حسن اتفاق سے وہ حسین نازنین بھی خود اُسی کے قبیلہ "بنی عذرہ" کی لڑکی تھی اُسکا نام ظریفہ بنت صفوان تھا۔ ذرعہ کی ماں کو اسکا علم ہوا تو وہ ظریفہ کے پاس گئی اور خلوت مین بیٹے کی حالت زار سے مطلع کیا اور نہایت لجاجت سے کہا "ظریفہ ایک مقتول ناز کی زندگی تمھارے اور صرف تمھارے ہاتھ ہے اگر تم اُسے زندہ دیکھنا چاہتی ہو اگر تمھاری خواہش ہے کہ اُسکے مرض عشق مین تخفیف ہو جائے۔ تو اُسکی صرف ایک صورت یہ ہے کہ تم اُسکی بیقراریون پر رحم کرو"

ظریفہ نے اُسکے جواب مین کہا آپ جو کچھ فرما رہی ہین میری خود بھی یہی آرزو ہے لیکن یاد رہے کہ مخالفت کرنیوالے بہت ہین، اگر کہین محبت کا راز افشا ہو گیا تو دشمن تو دشمن خود دوست بھی بدخواہ ہو جائینگے۔ مناسب یہ ہے کہ میرے سر کا بال لیجا کر آپ اُنھین دیدین اگر انھین میرے ساتھ سچا عشق ہے اور پاک دلے لوث محبت، تو اسکے پاس رکھنے سے انھین یقیناً شفا ہو گی، یہ کہکر اُسنے سر سے ایک بال توڑ کر ذرعہ کی ماں کو دیدیا وہ اس سوغات کو بیٹے کے پاس

لیکن ذرعہ نے اس نایاب تحفہ کو دیکھا تو وفور شوق سے بیخود ہوکر اُسے چومنے لگا۔ نہ معلوم اس بال مین کیا تاثیر بھری تھی کہ ذرعہ کی مضطرب و بیچین طبیعت سنبھلنے لگی، رفتہ رفتہ اُسکی بیقراریان سکون پذیر ہوئین اور بھوک پیاس جو بالکل بند ہو چکی تھی پہلے کی طرح عود کر آئی اور دفعتہً وہ مریض جو کمزوری وضعف کے باعث اُٹھنے بیٹھنے سے معذور تھا تندرست ہوگیا۔

اب اُسمین اتنی سکت آگئی تھی کہ ظریفہ کے گھر سے کچھ دور کھڑا ہوکر دزدیدہ نگاہون سے معشوقہ کی طرف دیکھتا ظریفہ بھی نیچی نگاہون سے اُسکی طرف دیکھتی اور اسطرح دو ہجران نصیب آنکھون ہی آنکھون مین ایک دوسرے کے وصال سے متمتع ہوتے رہتے تھے۔

وہ وہان روز جاتا اور نازنین کے گلوسوز حسن سے اپنی تشنہ نگاہون کو سیراب کرتا مگر آہ یہ حالت بھی زیادہ دنون تک قائم نہ رہ سکی محبت والفت کا سربستہ راز کسی نہ کسی طرح اہل قبیلہ پر منکشف ہوگیا، نازنین کے عزیز واقارب ذرعہ کے درپے آزار ہوگئے۔ اُنھون نے اُسکے قتل کا تہیہ کرلیا ذرعہ کو اسکی اطلاع ہوئی تو یمن کی جانب چلا گیا معشوق کے تحفہ (بال) نے اُسکے ساتھ آبحیات کا کام کیا، اورجب کبھی اُسکا جوش عشق انتہا سے گزرجاتا تو وہ اُس بال کا بوسہ لیتا مُنھ پر پھیرتا اور اُسکے قلب مضطرب کو ذرا دیر کے لیے تسکین ہوجاتی۔

ایک دن وہ اپنی قیام گاہ سے کسی ضروری کام کو جارہا تھا بدقسمتی سے راہ مین بال معلوم کہان غائب ہوگیا اُسنے بہت تلاش کیا مگر کامیابی نہوئی، بال کا گم ہونا اُسکے لیے سم قاتل ہوگیا چہرے پر مایوسی چھاگئی حالت پہلے کی طرح متغیر ہونا شروع ہوگئی، جوش جنون نے جذبہ عشق کا ساتھ دیا اور کوے محبوب مین پہونچنے کی دُھن بندھی۔ لوگون نے اُسکے مجنونانہ ارادہ کی اطلاع پائی تو اُسکے ہمدردی روکنا چاہا خوف دلایا اور خطرہ سے آگاہ کیا،

مگر اُسنے یاس آمیز لہجہ مین کہا، خدارا مجھ پر رحم کرو، مجھے میری حالت پر چھوڑ دو اسوقت مجھے صرف دو باتون کی خواہش ہے، یا تو مین آرزوے وصال مین کامیاب ہوجاؤن یا میری آرزوون کی طرح میرا بھی خون کردیا جائے۔

(۳)

ذرعہ کا ایک واقفکار ابو اشراللہ کہتا ہے کہ ذرعہ راستہ مین بیٹھا ہوا تھا کندھے پر دو چادرین

تھین اور ایک لڑکے سے جو اُسکے قریب بیٹھا تھا یہ کہہ رہا تھا، جب تو اُسکے گھر کے قریب پہونچنا تو ان اشعار کو بلند آواز سے پڑھنا اگر کامیابی کے ساتھ تو نے اس کام کو انجام دیا تو انہین سے ایک چادر کا تو مالک ہے" لڑکا یہ سُنکر ظریفہ کے مکان کی جانب روانہ ہو گیا مین چپکے سے اُسکے پیچھے پیچھے ہو لیا، جب وہ ظریفہ کے مکان کے قریب پہونچا تو بلند آواز سے یہ پُر درد اشعار پڑھنے لگا

مریض بأفناء البیوت مطرح　　به ما به من لاعج الشوق یبرح

ایک مریض عشق گھر کی چہار دیواری مین پڑا ہوا ہے، اُسکے ساتھ وہ چیز ہے کہ جسکی وجہ سے آتش شوق سے المناک ہے۔

وقالوا الا اجل الیاس عودی لعلها　　تشکاه من الا مر وجد لشئ یمسح

اور لوگون نے کہا۔ یاس و نا امیدی کی وجہ سے لوٹ آ (اسلیے کہ) جس چیز کی تجھے شکایت ہے شاید زیادتی شوق کی وجہ بالکل ہی رفع ہو جائے۔

ولیس دواء الداء الا بحیلة　　اضر بنا فیها غن ام مبرح

اور کسی مرض کی دوا بجز حیلہ کے کچھ نہین ہے اور اسی حیلہ مین جذب عشق کی زیادتی نے ہمین نقصان پہونچایا

اذا ما سألنا ه نوالا تنیله　　فصم الصفا منها بذالك اسمح

مین نے اُس نے بخشش کا سوال کیا جو اُسکے اختیار مین ہو مگر آہ! اُس سے تو پتھر بھی زیادہ سخی ہے

لڑکے نے ان اشعار کو ختم کیا ہی تھا کہ قریب کے مکان سے شعر پڑھنے کی دردناک آواز آنے لگی جسنے اسکو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

رعی الله من هاد الفواد بحبه　　ومن کدت من شوقی الیه اطیر

خدا اُس شخص کی حفاظت کرے جسکی محبت سے میرا دل مضطرب ہو گیا اور قریب ہو گیا کہ زیادتی شوق کی وجہ سے اسکی طرف دوڑ جاؤن "

لئن کثرت انزاح لوعة　　فان الوشاة الحاضرین کثیر

اگر کمین محبت کی سختیان زیادہ ہو گئین تو بلاشبہ یہان چغلخور موجود ہین "

فیمشون بینثرون غیظا وشرة　　وما منهم الا اب وغیور

بیشک یہی چغلخور عزیز و اقارب کے پاس جاتے ہین اور سختی کرنے کا مشورہ دیتے ہین اور جنھین

یہ اس قسم کا مشورہ دیتے ہین وہ بجز باپ اور چند خود اہل قبیلہ کے اور کوئی نہین،

فان لم ازر بالجسم خیفة معشر فللقلب ات لحولم فلیزور

پس گو مین نے لوگون کے خوف سے جسمانی ملاقات نہین کی مگر تمھاری خیالی تصویر میرے دل مین آتی ہے اور مین اُس سے (آزادی کے ساتھ) شوق وصال کو پورا کر لیتی ہون۔

لڑکے کا مقصد حاصل ہو گیا، وہ واپس ہوا اور ذرعہ کو وہ دردناک اشعار سُنائے سنتے ہی ذرعہ بیہوش ہو گیا، کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو فراقیہ اشعار پڑھتا ہوا مایوس و ناکام گھر چلا گیا اور پہلے کی طرح عزلت نشین ہو گیا۔

(۴)

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُسی قبیلہ کے ایک شخص ثعلب سے ظریفہ کا بیاہ ہو گیا۔ ذرعہ کو اس افسوسناک واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُسکا اضطراب انتہائی درجہ تک پہونچ گیا دفعتہً وہ بیہوش ہوا کہ پھر کبھی ہوش نہ آیا۔

ہجران نصیب ظریفہ کو اس دردناک اور مایوس کُن سانحہ کی خبر ہوئی تو اُسکی حالت غیر ہو گئی عاشق کے غم مین اُسکے بے اختیار آنسو نکل پڑے شب و روز بجز رونے اور غم کھانے کے دوسرا کام نہ تھا حتیٰ کہ اُسنے اپنے شوہر کی طرف بھی التفات نہ کیا۔

ایک دن آدھی رات کے وقت جبکہ قریب قریب سارا عالم محو خواب تھا ظریفہ بیقراری کی حالت مین خوابگاہ سے اُٹھی، اتفاق سے مجھے معلوم ہو گیا مین چپکے سے پیچھے پیچھے ہو لیا یہان تک کہ وہ نہر کے کنارے پہونچکر اُسکی تاریک موجون کو دیکھتی۔ قبیلہ والون کو خبر ہوئی تو اُسکو نکال کر قریب کے خیمہ مین لے گئے، اُسکے جسم سے زندگی کے آثار رخصت ہو چکے تھے۔ نبض کی حرکت بمشکل محسوس ہوتی تھی۔

صبح ہوئی تو اُسکی مان خیمہ مین آئی اُسوقت اُسکی نزع کی حالت تھی، آنکھین پتھرا چکی تھین، اُسنے اشارہ سے پانی مانگا پانی پلانے کے ساتھ روح پرواز کر گئی۔

(ترجمہ) حسین (از بریلی)

میر افضل ثابت الہ آبادی

ثابت کا اصلی وطن بدخشان ہی کیونکہ انکے والد کا نام اسلام خان بدخشانی ہی گرچہ انکی ولادت الہ آباد مین ہوئی اسلیے الہ آبادی مشہور رہین- لیکن انکے کلام کی بلند پایگی اُستادان فارسی کی ہم پلہ ہی نازکخیالی اور معانی آفرینی ایسی ہی کہ ہر مبصر دل سے معترف و مداح ہو سکتا ہی- علوم متداولہ فارسی و عربی مین ممتاز قابلیت رکھتے تھے عرصہ تک دار الخلافہ شاہجہان آباد مین قیام رہا اور وہان انکی شاعری اور علمی قابلیت بہت کچھ مشہور و مسلم رہی- اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی اور تمام ماہرین فن سخن انکی اُستادی کے قائل تھے-

واقعات کربلا کو بھی خوب نظم کیا ہی- نمونتہً ایک مطلع ملاحظہ ہو-

محرم است دلا سیل خون ز دیدہ ببار
ز شاہ تشنہ لبان آب چشم باز مدار

ثابت آخر عمر مین قریباً تارک الدنیا ہو گئے تھے درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے ان کا سال وفات ۱۱۶۲ھ ہی- علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے انکی تاریخ وفات موزون کی ہی چنانچہ

آستاد زمان کہ کرد تعلیم — اعجاز سخن بکلک صامت
تاریخ براے رحلت او — فرمود خرد رحیل ثابت

ذیل مین ناظرین کی تفریح طبع کیلیے انکی غزلیات کا انتخاب درج کیا جاتا ہے

دشنہ حاجت نیست خونریز دل بیتاب را — کار با خنجر نباشد کشتن سیماب را

عجیب لطیف مطلع کہا ہی- سیماب کو خنجر وغیرہ سے اگر قتل بھی کیا جاے تو وہ فوراً پھر اپنی حالت پر آجائیگا اسی طرح دل بیتاب دشنہ سے ذبح نہین ہو سکتا خلاصہ یہ ہے کہ عاشق صادق کو حیات ابدی حاصل ہو جاتی ہی- اسی زمین مین یہ عاشقانہ شعر بھی

لاجواب ہے

شمیم زلف تو از داغ دل بر آوردہ — چو بوے نافہ چین موکشان فغان مرا

ولہ

میکشد بے پردہ تصویر ترا نقاش حیف — آشناے صورت خود میکند بیگانہ را

ولہ

بہ پیچد زبان در روز حال تباہ ما — دارد چو عمر صد اشت گرہ تا آہ ما

تا شکر ناوک تو کند مغز جان ما — دارد زبان برنگ قلم استخوان ما

ناوک یار کی شکر گزاری کے لیے استخوان کا قلم بنا قلم ہے

(گلہ بیکسی)

بیہودہ چون سپند چہ اگر م شیونیم — پیچشمے نریخت اشک زدود فغان ما

کہتے ہین جسطرح سپند بیقرار انہ جلکر شیون کرتا ہے اور اسکے دود آہ کا اثر کسی پر نہین ہوتا اسی طرح ہمارے دود فغان پر کسی کی آنکھ سے آنسو نہین گرتا یعنی کسی کو ہماری حالت سے ہمدردی نہین اسلیے گرم شیون ہونا بیکار ہے ۔

چشم عاشق را نہ باشد احتیاج توتیا — بوے پیراہن جوا ہر سرمہ شد یعقوب را

ولہ

نمی دانم چہ باشد از گلستان نفع گلچین را — کہ می سازد روان از چشم بلبل اشک خونین را

تزکیہ نفس و اخلاق

اگر تن را نہ باشد دل منور زیر خاکش کن — نباشد در شبستان عزت فانوس خالی را

ولہ

اے کہ در آمدن خویش حجابے داری — گر شب ماہ نیائی بہ شب تار بیا

ذیل کا شعر نہایت صاف وسادہ ہے اور مصرعہ اولی مین "دلسوزی" نے نہایت دلاویز معنی پیدا کردیے ہین ۔

چہ قدر با منو دلسوزی — داغ عشق تو قدر دان من است

ولہ

اینچنین صیاد بالا دست در عالم کجاست	بستن خورشید بر فتراک کار زلف کیست

مذکورۂ بالا شعر اپنی معنوی بلاغت کے لحاظ سے بہت ہی خوب ہے۔ میرے خیال مین مضمون نیا ہے خورشید کا بحیثیت نخچیر فتراک زلف مین باندھنا صیاد بالا دست کی چالاکی کو ظاہر کرتا ہے۔ آفتاب کی شعاعین زلف سے مشابہ ہین اور انھین شعاعون مین آفتاب کا بستہ ہونا بدیہی ہے اور یہی شعاعین گویا صیاد بالا دست کی زلف ہے۔

بسکہ در تیغ سینہ ام بر روے کار افتادہ ہست	آتشے در خانمانِ لالہ زار افتادہ است

ولہ

سحر کہ پر تو نور تو از نقاب گزشت	عرق ز جامۂ زرین آفتاب گزشت
بہ سیل ہیچ میسر نشد بجز خجلت	ہزار بار از ین خانۂ خراب گزشت

مطلع کے مصرعہ اولی مین پرتو جمال یار کی تعریف ہے اور اسکے نور کو آفتاب سے بڑھکر ثابت کیا ہے جامۂ زرین آفتاب کا سحر کو عرق ریز ہونا اس اعتبار سے ثابت ہوتا ہے کہ صبح کو شبنم گرتی ہے اور یہی گویا اسکا عرق انفعال ہے اور دوسرا شعر سیل والا بھی بہت پسندیدہ ہے خانہ خراب کو سیل سے کیا نقصان پہونچ سکتا ہے اسیلیے سیل کی خجالت ظاہر ہے۔

دور باید کرد از خاطر غبار شکوہ را	صفحۂ آئینۂ دل در خور زنگار نیست

ولہ

می کشد سحر در علامت لم	نرگس یار گرچہ بیمار است

ولہ

موسم پیری است می باید عطا	دست ما و گردن مینا خوش است

دستار شگوفہ

ابر ہا امسال پر مستانہ رفتار آمدہ است	از شگوفہ شاخہا آشفتہ دستار آمدہ است

ولہ

فرمان بوسہ گرچہ زخطش گرفتہ ام	حکم جدید از لب خندانم آرزو است

ولہ

دامن شب نتوان داد زغفلت از دست شانۂ زلف ال دست دعائے سحر است

ولہ

بوستان پیرا چرا آزردہ خاطر می شود عندلیب ما زفکر آشیان برخاستہ است

(رندانہ)

خانقاہ و مسجد و بتخانہ را کردیم سیر ہیچ جا کیفیتے چون خانۂ خمار نیست

ولہ

خامشان را نیست ناصر احتیاج عرض حال گریۂ طفلِ بے زبان را ترجمانے دیگر است

ولہ

بوسہ گر از لب شکر فشان خود نداد صبر باید کرد اندک خاطرش رنجیدہ است

ولہ

ضعفا را بحقارت نتوان کرد نظر دفتر حسن بہ شیرازۂ موے کمر است

ولہ

تنگی جا نہ کند تنگ دلِ روشن را سنگ خلوتکدۂ خاص برائے شرر است

ولہ

مرا شوق نظر بازی است با محبوب بے پروائے کہ گر از دور چشمے وا کنم ابرو بگرداند

(اعجاز)

اپنے ذاتی خیالات پر یقین کامل رکھنا۔ اور نیز اس بات پر کہ جو شے تمھارے لیے راست ہے وہی ہر شخص کے لیے ہے یہی بلند خیالی ہے۔ حضرت موسیٰ۔ فیثاغورث۔ سقراط اور ملٹن کی ہم اسیلیے تعریف کرتے ہین کہ اُنھون نے کتابون اور روایات کو بالائے طاق رکھکر جو کچھ کہ اورون نے خیال کیا وہ نہین۔ بلکہ جو کچھ کہ خود خیال کیا اسکی تعلیم دی۔

امرسن

بزم پریشان

(۱)

لکھنؤ کے محلہ نوبستہ مین ایک منشی میکو لال مختار رہتے تھے۔ بہت ہی مہمان نواز، خوش طبع اور نیک آدمی تھے۔ قانون مین اتنے ماہر کہ ایسا شاذ ہی کوئی مقدمہ ہوتا تھا جسمین وہ ایک فریق کی طرف سے نہ رہتے ہون۔ سادھو سنتون سے بھی انھین عقیدت تھی۔ انکے فیض صحبت سے مختار صاحب نے کچھ علم حقیقی اور کچھ چرس گانجہ کی مشق حاصل کرلی تھی۔ رہی شراب، وہ انکی خاندانی صفت تھی۔ شراب کے نشہ مین وہ قانونی مسوّدے خوب لکھتے تھے۔ طائر فکر آسمان پر جا پہونچتا تھا۔ گانجے اور چرس سے انکی نگاہ باطن روشن ہوجاتی تھی۔ دم لگاکر وہ یاد الٰہی مین محو ہوجاتے تھے۔ اسکے بغیر استغراق کی کیفیت نہ طاری ہوتی تھی۔ محلے والون پر انکا بڑا رعب تھا۔ لیکن یہ انکی قانونی وقار کا نہین انکی طبعی شرافت کا نتیجہ تھا۔ محلے کے یکہ بان، گوالے، کہار، سب انکے بن دامون غلام تھے۔ اپنے سو کام چھوڑکر انکی خدمت بجا لاتے تھے۔ مختار صاحب کی مخمر فیاضی نے انھین رام کرلیا تھا۔ وہ روز کچہری سے آتے ہی الگو کہار کے سامنے تین روپیے پھینک دیتے تھے۔ الگو انکا منشا سمجھ جاتا تھا، کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی۔ شام کو شراب کی ایک بوتل، کچھ گانجہ اور چرس آجاتا بزم نشاط آراستہ ہوجاتی تھی۔ یاران جان نثار آپہونچتے۔ ایک طرف موکلون کی قطار بیٹھتی۔ دوسری طرف احباب کی۔ معرفت اور ویراگ کے مسئلے پیش ہوجاتے۔ اثناء تقریر مین موکلون سے بھی دو چار باتین کرلیتے تھے۔ دس بجے تک مجلس گرم رہتی تھی۔ منشی جی کو اپنے پیشے اور اس ذکر معرفت کے سوا دنیا کے اور کسی معاملہ سے سروکار نہ تھا۔ ملک کی کسی تحریک، کسی تقریب، کسی مسئلہ سے انھین تعلق نہ تھا۔ اس معاملہ مین وہ پکے تارک تھے۔ بنگالہ کی تقسیم ہوئی

سودیشی تحریک کا چرچا ہوا۔ نرم اور گرم فرقے کھڑے ہوئے۔ سیاسی اصولوں کا ظہور ہوا۔ سوراجیہ کی تمنائیں پیدا ہوئیں۔ قوم اور قومیت کے ترانوں سے آسمان گونج اٹھا مگر منشی جی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ عدالت اور شراب کے سوا دنیا کی اور سبھی چیزیں انکی نظروں میں خواب وخیال تھیں۔

(۲)

چراغ جل چکے تھے۔ منشی میکو لال کی اندر سبھا جم گئی تھی۔ پر ابھی تک لال پری جلوہ افروز نہ ہوئی تھی۔ الگو بازار سے نہ لوٹا تھا۔ لوگ بار بار مشتاق نگاہوں سے دروازہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک آدمی برامدے میں چشم براہ کھڑا تھا۔ دو تین آدمی اسکی ٹوہ لینے کے لیے سڑک پر کھڑے تھے۔ لیکن الگو آتا نظر نہ آتا تھا۔ آج زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ منشی جی کو یہ تکلیف اٹھانی پڑی۔ انتظار کی بیقراری نے محویت کی صورت اختیار کر لی تھی۔ نہ کسی سے بولتے تھے، نہ کسی طرف تاکتے تھے۔ ساری دماغی قوتیں نقطۂ انتظار پر مرکوز ہوگئی تھیں۔

دفعتاً شور اٹھا، الگو آرہا ہے۔ منشی جی جاگ پڑے، احباب شگفتہ ہوگئے، پہلو بدل بدلکر سنبھل بیٹھے۔ آنکھیں مسرور ہوگئیں۔ انتظار سے لطف وصال دوچند ہو جاتا ہے۔ ایک لمحہ میں الگو سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ منشی جی نے اسے ڈانٹا نہیں۔ یہ پہلی خطا تھی کسی وجہ سے دیر ہوگئی ہوگی۔ دبی ہوئی پُر شوق نگاہوں سے الگو کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ بوتل نہ تھی۔ حیرت ہوئی۔ یقین نہ آیا۔ پھر غور سے دیکھا بوتل نہ تھی۔ شاید اسنے نہیں باہر رکھدی ہوگی۔ ملائمت سے بولے "بوتل کہاں ہے"

الگو "آج نہیں ملی"

میکو لال "یہ کیوں"

الگو "سوراج والے دوکان کے دونوں ناکے روکے کھڑے ہیں کسی کو ادھر جانے ہی نہیں دیتے۔ اب مختار صاحب کو غصہ آیا۔ الگو پر نہیں، سوراج والوں پر۔ انھیں میری شراب بند کرنے کا کیا مجاز ہے؟ معترضانہ انداز سے بولے "تمنے میرا نام نہیں لیا؟"

الگو "بہت کہا۔ لیکن وہاں کون کسی کی سنتا تھا سبھی لوگ خالی ہاتھ لوٹے آتے تھے۔

میں بھی لوٹ آیا۔

میکولال "چرس لائے؟"

الگو "وہان بھی یہی حال تھا"

میکولال "تم میرے نوکر ہو یا سوراج والون کے"

الگو۔ منھ مین کالکھ لگوانے کے لیے تھوڑے ہی نوکر ہون"

میکولال۔ تو کیا وہ بدمعاش لوگ منھ مین کالکھ بھی لگا رہے تھے؟

الگو "دیکھا تو نہین، پر سب یہی کہتے تھے"

میکولال "اچھی بات ہے۔ مین خود جاتا ہون۔ دیکھون کسکی مجال ہے جو مجھے روکے۔ ایک ایک کو لال گھر دکھا دونگا۔ یہ سرکار کا راج ہے۔ کوئی بدعملی نہین ہے۔ وہان کوئی پولیس کا سپاہی نہ تھا"

الگو "تھانہ دار صاحب آپ ہی کھڑے سب سے کہتے تھے جسکا جی چاہے اندر جائے، لائے یا پئے۔ لیکن نہ جانے کیون لوگ لوٹے آتے تھے۔ کوئی اُنکی نہ سُنتا تھا"

میکولال "تھانہ دار صاحب میرے دوست ہین۔ چلو جی عیدو چلتے ہو۔ رام بلی۔ بچن جھنکو سب چلین۔ ایک ایک بوتل لے لو۔ دیکھون کون روکتا ہے؟ کل ہی تو مزہ چکھا دونگا"

(۳)

منشی جی اپنے چارون رفیقون کے ساتھ شراب خانہ کی گلی کے سامنے پہونچے تو وہان بہت بھیڑ تھی۔ بیچ مین دو نورانی صورتین نظر آئین۔ ایک مولانا ضامن تھے جو شہر کے مشہور مجتہد تھے۔ دوسرے سوامی لگنانند تھے جو لکھنؤ کی سیوا سمتی کے بانی اور رعایا کے سچے خدمتگزار تھے۔ اُنکے سامنے ہی تھانہ دار صاحب کئی کانسٹبلون کے ساتھ کھڑے تھے۔ منشی جی اور اُنکے رفیقون کو دیکھتے ہی تھانہ دار صاحب خوش ہو کر بولے "آیئے مختار صاحب۔ کیا آج آپ ہی کو تکلیف کرنی پڑی۔ یہ چارون آدمی آپ ہی کے ساتھ ہین نہ؟"

میکولال "جی ہان۔ پہلے اپنا آدمی بھیجا تھا۔ وہ ناکام واپس گیا۔ سُنا آج یہان ہڑبونگ مچی ہوئی ہے۔ سوراجیہ والے کسی کو اندر جانے ہی نہین دیتے۔

تھانہ دار۔ جی نہین۔ یہان کسکی مجال ہے جو کسی کے کام مین مخل ہوسکے۔ آپ شوق سے جایئے۔ کوئی چون تک نہین کرسکتا۔ آخر مین یہان کسلیے ہون؟

منشی جی نے اپنے رفیقون کو فخر آمیز نظرون سے دیکھا اور گلی مین گھسے۔ دفعتہً مولانا صاحب نے عیدو سے نہایت عاجزانہ انداز سے کہا، دوست یہ تو تمھاری نماز کا وقت ہے۔ یہان کیسے آئے؟ کیا اسی دینداری کی بل پر خلافت کا مسئلہ حل کروگے! تمھارے لاکھون بھائی انگورہ مین بھوکون مررہے ہین کچھ انکی بھی خبر ہے،

عیدو کے پیرون مین جیسے کسی نے لوہے کی بیڑیان ڈالدین۔ ندامت سے زمین کی طرف دیکھنے لگا۔ آگے قدم رکھنے کا حوصلہ نہوا۔

سوامی گھنانند نے منشی جی اور انکے تینون ساتھیون سے کہا۔ بھائیو یہ پنچامرت لیتے جاؤ تمھارا کلیان ہوگا۔

جھنکو۔ رام بلی اور بیچن نے اضطراری طور پر ہاتھ پھیلا دیئے۔ اور سوامی جی سے پنچامرت لیکر پی گئے۔ منشی جی نے کہا۔ اسے آپ خود پی جایئے۔ مجھے ضرورت نہین۔

سوامی جی انکے سامنے ہاتھ جوڑکر کھڑے ہوگئے اور بڑی منت آمیز لہجہ مین بولے۔

اُس سادھو پر آج دیا کیجئے۔ اُدھر نہ جایئے۔

لیکن منشی جی نے انکا ہاتھ پکڑکر سامنے سے ہٹا دیا اور گلی مین داخل ہوگئے۔ انکے تینون دوست سر جھکائے کھڑے رہے۔

منشی جی "رام بلی۔ آتے کیون نہین؟ کسکی طاقت ہے کہ ہمین روک سکے"

جھنکو" آپ کاہے نا ہین لوٹ آوت ہین۔ سادھو سنتن کی بات مانے کا ہوت ہے"

منشی جی" تو اسی حوصلہ پر گھر سے نکلے تھے؟"

رام بلی" نکلے تھے اس ارادہ سے کہ کوئی زبردستی روکے گا تو اس سے سمجھین گے۔ سادھو سنتون سے رار کرنے تھوڑے ہی چلے تھے"

منشی جی "سچ کہا ہے گنوار لوگ بھیڑ ہوتے ہین۔ جہان ایک گری وہان وہ سب گرنے دوڑے"

بیچن" آپ سیر ہو جایئے۔ ہم بھیڑ ہی بنے رہین گے"

منشی جی اکڑتے ہوئے شراب خانہ مین داخل ہوے۔ دوکان پر اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ مہاجن اپنی گدی پر بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا۔ منشی جی کی آہٹ پاکر چونک پڑا۔ انھین تجسس کی نگاہ سے دیکھا گویا وہ کوئی نادر جو وہین، بوتل بھر دی اور پھر اونگھنے لگا۔

منشی جی خوش خوش گلی کے دروازہ پر آئے تو اپنے رفیقون کو نہ پایا۔ کتنے ہی آدمیون نے اُنھین چارون طرف سے گھیر لیا اور اُنپر آوازے کسنے لگے۔

ایک نے کہا "دلاور ہو تو ایسا ہو"

دوسرا بولا "شرم چہ کتیست کہ پیش مردان بیاید"

تیسرا بولا۔ ہے کوئی پرانا چکڑ۔ پکا دھتیا۔

معلوم نہین ابھی منشی جی کو اور کتنی دلآزار باتین سننا پڑتین۔ لیکن تھانہ دار صاحب نے آکر بھیڑ کو منتشر کر دیا۔ منشی جی نے اُنکا شکریہ ادا کیا اور گھر چلے۔ ایک کنسٹبل بھی اُنکے ساتھ ہو لیا۔

(۴)

منشی بیکو لال کے چارون دوستون نے بوتلین پھینکدی تھین اور آپس مین باتین کرتے ہوے جا رہے تھے۔

جھنکو "ایک دائین ہمارا ایکا بیگا رمین پکڑا جات رہے۔ یہی سوامی جی چیرا اس سے کہ سن کے چھڑاے دہن رہا۔

رام بلی۔ پچھلے سال جب ہمارے گھر مین آگ لگی تھی تب بھی تو یہی سوامی جی سیوآسمتی والون کو ساتھ لیکر پہونچ گئے تھے۔ نہین تو ایک سوت بھی نہ بچا۔

بچن۔ مختار اپنے سامنے کسی کو گنتے ہی نہین۔ آدمی کوئی بڑا کام کرتا ہے تو چھپا کے کرتا ہے یہ نہین کہ بیحیائی پر کمر باندھ لے۔

جھنکو "بھائی پیٹھ پیچھے کو کوئی برائی نہ کرے اور جون کچھ ہوئے پر آدمی بڑا اکبالی ہے۔ اتنے آدمین سے بیچ مان کیسا گھست چلا گوا

رام بلی "یہ کوئی اقبال نہین ہے۔ تھانہ دار نہ ہوتے تو آتے دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا۔

بچن " مجھے تو کوئی پچاس روپیہ دیتا تو بھی مین گلی مین پیر نہ رکھتا۔ شرم سے سر ہی

نہین اُٹھتا تھا۔

عیدو "انکے ساتھ آکر بڑی آفت مین پھنس گیا۔ مولانا جہان دیکھین گے وہین آڑے ہاتھون لینگے۔ مین آج شرم کے مارے گڑگیا۔ آج سے توبہ کرتا ہون۔ اب اسکی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھون گا"

رام بلی "شرابیون کی توبہ کچے دھاگے سے مضبوط نہین ہوتی"

عیدو "اگر پھر کبھی پیتے دیکھنا تو مُنھ مین کالکھ لگا دینا"

چمن "اچھا تو اسی بات پر آج سے مین بھی چھوڑتا ہون۔ اب یون تو گئو کت برابر"

جھنکو "تب کا ہم ہی سب سے پاپی ہین۔ پھر کبھی جو ہمکا پیت دیکھیو تو بیٹھا کے پچاس جوتے لگایو"

رام بلی "مار ے جا۔ ابھی منشی جی بُلا مین گے تو کُتے کی طرح دوڑتا جائیگا"

جھنکو "منشی جی کے ساتھ بیٹھے دیکھیو تو سو جوتے لگایو جیکی بات مین پھرک ہے اُسکے باپ مین پھرک ہے"

رام بلی۔ "تو بھئی مین بھی قسم کھاتا ہون کہ آج سے گانٹھ کے پیسے خرچ کرکے مین بھی نہ پیونگا ہان مُفت کی پینے مین انکار نہین۔

جھنکو "گانٹھ کے پیسے کبھی پہلے بھی خرچ کیے ہین؟"

اتنے مین منشی میکولال لپکے ہوے آتے دکھائی دیے۔ اگرچہ وہ بازی جیت کر آئے تھے مگر چہرہ پر غرور کی جگہ خفت چھائی ہوئی تھی کسی نامعلوم سبب سے وہ اس فتح کا لطف دل سے نہ اُٹھا سکتے تھے۔ دل کے کسی گوشہ مین چھپی ہوئی ندامت جگر مین چٹکیان لے رہی تھی۔ رام بلی نے کہا۔ آیئے مختار صاحب بڑی دیر لگائی۔

میکولال "تم سب کے سب بڑے گاودی ہی نکلے۔ ایک سادھو کے چکمے مین آگئے"

رام بلی "ان لوگون نے تو آج سے پینے کی قسم کھالی ہے"

میکولال "ایسا تو مین نے مرد ہی نہین دیکھا جو اسکے پنجہ مین ایکبار پھنسکر پھر نکل جائے۔ مُنھ سے بکنا دوسری بات ہے"

عیدو "جند گانی رہی تو دیکھ لیجیے گا"
جھنکو "دانا پانی تو کوؤ سے نا ہین چھوٹ سکت ہے۔ اور باتین تو پیٹ بھرے کی ہین بس جوت لگ جائے۔ نشا کھائے بنا کوؤ مر نہین جات ہے"
میکو لال "دیکھوں گا تمھاری بہادری بھی"
بچن "دیکھنا کیا ہے، نشہ چھوڑ دینا کوئی بڑی بات نہین۔ یہی نہ ہوگا دو چار روز طبیعت ذرا سست رہے گی۔ لڑائی مین سنتے ہین انگریزون نے چھوڑ دیا تھا جو اسے پانی کی طرح پیتے ہین۔ تو ہمارے لیے کوئی مشکل کام نہین ہے"
یہی باتین کرتے ہوے لوگ مختار صاحب کے مکان پر آ پہونچے۔

(۵)

دیوانخانہ مین سناٹا تھا۔ موکل چلے گئے تھے۔ الگوڑا سو رہا تھا۔ منشی جی مسند پر جا بیٹھے اور الماری سے گلاس نکالنے لگے۔ انھین ابھی تک اپنے ہم مشربون کی توبہ پر یقین نہ تھا انھین کامل اعتماد تھا کہ شراب کی خوشبو اور سرخی دیکھتے ہی سبھون کی توبہ ٹوٹ جائے گی دور چلنے لگین گے۔ جب عیدو سلام کر کے چلنے لگا اور جھنکو نے اپنا سونٹا سنبھالا تو منشی جی نے دونون کے ہاتھ پکڑ لیے اور نہایت رقت آمیز لہجہ مین بولے "یارو یون ساتھ چھوڑنا اچھا نہین۔ آؤ آج اسکا مزہ تو چکھو۔ خاص طور پر اچھی ہے۔ اسکے لیے آج کتنا ریاض کرنا پڑا ہے"
عیدو "اب تو جو بات ٹھان لی وہ ٹھان لی"
منشی جی "ابھی آؤ تو۔ ان باتون مین کیا رکھا ہے۔ چار دن کی زندگی ہنس کھیل کر گزارنی چاہیے"
عیدو "آپ کو مبارک رہے۔ مجھے جانے دیجیے"
جھنکو۔ ہم تو اب بھگوان چاہے تو اسکے تیر نہ جاب۔ جوتے کون کھائے۔
یہ کہکر دونون اپنے ہاتھ چھڑا کر چلے گئے۔ تب مختار صاحب نے بچن کا ہاتھ پکڑا جو ۔۔ امدے سے نیچے اتر رہا تھا اور بولے "بچن کیا تم بھی بیوفائی کروگے؟"
بچن "مین نے تو بڑی کڑی قسم کھائی ہے۔ جب ایکبار اسے گئو رکت کہہ چکا تو پھر اسکی طرف

آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہین سکتا۔ کتنا ہی گیا بیتا ہون تو کیا اس قسم کو بھی نہ مانونگا۔ مین تو کہونگا اب آپ بھی چھوڑ دیجیئے۔ کچھ دن رام رام کیجیے۔ بہت دن تو پیتے ہوگئے۔ یہ کہکر وہ بھی چلتا ہوا۔

اب اکیلا رام بلی رہ گیا۔ منشی جی نے اُس سے بڑے دردناک لفظون مین کہا "تمنے اُن سبھون کی بیوفائی دیکھی۔ مجھے انکے اوپر غصہ نہین ہے۔ صرف انکی سرد مہری کا صدمہ ہے۔ مین نہ جانتا تھا کہ یہ سب ایسے بھگوڑے نکلین گے۔ برسون کی صحبت ایک لمحہ مین بھول گئے۔ آؤ آج ہمین تم سہی۔ دو پکے دوست ایسے درجنون کچے لوہیون سے اچھے ہین آؤ بیٹھ جاؤ۔ مہاجن نے آج مسالے کی دیدی ہے۔ نیند مین بچا کو سر پیر کی خبر تک نہ تھی۔

رام بلی "مین تو حاضر ہی ہون۔ لیکن مین نے بھی قسم کھائی ہے کہ کبھی کا نٹھ سے پیسے خرچ کرکے نہ پیونگا"

مختار "ہوشیار لوگ ایسی ہی قسمین کھایا کرتے ہین۔ جب تک میرے دم مین دم ہے جتنا چاہے پیو۔ غم کس بات کا ہے"

رام بلی "لیکن آپ نہ رہے تب؟ پھر ایسا ٹھکانا کہان پاؤنگا"

مختار "ابھی تب دیکھی جائیگی۔ مین آج مرا تھوڑے ہی جاتا ہون"

رام بلی "زندگی کا کوئی اعتبار نہین۔ آپ مجھسے پہلے ضرور ہی مرینگے تو اُسوقت کسکے ماتھے یہ مزے اُڑاؤنگا۔ تب تو چھوڑ بھی نہ سکونگا۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ ابھی سے فکر کرون"

مختار "یار ایسی باتین کرکے مزہ نہ کرکرا کرو۔ آؤ بیٹھ جاؤ۔ ایک ہی گلاس لے لینا"

رام بلی "مختار صاحب۔ مجھے اب زیادہ مجبور نہ کیجئے۔ جب عیدو اور جھنکو جیسے دھقیون نے قسم کھائی جو عورتون کے زیور بیچ بیچ کر پی گئے جو نرے جاہل ہین، تو مین اتنا بے شرم نہین ہون کہ اسکا غلام بنا رہون۔ سوامی جی نے مجھے تباہ ہونے سے بچایا تھا۔ اُنکے حکم کو کسی طرح نہین ٹال سکتا"

یہ کہکر رام بلی بھی رخصت ہوگیا۔

(۶)

منشی جی نے مایوسانہ انداز سے گلاس بھرا اور پی گئے۔ لیکن دوسرا پیالہ بھرنے کے پہلے انکا ولولہ میکشی غائب ہوگیا تھا۔ زندگی مین یہ پہلا موقع تھا کہ انھین یون تخلیہ مین شراب پینا پڑی۔ وہ لطف سرور ہی نہین، لطف صحبت بھی چاہتے تھے۔ اسوقت ایک ایک گھونٹ دوا کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ خود ہی ساقی تھے، خود ہی بادہ کش۔ نہ بذلہ سنج احباب تھے، نہ دل مین اُمنگ، پہلے تو اپنے رفیقون پر طبیعت جھنجھلائی۔ ان دغابازون کو مین نے ہزارون روپے پلا دیے ہونگے، پر آج ذرا سی بات پر سب کے سب دغا دے گئے۔ اب مین بھوت کی طرح اکیلا پڑا ہوا ہون۔ کوئی ہنسنے بولنے والا نہین۔ یہ تو صحبت کی چیز ہے جب لطف صحبت ہی نہین رہا تو پی کر سو رہنے سے کیا حاصل۔ یہ کوئی ایشور کا دھیان تھوڑے ہی ہے کہ تنہائی کی ضرورت ہو۔

مجھے آج کتنا خفیف ہونا پڑا۔ جب گلی مین گھستا ہون تو سیکڑون آدمی میری طرف غضبناک نظرون سے تاک رہے تھے۔ شراب لیکر لوٹا ہون تو لوگ اتنے برہم تھے کہ اُن کا بس چلتا تو میری بوٹیان نوچ لیتے۔ تھانہ دار نے کانسٹبل کو ساتھ نہ کر دیا ہوتا تو گھر تک آنا مشکل تھا۔ یہ ذلت اور تحقیر کیسلیے ؟ اسی لیے کہ بیٹھکر منھ تلخ کرون اور کلیجہ جلاؤن۔

دُنیا اسے کتنا ممنوع سمجھتی ہے اسکا مجھے آج تجربہ ہوا نہین ایک سنیاسی کے اشارے پر برسون کے بلانوش، دائم الخمر اسطرح میری تحقیر نہ کرتے۔ بات یہ ہے کہ دل سے بھی اسے حرام سمجھتے ہین۔ جب میرے ساتھ کے یکّے والے، گوالے اور چپراسی تک ترک کرسکتے ہین تو کیا مین اُنسے گیا گزرا ہون۔ اتنی ذلت اُٹھا کر، عوام کی نظرون سے گر کر، شہر مین رُسوا ہوکر، سارے زمانہ مین نکو بنکر، ایک لمحہ کے لیے چکر پیدا کر لینا کونسی دانشمندی ہے۔ حظ نفس کے لیے اتنی شرمندگی کیون اٹھاؤن ؟ چارون اسوقت میرا مضحکہ اڑا رہے ہونگے۔ یہ دُرگت اب نہین سہ سکتا۔ آج اس سفلہ پن کا خاتمہ کر دون گا۔ اس ذلت کا داغ مٹا دون گا۔

ایک لمحہ مین تڑاقے کی آواز ہوئی۔ انگو چونک کر اُٹھا۔ دیکھا تو منشی جی برآمدے مین کھڑے ہین اور بوتل زمین پر ٹوٹی پڑی ہے۔

پریم چند

تنقید کتب

نکات الشعرا

شعراء اُردو کا یہ قدیم تذکرہ (جو میر دہلوی کی ایک بہترین یادگار ہے) اس سے پہلے بالکل نایاب تھا اور بقول مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی عام طور پر ابتداءً اس تذکرے کا علم آبحیات کے ذریعہ سے ہوا تھا مگر نکات الشعرا کا جو چہرہ آبحیات مین نظر آتا ہے ۔ وہ اُن خط و خال کے بالکل برعکس ہے جو اب ہمارے سامنے ہے آگے چلکر مولف آبحیات کے اُن خیالات پر بحث کرتے ہوئے جو اُسنے اس تذکرہ کے متعلق ظاہر کیے ہین فرماتے ہین "میری بدگمانی معاف ہو تو مین کہونگا کہ نکات الشعرا آزاد کی نظر سے نہین گزرا قیاس کی بلند پروازی نے طوطی مینا بنا کر اُڑا دئے ہین، اور اُنکی سحر بیانی نے سامعین کو خوش کیا ہے"

مولانا ے موصوف کا یہ خیال ایک حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے اور خود آزاد مرحوم کی تحریر سے اس خیال کو تقویت پہونچتی ہے ۔ لیکن یہ آسانی سے باور نہین کیا جا سکتا کہ آزاد جیسا محقق شخص صرف خیال کی بنیاد پر اتنی بڑی بنیاد کھڑی کردے ۔ اور تذکرہ نکات الشعرا اُسکی نظر سے نہ گزرا ہو، یہ ممکن ہے کہ جس نسخے کو آزاد نے دیکھا ہو وہ میر صاحب کے نقش اول کی تصویر ہو اور بعد کو میر صاحب نے نظر ثانی کرکے نقش آخر سے وہ سب باتین نکال دی ہون جنکا ذکر آبحیات مین ہے ؎

اُس زمانہ مین نہ پریس کا رواج تھا نہ کوئی اور ذریعہ تھا کہ ایک ساتھ بہت سے نسخے تیار ہو جایا کرین، عموماً قلمی کتابون کا رواج تھا، فرض کیجیے کہ مختلف لوگون نے

یہ اوقات مختلف نکات الشعرا کی نقلین حاصل کی ہون اور اس درمیان مین میر صاحب وقتاً فوقتاً تصرفات کرتے رہے ہون اسطرح ممکن ہے کہ ایک شخص نے کوئی اور عبارت نقل کی ہو اور دوسرے نسخے مین وہی عبارت کسی اور طرح نقل ہوگئی ہو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شاعر یا انشا پرداز ایک وقت مین کچھ لکھتا ہے اور کچھ دنون کے بعد کسی کے توجہ دلانے سے یا خود کسی خیال سے اُسے بدل دیتا ہے، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ میر صاحب نے ایک وقت مین ولی کی نسبت لکھا ہو "وے شاعریست از شیطان مشہور تر،، لیکن کچھ دنون بعد اس مفہوم کو یون ادا کر دیا ہو "از شہرت بسیار احتیاج تعریف ندارد،،
مفہوم دونون کا ایک ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہ تعریف بہ طرز مذموم تھی اور یہ بطرز جمیل۔
اسکے علاوہ آبحیات مین یہ بھی تو لکھا ہے کہ جب میر خان کمترین نے یہ فقرہ سنا تو غصہ ہو کر ایک نظم لکھی اول مین بہت کچھ کہا آخر مین آکر کہتے ہین ؎

ولی پر جو سخن لاوے اُسے شیطان کہتے ہین

ممکن ہے کہ کمترین کی طرح کچھ لوگ اور بھی مخالفت کرنیوالے اُٹھ کھڑے ہوے ہون اور میر صاحب نے جھگڑا مول لینے سے بہتر سمجھا ہو کہ نکات الشعرا کی عبارت بدل دین کیونکہ انھین کسی طرح کی ذاتی مخاصمت تو تھی نہین صرف شاعرانہ نوک جھونک منظور تھی۔
اگر بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جاے کہ آزاد کو نکات الشعرا کی زیارت نہین نصیب ہوئی تو اسکا کیا جواب ہوگا کہ میر صاحب نکات الشعرا کے دیباچے مین لکھتے ہین

کتابے تا حال تصنیف نہ شدہ کہ احوال شاعران این فن بصفحہ روزگار بماند

حالانکہ نکات الشعرا کے پہلے بھی متعدد تذکرے مرتب ہو چکے ہین جنمین تذکرہ فتح علی حسین تذکرہ ابراہیمی۔ تذکرہ فائق خاص طور پر مشہور ہین۔
ایسی صورت مین کیا یہ بدگمانی بھی جائز ہوگی کہ میر صاحب کی نظر سے شاید کوئی تذکرہ نہین گزرا ورنہ ایسا نہ تحریر فرماتے۔ اگر مولانا ے موصوف کے پاس اس بدگمانی کا کوئی جواب ہو تو وہی اُس بدگمانی کا بھی جواب ہو سکتا ہی جو آپکو آزاد کے متعلق پیدا ہوئی ہی۔
اب بھی نکات الشعرا کے صفحات اس قسم کی مثال سے خالی نہین۔ مثلاً میر صاحب

یقین دہلوی کے متعلق فرماتے ہین۔

پر دو پچے چندے یافتہ است کہ ماو شما نیز میتوانم یافت این قدر بیرخود چیدہ است
کہ رعونت فرعون پیش اوپشت دست میگذارد، بعد از ملاقات بنقد رخود معلوم
شد کہ ذائقہ شعر فہمی مطلق ندارد

اسی سلسلہ مین اور بھی اس قسم کی روائتین بیان کی ہین جنسے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یقین خود غزل نہین لکھ سکتے تھے اور اسکے ثبوت مین کلیم کے قصیدہ کا ایک شعر بھی اس تمہید کے بعد پیش کیا ہے۔

میان محمد حسین کلیم کہ احوالش گزشت تصیدہ گفتہ است، مسمے بہ روضۃ الشعرا
درو نام تمام شعرا نقل کردہ از انجملہ نام ایشان را نیز آوردہ لیکن بکنایہ غریبے کہ
سخن فہم می فہمید و آن اینست۔

یقین کے شعر یہ ہین لا گمان بعضے کہ اسکے نہین
غلط ہے ہمنے بوجھا ہے کا مرزا جان جانان کو

میر صاحب یہ مطلب نکالنا چاہتے ہین کہ کلیم نے بکنایۂ لطیف یقین کی شاعری کی قلعی کھولی ہے لیکن ایک صائب الرائے یہ شعر پڑھ کے جو نتیجہ نکالے گا وہ میر صاحب کے خلاف ہوگا۔ شاعر تو اس بدگمانی کی تردید کرنا چاہتا ہے جو بعض لوگون کو یقین کے کلام کی جانب سے ہے اور ثبوت مین وہ کہتا ہے کہ ہمنے مرزا جان جانان سے بھی اسکے متعلق پوچھ لیا ہے۔

کچھ آگے چل کر یقین کے اس شعر کے متعلق تحریر فرماتے ہین۔

کیا بدن ہوگا کہ جسکے کھولتے جامہ کے بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

اگرچہ اکثر شاعران ریختہ را تبدل بندیا فتہ ام متبدل میگویند و توارد می نامند
گویا این شعر استاد در حق ایشان است۔

ہر چہ گویند بے محل گویند | در توارد غزل غزل گویند

لیکن شعر یقین لفظاً لفظاً متبدل راے انند رام مخلص است کہ گذشت طرفہ تر

اینکہ آنہم در سلیقہ سرقہ یکہ بودہ است ، خدا داند کہ این معنی در اصل از کیست

تا خون تمام گشت معطر چو برگ گل　　　بند قبا سے کیست کہ وا میکنیم ما

مقصد اس تقابل اور اس شعر کا سوا اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یقین او مخلص و ثانی کو سرقہ کا ملزم ٹھہرایا جائے اور یقین کی توہین کی جائے کیونکہ اس قسم کی مثالین میر صاحب نے کسی اور شاعر کے متعلق پیش نہین کین ۔ کیا عجب ہے کہ میر صاحب میان یقین سے دل کے خوش نہوے ہون اور اسی خیال سے متاثر ہو کے یہ فقرے لکھدیے ہون کہ دعوت فرعون پیش او پشت دست برزمین می گذارد ، ذاتہ شعر معنی مطلق ندارد "

میر صاحب نے یقین کی خاندانی بزرگی کا ضرور اعتراف کیا ہے جسکو مولانا ئے موصوف نے اپنے دیباچہ مین بھی نقل کیا ہے ، لیکن شاعری خاندانی یا ذاتی وجاہت سے بالکل الگ چیز ہے ۔ اس تعریف سے وہ توہین زائل نہین ہو سکتی ۔

یہ ظاہر نکات الشعرا جامع تذکرہ ہے جیسا کہ مقدمہ مین مولانا شروانی نے تسلیم کیا ہے لیکن اردو شاعری کو میر صاحب سے ایک عام شکایت ہو سکتی ہے جسکا کوئی جواب نہین ۔ میر صاحب نے تحریر فرمایا ہے

اگرچہ ریختہ در دکن است ، چون از انجا یک شاعر مربوط برنخواستہ لہذا شروع بنام آنہا نہ کردہ وطبع ناقص مصروف رنہم نیست ، کہ احوال اکثر آنہا ملال اندوز گردد مگر بعضے از انہا نوشتہ شد ۔

بحیثیت تذکرہ نگار میر صاحب کو بلا کسی تعصب کے ان سب شعرا کے حالات پر روشنی ڈالنی تھی جنکے گھر مین اردو شاعری نے پہلے پہل جنم لیا خواہ انکے اشعار قابل پسند تھے یا نہ تھے ۔

فارسی شاعری کا وہ ابتدائی شعر ابتک مشہور ہے جسکا پہلا مصرعہ بہرام گور نے شکار گاہ مین کہا تھا اور دوسرا اسکے وزیر نے

منم آن پیل دمان و منم آن شیر یلہ　　　نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ

لیکن اُردو تذکرہ نویسون کی بے پروائیون سے آج یہ وثوق سے کہنا مشکل ہے کہ اُردو کا پہلا شعر کون ہے، بہرحال حامیان اُردو کو انجمن ترقی اُردو کا شکرگذار ہونا چاہیے کہ اسکی توجہ سے نکات الشعرا کی زیارت نصیب ہوئی، شروع تذکرہ مین مولانا حبیب الرحمن صاحب کا مقدمہ بھی قابل تحسین ہے۔ حقیقتاً آپ نے مقدمہ نگاری کے اہم فرائض کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے، نکات الشعرا بقول مولانا شروانی چھوٹی تقطیع کے ۱۸۷ صفحون کا ایک مختصر رسالہ ہے مگر چونکہ ایک اُستاد فن کی تصنیف ہے اسلیے ادبی، تاریخی معاشرتی، معلومات اور فوائد سے مالامال ہے۔ اسمین ایک سو دو شعرا کا تذکرہ ہے، کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت دیدہ زیب، قیمت ۴ر

ملنے کا پتہ۔ دفتر انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن۔

تاریخ ملل قدیمہ

ہندوستان مین یہ کہنے والے تو بہت ہین کہ اُردو زبان علمی زبان نہین، مگر ایسے احباب کم ہین جو اس احساس کے بعد بھی اُردو کو علمی زبان بنانے کا خیال رکھتے ہون۔ بالفرض خیال کرنیوالے بھی ہلین تو سعی عمل کا کہین نشان نہین ملتا اس قحط الرجال مین بعض پرجوش اصحاب بیشک قابل ستائش ہین جو سرگرم کار ہین اُنھین منتخب حضرات مین ہمارے دوست فہمی ترمذی بھی ہین جنکی حسن سعی سے یہ بینظیر کتاب اُردو کے خزانے مین داخل ہوئی۔

فہمی صاحب اس سے پہلے بھی چند عمدہ کتابون کا ترجمہ اردو مین کر چکے ہین جنمین سے بعض شایع ہوگئین اور بعض ابھی چھپنے کو باقی ہین۔

کاش ہندوستان مین انجمن ترقی اُردو جیسی بیشمار انجمنین قائم ہوتین جن سے مصنفین ومترجمین کی جگر کاویون کی داد ملجایا کرتی اور انکی کتابین شایع ہوجایا کرتین کیونکہ یہی اُن غریبون کی محنت بے حاصل کی داد ہے۔

یہ کتاب فرانسیسی زبان سے ترجمہ ہوکر پایہ تکمیل کو پہونچی اور فارسی سے اُردو لباس

مین جلوہ گر ہوئی، اسمین مصر قدیم کے حالات اس شرح و بسط سے تحریر ہین کہ اُس زمانہ کی تہذیب و تمدن کا نقشہ آنکھون مین کھنچ جاتا ہے - جا بجا مجسمونکی تصویرین بھی دیگئی ہین - ترجمہ عمدہ - عبارت سلیس - کاغذ نفیس، کتابت و طباعت دیدہ زیب قیمت ۱۲ عہ

ملنے کا پتہ :- دفتر انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

چورون کا کلب

اُردو دان پبلک، مسٹر ظفر عمر مولف "نیلی چھتری" "بہرام کی گرفتاری"، سے ایک حد تک واقف ہو چکی ہے - آپ کے افسانے ملک مین قبول عام کی سند حاصل کر چکے ہین - اُردو ادب مین ابتک ایسے افسانے جنکی بنیاد صرف حسن و عشق کی دلکش داستانون پر نہو بلکہ وہ دلچسپ ہونیکے علاوہ سبق آموز بھی ہون، بہت کم تھے، مسٹر ظفر عمر نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے - چورون کا کلب اسی قسم کی کتاب ہے اور بیحد دلچسپ ہے - لکھائی چھپائی عمدہ - قیمت عہ، جو حجم کے لحاظ سے کسی قدر زیادہ ہے -

ملنے کا پتہ - دفتر زمانہ کانپور

بازار حسن

یہ دلکش ناول ہندوستان کے مشہور افسانہ نگار منشی پریم چند کے زور قلم کا نتیجہ ہے جسکا پہلا حصہ، دارالاشاعت لاہور نے شایع کیا ہے -

منشی پریم چند کے افسانے ادب اُردو کے لیے سرمایۂ ناز ہین، جن احباب نے پریم پچیسی اور پریم بتیسی وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے انکو اندازہ ہوگا کہ منشی پریم چند کس خوبی سے انسان کی حیات باطنی کی تصویر کھینچتے ہین - سادگی مین رنگینی اور رنگینی مین سادگی پیدا کرنا منشی پریم چند کا خاص حصہ ہے -

اسکے علاوہ بازار حسن، کی دلکشی، خود اسکے نام ہی سے ظاہر ہے، کاغذ عمدہ،

کتابت وطباعت دیدہ زیب - قیمت دارالاشاعت پنجاب لاہور سے معلوم ہو سکتی ہے۔

حفظان صحت

اس کتاب مین ڈاکٹر محمد رحمت الٰہی صاحب صدیقی ایل، ایم، ایس، نے حفظان صحت کے متعلق تمام ڈاکٹری اصول نہایت شرح وبسط سے سمجھا دیے ہین، اکثر اہم مضامین کی تشریح مین تصویرین بھی دی گئی ہین، فی الحقیقت یہ کتاب ایک درسگاہ طب ہے۔ ہر بات سبق کے طور پر سمجھائی گئی ہے اور حفظ حیات زندگی پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔

ان خوبیون پر زبان اسقدر سلیس اور عام فہم ہے کہ ہر شخص اس کتاب کو پڑھکر بآسانی اصطلاحات ورموز ڈاکٹری سے واقف ہو سکتا ہے سچ یہ ہے کہ ڈاکٹر موصوف نے ایک ایسا آئینہ تیار کر دیا ہے جسمین جسم انسانی کی تشریح کے علاوہ امراض اور اُنسے بچنے کی تدبیرین اور دوائین اپنی کامل جلوہ آرائیون کے ساتھ نمایان ہین۔

کتاب ۳۰۱ صفحون پر ختم ہوئی ہے، آخر مین بطور ضمیمہ ۴۰ صفحے اور بھی شامل ہین جنمین انگریزی ادویات واصطلاحات کے معانی اردو زبان مین لکھدیے گئے ہین غرض حفظان صحت ایک مفید اور کار آمد کتاب ہے۔

یہ کتاب نولکشور پریس لکھنؤ مین چھپی ہے، کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ، قیمت صرف عہ شائقین نولکشور پریس لکھنؤ سے طلب فرمائین۔

فلسفۂ اخلاق

اس اخلاقی صحیفہ کے مولف ابو اللسان محمد سلیم (منشی فاضل) معلم ادبیات اُردو نارمل اسکول امراؤتی ہین۔ جسمین اخلاقی اور فلسفیانہ مسائل کو سلیس اور بامحاورہ اُردو مین سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، بجا بجا احادیث قدسی اور آیات قرآنی سے استدلال کیا گیا ہے اور طلبا کے ذہن نشین کرنے کے لیے ہر سبق کے بعد امتحانی سوالات بھی دیے گئے ہین۔

فلسفۂ اخلاق علاوہ درس تدریس کے مذہبی طور پر بھی قابل قدر ہے جس سے علم و اخلاق کے ساتھ عقائد پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے۔ حجم ۵۰ صفحہ۔ کاغذ عمدہ۔ لکھائی چھپائی اچھی۔ شائقین حضرت مولف سے طلب فرمائین۔

اعظمی

ترانۂ بہار

پھر بہار آئی ہوا سے بوئے یار آنے لگی
پھر پپیہے کی صدا دیوانہ وار آنے لگی

"پی کہاں"، کا شور، "حق سرّہ"، کا غلغلہ
کوئلیں کوکیں، صدائے آبشار آنے لگی

کھیت جھومے، بور آیا، پھول مہکے، دِل کھلے
کونپلیں پھوٹیں، ہوائے مشکبار آنے لگی

پھر درختوں نے زمیں سے رنگ چوسے نو بہ نو
پتیوں میں پھر نظر، شکلِ بہار آنے لگی

پھر مری ہر سانس اِک خوشبو کی دنیا ہو گئی
پھر ہوائے طرۂ گیسوئے یار آنے لگی

پھر گلے باغوں میں چھیڑا مست پپیہے نے راگ
پھر صدائے نغمہائے شاخسار آنے لگی

پھر ہوائے سرد کے جھونکوں میں میخانے کھلے
پھر لبِ جاں بخش سے بوئے خمار آنے لگی

کھینچتی پتوں پہ خط، رنگینیاں بھرتی ہوئی
پھر صبا پہنے ہوئے پھولوں کے ہار آنے لگی

پھر سماعت سے ملائم ساز نے کی چھیڑ چھاڑ
پھر صدائے بربط و چنگ و ستار آنے لگی

پھر شگوفے مسکرائے، پھر چلی ٹھنڈی ہوا
یاد اِک عالم کی پھر بے اختیار آنے لگی

جوش پھر رِسنے لگے ٹوٹے ہوئے وعدوں کے زخم
پھر مرے سینے سے بوئے انتظار آنے لگی

جوش ملیح آبادی

بہار

آگئی بہار پھر طرفہ ہے نکھار پھر آئے پھر نمو کے دن یعنی رنگ و بو کے دن
رنگ لائی ہیں کلی پتیاں نئی نئی ہو گئے ثمر آفریں یہ بھی پھول بن گئیں
اُسنے پھر ملے ہوئے گُل بھی ہیں کھلے ہوئے سینے ہیں شجر بنا اک شگوفہ پھول کا
اور اُدھر زمین پہ بھی دوب ہے ہری ہری گویا آسمان سے پھول ہیں برس رہے
کچھ زمین پہ آ گئے کچھ ہوا میں چھا گئے دلربا شمیم ہے جانفزا نسیم ہے
خندہ ہے ادائے گُل اور نفس ہوائے گُل خوشنما زمانہ ہے اک نگارخانہ ہے
ہے زمین ورق بنی شرحِ ازحق نبی

فصل بے مثال ہے موسم خیال ہے آفتاب کی کرن اس طرح ہے ضوفگن
وقت خوش ہر سال کا دورِ اعتدال کا جو روش ہے، نرم ہے سرد ہے نہ گرم ہے
جیسے سوکھے پیڑ بھی پا گئے ہیں تازگی کیا ہے کارِ زندگی ہے بہارِ زندگی

وقت دلفریب ہے سا لبِ شکیب ہے ابر ہے جو چھا رہا لطف ہے دکھا رہا
ٹھنڈی ٹھنڈی ہے فضا اور خنک خنک ہوا پھر وہ آسمیں جھولنا ٹیسوؤں کا پھولنا
آہ رت میں ہیں بھری سرخیاں شباب کی کیا نمو کا رنگ ہے دل میں اک امنگ ہے
یہ خوشی کا ہے سماں اور ہے بیخ بھی عیاں یعنی کوئل؟ آہ اب نالہ کش ہے با تعب
سے پرند غم نصیب آہ او ستم نصیب! کیوں یہ اقتضائے غم؟ کیوں ہے یہ نوائے غم؟

ہے یہی تو فصل آہ | ہوئیوں کی جلوہ گاہ | ہے یہ جشن سال تو | خرمیِ حال نو
ہاں کبھی یہ روز تھا | واقعی سرور زا | جب ترانے عید کے | نغمہ ساز خلق تھے
چھا رہا تھا جب یہاں | آہ "بگیہ" کا دھواں | جسمیں تھی ہوئے گل | نکہت آشنائے گل
تھا سماں یہ خوشگوار | تھی بہار میں بہار | اُف وہ وقت کیا ہوا | لطف سب ہوا ہوا
مٹ گیا کمال ہائے | اب تو ہے زوال ہائے | وید خوان سے جو بنے | اب وہ ہزل گو بنے
تھے جو مستِ عشق ذات | وہ ہیں اور فحشیات | جن دلوں میں تھی وفا | انمیں ہے فقط ریا
جب شعار یہ ہوا | سب وقار رد ہوا | اُف یہ کیا تھا کار قوم | ہو گیا فشار قوم
آہ اب درمِ بہار | ہم ہیں اور غمِ بہار

ہے عروسِ شام کا | کیا جمال خوشنما | پر یہ سب کمالِ حسن | ہے فقط خیالِ حسن
اب شفق بھی کیا بنی! | سرخیِ حنا بنی | اُف یہ جھلملی ردا | دھوپ چھاؤں کی ردا
جس سے چھن رہا ہو حسن | رنگ بن رہا ہے حسن | کچھ خنک جو ہے سماں | تازہ ہے دل جہان
یوں ہے بہر دید حسن | واہ کیا نوید حسن | ہاں نظام کے لیے | ایسی آنکھ چاہیے
جو ہو محوِ کائنات | اور مبصرِ نکات

اب ہے بیج کے آشکار! | واہ کیا شبِ بہار | ہے فضائے آسمان | اور ہے ماہ ضوفشان
جیسے سبزہ زار خلد | اور آبشار خلد | ہیں ستارے بن کے پھول | آہ نسترن کے پھول
لکہ ہائے ابر گر | آ رہے ہیں کچھ نظر | تو وہ حباب جانیے | حوض آب نور کے
لطف تازگی بڑھا | حظ زندگی بڑھا | کیا ہے ٹھنڈی چاندنی | اُجلی اُجلی چاندنی
موسمِ نمود عام | ہے قریب اختتام | شمس کی روش بڑھی | دھوپ کی تپش بڑھی
تلعت کھو چلی ہوا | گرم ہو چلی ہوا | بن رہی ہے سطح آب | شکل چرخ بے سحاب
کچھ سماں بدل گیا | کچھ جہان بدل گیا | پتیاں جو سرخ تھیں | سبز سبز ہو گئیں
اب نہیں فضائے گل | اب ثمر ہیں جائے گل | کھیت سب جو تھے ہرے | پک کے زرد ہو گئے
اُف یہ دھوپ کی جلن | اور یہ گرمی و حبس | ہے پسینہ آ رہا | خون دل ہے جا رہا!

اقبال بہادر سحر

کلام محروم

ہمارے واسطے ہے ایک جینا اور مر جانا — کہ ہمنے اس جہان کو جادۂ راہِ سفر جانا
یکایک منزلِ آفاتِ عالم سے گزر جانا — ڈرین کیون موت سے، جب ہے اسی کا نام مر جانا
تری نظرون سے گر جانا، ترے دل سے اُتر جانا — یہ وہ اُفتاد ہے جس سے بہت اچھا ہے مر جانا
جوابِ ابرِ نیسان تجھکو ہمنے چشمِ تر جانا — کہ ہر اک قطرۂ اشکِ چکیدہ کو گہر جانا
لبِ بام آئے تم اور اُنکے چہرے ہو گئے پھیکے — قمر نے تمکو خورشید اور ستارون نے قمر جانا

خزان کا رنگ ہے خاکِ وطن! تیری بہارون مین — ہجومِ داغِ حسرت دیکھتا ہون لالہ زارون مین
اُداسی تیرے کملائے ہوئے پھولون کی ملتی ہے — چراغِ صبح مین یا آخرِ شب کے ستارون مین
صدائے گریہ دھیمی دھیمی کہسارون سے آتی ہے — گئے وہ دن کہ تھا جوشِ ترنم آبشارون مین
نشاط انگیز اب ساون کی جھڑیان ہو نہین سکتین — کہ عالم ابرِ باران کا ہے بارش کی پھوارون مین
یہی عالم رہا گر تیرے ضبطِ سوزِ پنہان کا — تو پھوٹین گے بجائے غنچہ شعلے شاخسارون مین
تڑپ کر سنگریزون سے شرر باہر نکل آئین — جو تیرا اضطرارِ دل بیان ہو کوہسارون مین
غم آلودہ نہون اشعارِ محرومِ حزین کیونکر — کہ ہے تاثیرِ غم خاکِ وطن! تیرے نظارون مین

زوالِ حسن ساری ہے گلون مین، گلعذارون مین — نہان ہے خارِ حسرت کی خلش پھولونکے ہارون مین
نشاط افروزیِ دل بزمِ فانی کے نظارون مین! — فروغِ جلوۂ مہتاب ناممکن شرارون مین
نہ چھیڑے آرزوئے نغمہ میرے سازِ ہستی کو — کہ پنہان جز نوائے غم نہین کچھ اسکے تارون مین
شبستانِ فلک مین محوِ خوابِ ناز ہے کوئی — کہ ایمائے خموشی ہے کواکب کے اشارون مین
یہ احسان مفت کا ہے - حالِ عاشق پوچھتے جاؤ — کہان ہے تابِ گویائی تمھارے غم کے مارون مین
پسندِ خاطرِ محروم طرزِ صاف گوئی ہے — چھپا سکتا ہون ورنہ دل کا مطلب استعارون مین

محروم

جذباتِ فراق

بندھ کے تار آنسوؤں کا ٹوٹ گیا دل نے آنکھوں سے بیوفائی کی
ایک تصویر تھی وصال کی رات آپ کے لطف انتہائی کی
کوئی افسانہ چھیڑ تنہائی رات کٹتی نہیں جدائی کی

رہ رہ کے یاد آتی ہے کیفیتِ شباب یعنی وہ ایک خمار ازل کے شراب کا
بیزار ہو کے یاد بھی انکی چلی گئی کیا حال ہو گیا دلِ خانہ خراب کا

اور امیں انکی دل سے کھیلتی ہیں وہ کیا جانیں وفا کیا ہے جفا کیا
شبِ وعدہ ہے یارب خیر کرنا امیدیں بندھ رہی ہیں دل میں کیا کیا
ہوا کرتا ہے یوں بھی کوئی بیتاب دلِ ناداں تجھے یہ ہو گیا کیا

شبہائے طول ہجر کی بیتابیوں کا حال کہتے ہیں ہاں سناؤ مگر اختصار سے

رگھوپت سہائے فراق

لطف سخن

عالیجناب شاہزادۂ عادل خلف شاہزادہ مرزا آسمان جاہ بہادر انجم ابن شاہزادہ حضرت اختر جنت آرامگاہ

گریہ تو ہے ارادہ طوفان کیے ہوئے
آنسو چلے ہین اور ہی سامان کیے ہوئے

طے کر رہا ہون وادیٔ وحشت کی منزلین
دامن کو ندر خار مغیلان کیے ہوئے

انجام کیا ہو دیکھیے مجھ رہ نورد کا
بے مہریٔ فلک ہے پریشان کیے ہوئے

تربت پہ شامیانہ نہین ہے نہین سہی
ابر کرم ہے سایۂ دامان کیے ہوئے

مانع ہے کون ظلم کرو شوق سے مگر
انجام کا خیال مری جان کیے ہوئے

پیکان کسکے تیر کا نکلا ہے دل کے ساتھ
کاشانۂ حیات کو ویران کیے ہوئے

جناب اصغر گونڈوی

گم کر دیا ہے دید نے یون سر بسر مجھے
ملتی ہے اب انھین سے کچھ اپنی خبر مجھے

جب اصل اس مجاز و حقیقت کی ایک ہی
پھر کیون پھرا رہے ہین ادھر سے ادھر مجھے

رکھا ہوا ہے خرمن ہوش وخرد مین کیا
اب ڈھونڈھتی ہے کیون تری برق نظر مجھے

نالون نے میرے آگ لگا دی جہان مین
صیاد جانتا تھا فقط مشت پر مجھے

کیا کیا نگاہ مست سے فتنے بپا ہوئے
ساقی ترے نثار نہین کچھ خبر مجھے

کیا درد ہجر اور یہ کیا لذت وصال
اس سے بھی کچھ بلند ملی ہے نظر مجھے

ایسا کہ بتکدہ کا جسے راز ہو سپرد
اہل حرم مین کوئی نہ آیا نظر مجھے

بکھری ہوئی ہے زلف سیہ روے یار پر
اب صبح ہے کہ شام نہین کچھ خبر مجھے

آتی ہے صاف بادِ بہاری سے بوئے دوست — کیون باندھ باندھ رکھتے ہین یہ خبر سُنکے
وہ مست حسن اور مین سرشار آرزو — میری خبر اُنھین ہے نہ اُنکی خبر مجھے

ابوالاعجاز جناب ناطق جالندھری

خدا ئے رنج و راحت تھا نثارِ چاک داماں تھا — مقدر جب پہ روتا ہو، مین وہ مایوس انسان تھا
ترا زو جبین تیرا تیر او رمہمان پیکان تھا — ہماری شرح غم کا وہ دلِ خون گشتہ عنوان تھا
کشا کشہائے حسن و عشق کی رودادکیا ہمدم — جنون کا ہاتھ تھا اور تار تار اپنا گریبان تھا
مقام بیخودی مین بھی رہے جھگڑے تصور کے — فنا فی الشیخ ہوکر شیخ خود مسجود رگ رہبان تھا
جنون کیسا کہان کی اُلفتِ لیلیٰ مین بیتابی — وہ دیوانہ تو گویا عاشق چشم غزالان تھا
جناب شیخ آپ، اور بزم رندان جائے حیرت ہو — زبان پر کیسکے تو بہ تھی بغل مین کسکے قرآن تھا
جلایا شوق نے آکر، بجھایا مجھکو حسرت نے — مگر مین بزم ہستی مین چراغِ زیر دامان تھا
رموز سترِ وحدت جبین واعظ تو نے دیکھے تھے — ازل مین میرا دیوان تھا کہ دیوان کا عنوان تھا
اُلجھتا تھا جو رہ رہ کر میرا دم نزع مین ناطق — گمر تارِ رگ جان بھی کوئی تارِ گریبان تھا

جناب مولانا محوی لکھنوی

کیون صرف الم ہوتا، کیون ندر جفا ہوتا — یارب ! مجھے قسمت نے بیکس نہ کیا ہوتا
یون حسن کی دنیا مین رسوا نہ ہوا ہوتا — یہ ذوق نظر مجھکو یارب نہ عطا ہوتا
چپ رہنے پہ بھی دل کی شورش کا یہ عالم ہے — اک آہ اگر کرتا کیا جانیئے کیا ہوتا
ہے روح کو بیتابی، ہے قلب کو بیچینی — تیر اُسنے جو چھوڑا تھا، یارب نہ خطا ہوتا
دنیا کو دکھا دیتے، ہم حسن کی بیتابی — گر خستگیِ غم سے دل بجھ نہ گیا ہوتا
اللہ رے یہ آرایش، اُف رے تری رنگینی — وہ کل کا ترا وعدہ، کاش آج وفا ہوتا

اس اپنی تباہی پہ ہے ناز مجھے محوی
سو بار مین پھر مرتا، گر مر کے جیا ہوتا

جناب مرزا جعفر علیخانصاحب اثر لکھنوی

مین تیرا انجیان اُسوقت اے جانِ حزین ہوتا
کہ مر کر قیدِ غم سے چھوٹ جانے کا یقین ہوتا

سہارا بیکسی کا بھی جو ہوجائے غنیمت ہے
کہ جیسے عزیزون کا کوئی دنیا مین نہین ہوتا

یقین ہے خوف سے زاہد یہین سجدے مین گر پڑتا
فروزان مثلِ داغِ دل اگر نقشِ جبین ہوتا

ترا اندازِ رعنائی جو دیکھا یہ تمنا ہے
جدھر اُٹھتی نظر تیری مرا دل بھی وہین ہوتا

تصنع سے بری ہو اسلیے عاشق زمانہ ہے
خوشی تھی جیسے مرنیکی وہ کیون اندوہگین ہوتا

مکین ہے دل مین وہ اور دل ہے اک عالم جداگانہ
کسی کو تو نظر آتا جو دنیا مین کہین ہوتا

اثر بیزار ہو رہ رہ کے دلمین درد ہونیسے
بھلا کیا حال ہوتا دل اگر درد آفرین ہوتا

جناب احسن مجیبی ناظم حلقۂ ادبیات دھارود

ظالم نے آج روح کو بھی دل بنا دیا
دونون کو اک نگاہ مین بسمل بنا دیا

خلوت سرا ے دل کا یہ عالم کبھی نہ تھا
اک حسن بے حجاب نے محفل بنا دیا

رگ رگ مین اُس نگاہ نے اک روح پھونکدی
جو آبلے تھے دل مین اُنھین دل بنا دیا

نیچی نظر نے قلب کے ٹکڑے اُڑا دیے
تجھکو ادائے شرم نے قاتل بنا دیا

گو میرے حالِ زار نے رسوا کیا مجھے
اتنا ہوا کہ رحم کے قابل بنا دیا

اب اس سے بڑھکے اے حرمِ جانان مین کیا کرون
مین نے تو دل مین رکھ کے تجھے دل بنا دیا

اس درجہ انتظار مین بیتابیان بڑھین
خود میرے شوق نے مجھے بسمل بنا دیا

ذوقِ طپش ہے اُسکے لیے حاصلِ حیات
جس دل کو تو نے درد بھرا دل بنا دیا

احسن یہ محویت یہ خموشی یہ بیخودی
ایسا کسی کی یاد نے غافل بنا دیا

زمانہ

مرتبہ دیا نرائن نگم بی اے

نمبر ۶	جون سنہ ۱۹۳۶ء	جلد ۶۶

فہرست مضامین

زمانہ پریس کانپور سے شائع ہوا

[illegible]

شربت اکسیر

کی تاثیر

لیجئے جناب! - شربت اکسیر [illegible] ہمیشہ کے لئے [illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible]
[illegible] آپکے سامنے پیش کیا جاتا ہے - [illegible]
ایک [illegible] شربت اکسیر [illegible] صداقت آپکو [illegible] ہو جائیگی - [illegible] کے لئے شربت اکسیر واقعی اکسیر [illegible]
[illegible] شربت اکسیر کے استعمال سے [illegible] جاتا رہتا ہے -
[illegible] - نطفہ کا [illegible]
[illegible] ان سب مہلک امراض کے لئے شربت
[illegible] دوسری دوا ہو - [illegible]
آپ ایک [illegible] - قیمت فی شیشی شربت [illegible] علاوہ محصول -

کیا ان سے بڑھکر اور معتبر شہادت ہو سکتی ہے؟ جناب ڈاکٹر خورشید بیگ صاحب

[illegible] شربت اکسیر [illegible]
[illegible] سرٹیفکیٹ دیتا ہوں [illegible]
[illegible] طاقت بخشتا ہے -

جناب پنڈت [illegible] صاحب [illegible] شربت اکسیر [illegible]
[illegible] سرٹیفکیٹ دیتا ہوں کہ شربت اکسیر ایک دوا [illegible]
[illegible] خدمت والا ہوں [illegible]
[illegible]

جناب [illegible] صاحب [illegible] شربت اکسیر کی ایک شیشی [illegible]
[illegible] تعریف [illegible]
[illegible] آپکا شربت [illegible]
[illegible] آپکی دوا [illegible]
[illegible]

عجز و ضعف نامردی و سستی

[illegible]

[illegible]

زمانہ

جلد ۳۸ — جون ۱۹۲۲ء — نمبر ۶

میزنی اور اُسکی تعلیم

(ایک مسلم گریجوایٹ کے قلم سے)

مثل مشہور ہے کہ انسان کی قدر مرنے کے بعد ہوتی ہے - جیسی ہی حالت اٹلی کے مشہور و معروف قوم پرست جوزف میزنی کے ساتھ گزری - جب تک زندہ رہا حکمران جماعت اُسے سازشی اور باغی کے القاب سے یاد کرتی رہی - لیکن وفات کے بعد دنیا کے بہترین آدمیوں میں اسکی گنتی کی گئی ہے - اس وقت لوگ اسکے مضامین پڑھنے سے ڈرتے تھے مگر مسٹر جونز (جنھوں نے میزنی کے مضامین کی تنقید لکھی ہے) اب یہ نصیحت کرتے ہیں کہ "بزدل سے بزدل اور وفادار سے وفادار شہری کو اس کے مضامین پڑھنے سے خوف زدہ نہ ہونا چاہیئے" - میزنی زمانہ طالب علمی ہی سے غور و خوض کرنیکا عادی تھا اور اس زمانہ کی حکومت ایسے نوجوانوں کو نفرت اور وحشت کی نظر سے دیکھتی تھی - میزنی اس جرم میں گرفتار کر لیا گیا تھا کہ وہ اپنے دماغ سے کام لیتا ہے - چنانچہ آگے گورنر نے اس کے باپ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "آپکا لڑکا غور و فکر کرتا ہے اور رات کے وقت تنہا ہوا خوری کرنے کا عادی ہے" حقیقت میں وہ اطالویوں کو متحد کرنے کی تدابیر سوچا کرتا تھا - اُسکی خواہش تھی کہ ملک میں ایک ایسا [illegible] ہو جائے جس کی بنا کسی بڑے مرکزی خیال پر ہو - ملک کی [illegible] [illegible] کرنے کیلئے [illegible] مضامین [illegible]

خود ہمین بجالانے چاہئین وہ حیرت انگیز ہے۔ انسان قدرتی طور پر یہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ تو اپنے فرائض بجالاتے رہین لیکن وہ خود اپنے فرائض کی ذمہ داری سے بچا رہے۔ یہ حالت اسوقت اور زیادہ نمایان ہو جاتی ہے جبکہ ایک قوم کسی دوسری قوم کی غلامی مین اپنی زندگی بسر کر رہی ہو اپنے زمانہ کی بداخلاقیون کی جڑ کاٹنے اور خود کو آسٹرویون سے بڑھ چڑھکر ثابت کرنے مین جو عظیم الشان کام اُس نے انجام دیا ہے وہ اسی کے شایان شان تھا۔ حضرت مسیحؑ نے اپنے زمانہ کی برائیون کے خلاف جس بیباکی سے نکتہ چینی کی تھی وہ صفت عیسائیت کے اس فرزند مین بدرجۂ اتم موجود تھی اس نے جو کچھ کہا، علانیہ اور نہایت صاف گوئی سے کہا۔ اسنے حقوق کا ذکر نہین جو بطور انسان ہمین حاصل ہونے چاہئین، بلکہ اس نے ان فرائض کا ذکر کیا ہے جو انسان ہونیکی حیثیت سے ہمین بجالانے چاہئین۔ وہ کہتا ہے:-

"جب مین یہ کہتا ہون کہ محض اپنے حقوق کی واقفیت بنی نوع انسان مین نمایان یا دیرپا ترقی پیدا کرنے کے لیئے کفایت نہین کرتی تو اسوقت مین تم سے یہ کہنا نہین چاہتا کہ تم ان سے دست بردار ہو جاؤ۔ مین صرف یہ کہنا چاہتا ہون کہ بذاتِ خود ان کا کوئی وجود نہین۔ اور اگر وہ قائم رہ سکتے ہین تو محض فرائض کی بجاآوری کے نتیجہ کی حیثیت سے۔ اور اسلیئے قبل الذکر چیز کو حاصل کرنے کی غرض سے مؤخر الذکر شئے کو حاصل کرنے کا کام شروع کر دینا چاہیئے۔ اور جب مین یہ کہتا ہون کہ خوشی راحت اور مادّی فوائد کو زندگی کا مقصد قرار دینے مین یہ خطرہ ہے کہ لوگ خود غرض بن جائینگے تو اسوقت میرا مطلب یہ نہین ہے کہ تم ان کے لیئے جد وجہد کرنا چھوڑ دو۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر محض مادّی فوائد کے حصول کی کوشش کیجائیگی اور انہین ذریعہ قرار دینے کی بجائے مقصد شمار کر لیا جائیگا تو اس کا نتیجہ نہایت تباہ کن نکلے گا۔...... مادّی ترقی ضروری ہے اور ہم اسکے حصول کی کوشش کرینگے لیکن اسلیئے نہین کہ انسان کی ضرورت صرف یہ ہے کہ اسے اچھا کھانا مل جائے یا رہنے کو اچھا مکان میسّر آجائے بلکہ اس لیئے کہ جب تک تم موجودہ زمانہ کی طرح ضروریات زندگی کے حاصل کرنے کی کشمکش مین لگے رہوگے اسوقت تک تم کو اپنی شان اپنے وقار اور اپنی عظمت یا کسی اخلاقی نشو ونما کا علم نہین ہو سکتا..... اخلاقی حیثیت سے ترقی کرنے کے لیئے مادّی حالات مین تبدیلی کرنیکی سخت ضرورت ہے...... تمہین اس تبدیلی کے لیئے کوشش کرنی چاہیئے اور تم بالضرور اُسے حاصل کروگے لیکن نہین اس کے

کا مطمع نظر اپنے سامنے رکھیں جو بالآخر اُن کے لیئے آئیوالا ہے"۔ وہ اپنی زندگی کو مقدس مشن سمجھتا تھا اور ہمیشہ اپنے فرائض کی ادائیگی کو سب سے ضروری شے خیال کرتا تھا۔ وہ سازشی نہ تھا اس لیئے کہ سازش کرنیکے لیئے جس قسم کی قابلیت اور دماغ کی ضرورت ہوا کرتی ہے وہ اُسمین بہت کم تھی۔ اسے علم ادب سے قلبی محبت تھی۔ اُس نے ڈینٹے، شیکسپیر، بائرن، گیٹے اور شلر کی تصنیفات کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا۔ اُسکا طرز گفتگو زوردار تھا۔ اسکی تحریر و تقریر مین سوامی ویویکانند اور سید جمال الدین افغانی کی طرح کُوٹ کُوٹ کر جوش بھرا ہوا تھا۔ جس کا اثر عوام پر پڑتا تھا اور لوگ سمجھتے تھے کہ وہ جادو کرتا ہے۔ کارلائل اس کا دوست تھا اور وہ میزنی کی قابلیتون کا حسب ذیل الفاظ مین اعتراف کرتا ہے:۔" وہ قابل اور نیک آدمی ہے۔ وہ نہایت سچا ہے۔ شرافت قلب اور بنی نوع انسان کی محبت اسکے دل مین بدرجۂ اتم موجود ہے۔ وہ ان عجیب و غریب آدمیون مین سے ہے جو شہید روحون کے القاب سے یاد کیئے جانے کے قابل ہین"۔ اسے پورا یقین تھا کہ کوئی قوم آزادی کے ثمرات سے اُسوقت تک بہرہ مند نہین ہوسکتی جب تک کہ وہ خود اپنی کوششون سے اُسے حاصل نہ کرے وہ آسٹریا کی طرز حکومت کی خرابیون کا آخر وقت تک مقابلہ کرتا رہا۔ لیکن سب سے بڑھکر اُسے اس بات کا افسوس تھا کہ "میری قوم اسقدر جاہل اور بے پروا ہے۔ جو اپنی قوت باہمی لڑائی جھگڑون مین صرف کرتی ہے گویا وہ نامرد بن گئی ہے"۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر میری قوم کو قوم بننے کی آرزو ہے تو اسے سب سے پہلے اپنے تئین اخلاقی برائیون سے پاک و صاف کرلینا چاہیئے"۔ اسکے بغیر اسکا مشن ہرگز پورا نہوگا۔ قید خانہ سے وہ مبسوط پروگرام مرتب کرکے نکلا تھا اور مرتے وقت بھی اسکے ذہن مین اپنے ملک کو ترقی دینے کی اسکیمین تھین۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ "تم کہتے ہو کہ مین بیمار ہون ایسے زمانہ مین جبکہ قوم حصول آزادی کی کشمکش مین مبتلا ہو تمہین بیمار ہونے کی فرصت کس طرح سے مل گئی؟" واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کا نہایت ہی خیرخواہ تھا۔ اور اگرچہ ڈینٹے وغیرہ نے بھی حب الوطنی کے خیالات ظاہر کیئے ہین۔ مگر میزنی کی حب الوطنی مین سیاسی جھلک تھی اور یہی امتیاز ہے ان دونون مین۔ میزنی کی حالت یہ تھی کہ تم میرے قلب کو چیرو تو تمہین اسکے اندر "اٹلی ہی" "اٹلی" لکھا ہوا نظر آئیگا"۔

میزنی کی تعلیمات عجیب و غریب ہین۔ جس شدومد سے اس نے اُن امور پر زور دیا ہے جو

حصول کی ذریعہ کے طور پر کوشش کرنی چاہیئے نہ کہ اصلی مقصد کی حیثیت سے فرض کے نقطۂ خیال سے اسکے لیئے سعی کرو۔ مادّی طور پر خود کو خوشحال بنانے کے بجائے اپنے تئین بہتر بنانے کے خیال سے اسکے حصول کی کوشش کرو۔ ...... اپنے تئین اخلاقی حیثیت سے بہتر بنانا انسانی ہستی کا مقصد اولین ہونا چاہیئے۔ ...... جو لوگ تم سے اونچے ہین ان کے روبرو اپنے فرائض ادا کرنے کا وعظ کہو اور حتی الامکان اپنے فرائض بھی ادا کرتے رہو۔ نیکی، ایثار اور محبت کا وعظ کہو اور ساتھ ہی خود بھی نیک، بے غرض اور ہمدرد بن جاؤ۔"

فرض کے متعلق میزنی کا جو تخیل ہے وہ نہایت مقدس ہے۔ تہذیب اسلام کی طرح جو فرائض منصبی کے متعلق تیرہ سو سال سے یہ وعظ کر رہا ہے کہ اسلامی احکام خدائی ہین اور انکی بجاآوری اور عدم بجاآوری کے لیئے سب خدا کے روبرو جوابدہ ہین، میزنی بھی ادائیگی فرائض مین خدائی عظمت کے خیال کو اپنے پیش نظر رکھتا ہے کیونکہ "اسکے بغیر احساس فرایض کس طرح سے ہو سکتا ہے؟" ایسی ہی قوت کے ماتحت رہ کر ہم نیک اور رعایا کے غمگسار بن سکتے ہین اور بجائے حاکم کے اسکے خادم رہ سکتے ہین۔ وہ لکھتا ہے:-

"خدا کے بغیر ہم کہان سے احساس فرض حاصل کر سکتے ہین؟ خدا کے بغیر تم دیکھو گے کہ (خواہ تمہاری حکومت کے کسی نظام سے بھی تم اپنا تعلق وابستہ کر لو) اُسکی بنیاد اندھی، وحشیانہ اور ظالمانہ قوت کی نمایش پر ہوگی۔ اس کلیہ سے تمھارے لیئے بچ کر جانا ناممکن ہے۔ ...... یا تو ہمین خدا کی اطاعت کرنی چاہیئے یا بنی نوع انسان کی (خواہ وہ ایک شخص ہو یا ایک سے زائد، اسکا کچھ مضائقہ نہین) لیکن اگر تمام بنی نوع انسان کے دماغون پر ایک اعلیٰ دماغ حکومت کرنے کے لیئے موجود نہو تو کون ہین اپنے ہم جنسون کے مظالم سے نجات دلا سکتا ہے؟ ...... مین اپنے گہرے عقیدہ کی بنا پر تم سے کہتا ہون کہ خدا کے بغیر کسی قانون پر اعتماد کیئے بغیر اور اخلاق کے بغیر اور ایثار کا اظہار کیئے بغیر تم کبھی کامیاب نہین ہو سکتے۔"

مزدوری پیشہ طبقہ کی مشکلات و مصائب کا حال بیان کرتا ہوا لکھتا ہے:-

"مزدورون کی قلاّشی حالت مین کوئی تبدیلی پیدا نہین ہوئی وہ جنکے پاس کچھ بھی سرمایہ موجود نہین یا وہ جو اپنی روز کی کمائی مین سے کچھ بھی پس انداز نہین کر سکتے اور اسلیئے کسی تجارتی کاروبار کی ابتدا کرنے سے قاصر رہتے ہین، ایسے لوگون کے لیئے مقابلہ کی آزادی ان لوگون کے لیئے جھوٹ سے زیادہ وقعت نہین

رکھتی جو تعلیم و تربیت، مواقع اور وقت کے نہونے کے باعث اپنے حقوق کا استعمال نہین کر سکتے"
میزنی کا خیال ہے کہ "اس قسم کی زندگی (بشرطیکہ وہ ممکن ہو) بچو ن کی زندگی ہوگی نہ کہ آدمیو ن کی۔...... ممکن ہے کہ جسمانی زندگی کو اس سے اطمینان حاصل ہو جائے لیکن اخلاقی اور ذہنی زندگی تباہ و برباد ہو جائیگی اور اسکے ساتھ ترقی، آزاد کاروبار، آزاد تعلقات، پیداوار کی بیشی، خوشحالی کی قدرین اور ترقی کی تمام تحریکین خود بخود مردہ ہو جائینگی" وہ کہتا ہے کہ اسکا علاج یہ ہے کہ مزدور اور کارخانہ دار دونون متفق ہو کر کام کرین اور محنت کے ثمرات باہم تقسیم کر لیئے جائین اور برادرانہ زندگی بسر کیجائے۔

میزنی کے متعلق اسکی زندگی مین اکثر اشخاص کا یہ خیال رہا ہے کہ وہ صرف قیاسات سے کام لیتا ہے اور موہوم باتون کا خواب دیکھا کرتا ہے اور یہ کہ عملیات اور حقائق زندگی سے اسکو کچھ تعلق نہین وہ اپنے مخالفین کو۔ الزام ثابت کرنے کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "ہر انقلاب خواہ معاشرتی ہو یا سیاسی یا کسی اور قسم کا (یہ ضروری نہین کہ وہ اپنے مین شورش کا پہلو ہی رکھتا ہو) تخریب و تعمیر پر مشتمل ہوتا ہے۔ تخریب مروجہ نظام کی اور تعمیر جدید نظام کی جو پہلے کا نعم البدل ہو نیوالا ہے" اسکا مقصد صرف یہ نہین کہ محض تباہ کن نکتہ چینی کی جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ عوام کے سامنے جدید نصب العین پیش کیا جائے۔ وہ اخلاقی قوت کو ترقی کا غالب عنصر قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اسی روح کے ذریعہ ہم جس اصول کو جس قالب مین ڈھالنا چاہین ڈھال سکتے ہین:۔

"اصولون کے مرد میدان بنو۔ لوگون کو جو اسوقت تاریکی مین مبتلا ہین، ترقی انسانیت اور خدا کے قانون کی دعوت دو۔ ان مین اخلاقی حس پیدا کر دو۔ اُن مین فرض شناسی کا جذبہ ابھارو۔ :..... نوجوانون کے سامنے جدید مطمح نظر پیش کرو اسلیئے کہ وہ شک و شبہہ اور ناکامی سے جلد بیدل ہو جاتے ہین۔ جوش، مذہب اور محبت کے ذریعہ لوگون مین نئی اخلاقی زندگی پھونک دو"۔

ہمارے ملک مین کیا ہر سرزمین مین ایسے اشخاص ملینگے جو دنیا کو عارضی شئے سمجھ کر اسکی دلچسپیون اور ترقیون کی جانب متوجہ ہونا گناہ سمجھتے ہین۔ وہ کہتے ہین کہ یہ زندگی صرف آنی جانی ہے ہم یہان جلاوطن ہو کر آئے ہین اور اسلیئے ہمین اسکو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے اور تمام خیالات کو خدائے برتر کی جانب منعطف کر دینا چاہیئے۔ میزنی ایسے مایوس اشخاص کو جو خواہ

خواہ اپنے تئیں قیدخانہ میں دیکھتے ہیں، نہایت سختی سے یہ جواب دیتا ہے:۔

"جو لوگ تم سے دوسری دنیا کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وہ اِس زمین سے الگ کوئی مقام ہے تو اُن سے یقین یہ کہنا چاہیئے کہ راستہ اور منزل کی مانند وہ دونوں ایک ہی شے ہیں۔ زمین خدا تعالیٰ کی ہے۔ خدا نے اسے اسلیئے پیدا کیا تھا کہ ہم اسکے ذریعہ اس تک پہنچیں۔ یہ جگہ ہماری ترقی کے لیئے مقرر کی گئی ہے اور نیز اس لیئے کہ ہم زندگی کے اعلیٰ مدارج تک پہونچ جائیں۔ خدا نے ہمیں عبادت کرنے کیلیئے پیدا نہیں کیا بلکہ عمل کے لیئے۔ ..... تیری بادشاہت زمین پر بھی قائم ہو جیسی کہ آسمان میں ہے۔ اے میرے بھائیو! تمھارا عقیدہ ان الفاظ پر مبنی ہونا چاہیئے۔ ان لفظ کو بار بار دہراؤ۔ اُن لوگوں کی باتوں پر دھیان مت دو جو تمہیں ترک دنیا سکھاتے ہیں، دنیا دی حکومت کی اطاعت کرنے کی تلقین کرتے ہیں جبکہ وہ آمادۂ ظلم ہو اور تم سے یہ کہتے ہیں کہ جو حق بادشاہ کا ہے وہ بادشاہ کو ادا کرو اور جو حق خدا کا ہے وہ خدا کو ادا کرو۔ بادشاہ کا کوئی حق نہیں ہے سوائے اس حق کے جو قانونِ الٰہی کے مطابق ہو۔ شہری حکومت ایک خاص مدت کیلیئے مشیت ایزدی کی حکمبرداری کی نااہل ثابت ہو تو میں یہ نہیں کہونگا کہ تمھارا حق ہے بلکہ تمھارا فرض ہے کہ تم اسے تبدیل کر دو۔"

ہمیشہ ہمیشہ ماضی پر نظر رکھنا اور مستقبل کی طرف سے بے پرواہ رہنا۔ میزنی کے نزدیک ایک طفلانہ حرکت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ماضی سے ہمیں اپنے مستقبل کی ترقی کے لیے مواد حاصل کرنا چاہیئے اور یہی ایک طریقہ ہے جس سے حال کے جمود کو رفع کیا جا سکتا ہے۔ بقول مسٹر ایسکوئتھ کوئی قوم محض اپنی شاندار روایات کی یاد پر زندگی نہیں بسر کر سکتی۔ یہ زرین مقولہ کم سے کم مسلمانوں کی تمام سرگرمیوں کا رہنما ہونا چاہیئے اسلیئے کہ اُن میں اب بھی بہت سے اشخاص ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں نے جسقدر ترقیاں کی تھیں، اُن سے زیادہ ممکن نہیں اور یہ کہ کسی مسئلہ پر جو کچھ وہ لکھ گئے ہیں یا کہہ گئے ہیں اسمیں سرمو فرق نہیں آسکتا۔ اگر مسلمان اپنی ضرورت سے زیادہ خوش عقیدگی کو بالائے طاق رکھدیں تو وہ دیکھ لینگے کہ موجودہ علوم و فنون کی اب وہ حالت نہیں جو سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں تھی۔ اِس امر سے کوئی انکار نہیں کرتا کہ یورپ نے زانوئے شاگردی مسلمانوں کے سامنے طے کیا تھا لیکن بقول مسٹر تھونگ اس نے یہ کام بے فائدہ نہیں کیا کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے

دیکھ رہے ہین کہ آج اسکے علوم وفنون حیرت انگیز درجہ تک ترقی کر گئے ہین - اس قسم کے تنگ خیالات مسلمانون کو موجودہ علوم وفنون سیکھنے مین سخت مانع آرہے ہین - اسکے علاوہ ہم مین ایک اور گروہ ہے جو سرے سے اپنے بزرگون کے کارنامون کو جھٹلاتا ہے اور انہین بیوقوف بتاتا ہے - ہر جدید شئے کا اچھا ہونا اور ہر قدیم شئے کا بُرا ہونا ان کے نزدیک مسلمہ حقیقت ہے - اس قسم کی افراط وتفریط قوم کے نوجوانون مین غلط خیالات پیدا کرنے کا سبب ہوگی جو بجائے خود خوشگوار نہین کہلائی جاسکتی - میزنی کے ارشادات سے ہمین اپنے مستقبل کو ماضی سے زیادہ شاندار بنانے مین تقویت حاصل کرنی چاہیئے اور ساتھ ہی اپنے بزرگون کی جائز عظمت کو بھی نظرانداز نہ کرنا چاہیئے - وہ لکھتا ہے :-

" اپنے بزرگون کی تقلید کرتے وقت ہم یہ بات فراموش کرجاتے ہین کہ ہمارے بزرگون نے کسی کی تقلید نہین کی تھی - اور اسی مین ان کی عظمت مُضمر ہے - انھون نے جو کچھ کیا ، عوام کی ضروریات یا اپنے گرد وپیش کے حالات واثرات کو مدنظر رکھکر کیا - اور صرف اسوجہ سے کہ اُنکے کارنامے انکے سطح نظر کے مطابق تھے - اُنھون نے درحقیقت اعجاز کر دکھایا - کیا وجہ ہے کہ ہم بھی ان کی طرح سے کام نہ کرین ؟ کیا وجہ ہے کہ گزشتہ روایات کا مطالعہ اور احترام کرتے ہوئے ہم آگے کی جانب نہ بڑھین ؟ ہمین اپنے بزرگون کی عظمت کی پرستش کرنی چاہیئے - ہمین ان کے مقبرون مین مستقبل کے لیئے راہ ہدایت ڈھونڈنے کی کوشش کرنی چاہیئے - مستقبل ہمارے سامنے موجود ہے اور صرف خدا تعالیٰ ہی جو تمام الہامون اور زمانون کا سرچشمہ ہے ، نہ ختم ہونیوالے راستہ کی جانب ہماری رہنمائی کرسکتا ہے - لہذا تم آگے بڑھو اور اپنی باری سے بڑا بننے کی کوشش کرو ...... ہمارے بزرگ مقبرون مین اپنے کارنامون پر جائز فخر کرتے ہوئے آرام کی نیند سو رہے ہین - وہ جنگ کے بعد سپاہیون کی مانند خوابِ استراحت مین ہین جو اپنے جھنڈے کے سایہ مین لیٹے پڑے ہین - ..... لیکن اب اللہ کا نام لیکر ہمین آگے قدم بڑھانا چاہیئے - اسکے بعد ہم واپس ہونگے اور اُن قبرون پر جہان ہمارے آباؤ اجداد خوابِ شیرین مین لیٹے پڑے ہین ، کامیابی کے پھول چڑھائین گے جنھین ہم نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہے - ..... دورِ قدیم اپنے اصل مقصد کو صرف دورِ جدید ہی کے بپتسمہ سے حاصل کرسکتا ہے "

میزنی کہتا ہے کہ " سیاسیات کی غایت یہ ہے کہ قوم کے سول نظام پر اخلاقی قانون جاری ہو، یعنی اسکے داخلی اور خارجی دونون معاملات پر " یہی تعلیم موجودہ زمانہ میں ہندوستانی کا سب سے بڑا فرزند گاندھی دے رہا ہے - مہاتما کی تلقین یہ ہے کہ سیاسیات کو روحانی بناؤ اسلیئے کہ اسکے بغیر سچی ترقی ناممکن ہے - میزنی کا قول ہے کہ ہم اسوقت تک کوئی فرض بھی سچائی کے ساتھ ادا نہین کرسکتے - جب تک کہ ہم اخلاقی زیور سے مزین نہ ہونگے -

میزنی خاندان کو بنی نوع انسان کا گہوارہ کہتا ہے - اسکے بعد ملک کا درجہ ہے - عورت کو گھر کا فرشتہ قرار دیتا ہوا لکھتا ہے :-

عورت سے محبت کرو - عورت کا ادب کرو - اس سے صرف تسکین ہی حاصل نہ کرو بلکہ اپنی ذہنی اور اخلاقی قوتون کے لیئے طاقت بھی - صدیون کے تعصبات نے غیر مساوی تعلیم اور خود ساختہ قوانین کے ذریعہ عورتون مین جو ذہنی کمی پیدا کردی ہے، اسے تم آج اپنے ظلم کو برقرار رکھنے کے لیئے دلیل کے طور پر استعمال کررہے ہو - لیکن کیا تمام جور و تشدد کی تاریخ نہین یہ سبق نہین سکھاتی کہ ظالم اپنے تشدد کو حق بجانب ثابت کرنے کی غرض سے ہمیشہ اپنے ہی قائم کردہ قوانین کو پیش کیا کرتے ہین ؟ ..... پچاس سال سے موجودہ حکمران خاندان کے مؤیدین یہ کہہ رہے ہین کہ ہم (یعنی اطالوی) آزادی حاصل کرنے کے قابل نہین ہین اور اس اثنا مین وہ قوانین اور کرایہ کے سپاہیون کی وحشیانہ طاقت کے ذریعہ ہر ایک دروازہ اسلیئے بند کررہے ہین کہ شاید ہم (بشرطیکہ ہم مین مفروضہ ناقابلیت کا وجود ہو) خود بخود اسکو مغلوب نہ کرلین، گویا کہ ظلم و تشدد کبھی آزادی کی تعلیم بھی قرار دیا جا سکتا ہے .... آج نصف انسانی آبادی (وہ نصف جس سے ہم طاقت اور خیالات حاصل کرتے ہین، وہ نصف جو ہمارے بچون کی ابتدائی تعلیم کی نگہبان ہے) عجیب و غریب تناقص کے باعث تمدنی سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے مردون سے ہر حیثیت مین کم قرار دی گئی ہے اور سررشتہ وحدت سے علیحدہ کردی گئی ہے ...

. . . .

عورت کی آزادی مردون کی آزادی کے ساتھ عمل مین آنی چاہیئے "

خاندان کے بعد ملک کا درجہ ہے :-

"ملک سے محض ارضی رقبہ مراد نہین، مخصوص زمین صرف اسکی بنیاد ہے۔ ملک سے مراد محبت اور ہمدردی کے جذبات ہین جو اس علاقہ کے رہنے والون کو ایک زندگی مین مربوط کیئے رہتے ہین۔.....
ملک تعلقات کا نام ہے۔ مساوات کے بغیر کوئی ملک سچے معنون مین ملک نہین بن سکتا۔ جہان ذات پات، خاص حقوق اور عدم مساوات کے وجود نے مساوات کا خاتمہ کردیا ہو، جہان بہت سے افراد کی طاقتین یا تو دبائی جاری ہون یا خوابیدہ پڑی ہون، اس پر سچے معنون مین ملک کا اطلاق نہین ہوسکتا۔...... ان حالات مین افراد قوم نہین بن سکتے بلکہ انھین بھیڑ بھاڑ اور اژدحام یا مجمع کے لقب سے پکارا جائیگا جو بعض موافق حالات کے سبب ایک جگہ جمع ہو گیا ہو اور مختلف حالات کے پیدا ہوتے ہی ایک دوسرے سے جدا ہو جائیگا...... تمھارا ملک تمہاری عبادتگاہ ہونا چاہیئے جسکا کلس خدا ہو اور جہان سب آدمیون کا درجہ برابر ہو،

لیکن دوسری اقوام سے تعلقات قائم کرنے اور ان سے رشتۂ اتحاد پیدا کرنے سے پیشتر ہمین قوم بن جانا چاہیئے۔ میزنی کہتا ہے کہ:-

"مساوی درجہ کے آدمیون کے سوائے اور کسی سے تعلقات قائم نہین ہوسکتے۔ ملک کے بغیر تم بے نام و نشان ہو، تمھاری کوئی آواز نہین ہے، تمھارے حقوق صفر کے برابر ہین اور تم بنی نوع انسان کی برادری مین داخل نہین ہوسکتے۔ تم بنی نوع انسان کے نزدیک راندۂ درگاہ ہو...... تم ایسے سپاہی ہو جسکے پاس کوئی جھنڈا نہین۔ تم یہودیون کی مانند ہو[1]۔ نہ تمھارے دھرم کی عزت ہوسکتی ہے اور نہ تمہین کہین پناہ مل سکتی ہے۔ تمھاری ضمانت کوئی نہین کرے گا"

میزنی لوگون کو بنی نوع انسان کا خدمت گذار بننے کی تعلیم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "ان کا مذہب اقوام کی برادری اور بنی نوع انسان کا اتحاد" ہونا چاہیئے۔ اسکی رائے مین "یہ اصول وہ ہے جسے اگرچہ نظریہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے مگر عملی طور پر اسکی تکذیب کی جاتی ہے"

---

[1] یہ الفاظ پچاس ساٹھ سال پیشتر لکھے گئے ہین لیکن موجودہ حالات مین دوجوہ سے تو ان یہودیون پر منطبق نہین ہو سکتے۔ اب انگریزون کی فیاضی (جسمین ترکی حکومت کی شکست کو بہت بڑا دخل ہے) کے سبب انہین فلسطین مین جا کر بسنے کی اجازت مل گئی ہے۔ مالدار یہودی غریب یہودیون کو دوسرے ملکون سے لا لا کر فلسطین مین لا رہے ہین تاکہ جلد سے جلد یہودیون کی آبادی اس ملک کی عرب آبادی پر غالب آجائے۔ امید ہے کہ رفتہ رفتہ یہودیون کو ہندوستان کی کسی دیسی ریاست کی بادشاہت بھی نصیب ہو جائے گی۔

میزنی انسان کے چند بنیادی حقوق کی تشریح کرتا ہے اور اُن میں سب سے بلند درجہ بجالی پر آزادی کو دیتا ہے:-

"بغیر آزادی کے اخلاق قائم نہیں رہ سکتے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بغیر آزادی کے کوئی جماعت سچے معنوں میں زندہ نہیں رہ سکتی اسلیئے کہ آزاد آدمیوں اور غلاموں میں باہمی تعلقات قائم نہیں ہو سکتے بلکہ چند اشخاص کی حکومت دوسروں پر ہوگی۔ آزادی ہر شخص کے واسطے ایک مقدس شئے ہے اسلیئے کہ وہ اسی کی زندگی کی نمایندگی کرتی ہے۔ جہاں آزادی موجود نہیں ہوتی وہاں زندگی محض مادی مشین بن کے رہ جاتی ہے۔ جو آدمی اپنی آزادی کی توہین کرتا ہے وہ اپنی فطرت سے دغا کرتا ہے اور وہ خدائی فرمان کے خلاف بغاوت کرتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شخصی آزادی، نقل و حرکت کی آزادی مذہبی اعتقادات کی آزادی، ہر مسئلہ پر رائے زنی کی آزادی، ملنے جلنے کی آزادی: تاکہ تم دوسروں سے مل جل کر اپنے خیالات کو نشو و نما دیتے رہو، اُن تمام چیزوں کی تجارت کرنے کی آزادی جنھیں تمہارے دماغوں یا ہاتھوں نے پیدا کیا ہے۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جنھیں کوئی شخص بھی تمھارے ہاتھ سے نہیں چھین سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدائے برتر نے تمہیں خیالات دیئے ہیں۔ کوئی شخص ان پر قابو نہیں پا سکتا اور خیالات کا مطلب یہ ہے کہ تمھاری روحیں اپنے بھائیوں سے بات چیت کر رہی ہیں اور یہی ترقی کا ایسا ذریعہ ہے جس سے ہم واقف ہیں۔ پریس کلیتہً آزاد ہونا چاہیئے۔ دماغی حقوق میں کوئی قوت مداخلت نہیں کر سکتی۔ ہر قسم کی سنسر شپ (احتساب) ظلم ہے۔ سوسائٹی صرف ان لوگوں کو سزا دے سکتی ہے جنھوں نے اپنے قلم کے ذریعہ جرائم کا ارتکاب کیا ہے، مثلاً خلاف اخلاق امور کی کھلم کھلا تعلیم دینا۔ اور اس کے لیئے ویسی ہی سزا مقرر ہونی چاہیئے جیسی کہ دوسرے جرموں کے لیئے مقرر ہے۔ جو سزا سنجیدہ رائے عامہ کے ذریعہ دی جائے وہ انسانی ذمہ داری کا بین نتیجہ ہے اور ہر مداخلت جو پیشتر سے کیجائے وہ آزادی کی نفی پر دلالت کرتی ہے"

دوسرا بنیادی حق تعلیم کا حق ہے میزنی کے خیالات ملاحظہ ہوں:-

"تعلیم کے بغیر تم ٹھیک طور سے نیکی اور بدی میں تمیز نہیں کر سکتے تم اپنے حقوق کا بھی صحیح طریقہ سے اندازہ نہیں لگا سکتے۔ تم سیاسی زندگی میں وہ حصہ حاصل نہیں کر سکتے۔ جسکے بغیر تم حصول آزادی میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اسکے بغیر تمہاری دماغی اور جسمانی قوتیں خوابیدہ اور بیکار رہیں گی۔

اسلیئے تمھارا حق ہے کہ تم لازمی اور مفت قومی تعلیم کے نظام کے قیام کا مطالبہ کرو اور بالآخر اسے زبردستی حاصل کر لو۔"

الحاصل اسکی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے تمام افعال و اقوال خدائی قانون کے ماتحت ہونے چاہئین۔ دنیاوی نظام روحانی اور اخلاقی قوت کے ماتحت رہنا چاہیئے اور یہ کہ جب کبھی کوئی حکومت اس نظام کو توڑنے یا اسکی خلاف ورزی کرنے کی کوشش کرے تو جماعت کا حق ہے کہ وہ اسکی مدافعت مین سینہ سپر ہو کر لڑے۔ وہ انسان کی آزادی پر بیحد زور دیتا ہے اور چونکہ وہ خود غلامی کے مزے لے چکا ہے اسلیے وہ نہایت شد و مد سے غیر ملکی حکومت کے خلاف یہ کہکر آواز بلند کرتا ہے کہ آقا اور غلام مین مساوی تعلقات قائم نہین ہو سکتے۔ وہ عورتون کو مساوی حقوق دینے کی تائید کرتا ہے اور ان کے موجودہ دماغی نقائص اور ذہنی جمود کو مردون کے تعصب اور ظلم کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ وہ بنی نوع انسان کو ایک خاندان تصور کرنے اور برادرانہ زندگی بسر کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی قوم کو کسی دوسری قوم پر ظلم کرنے یا اسے اپنے سے کمتر سمجھنے کا کوئی حق نہین۔ اسکی خواہش ہے کہ دنیا مین تعلیم عام ہو جائے تاکہ سب لوگ نیک و بد مین تمیز کر سکین۔ وہ مزدورون کا حقیقی رفیق تھا اور ان کی جماعت کے متعلق اسکے خیالات نہایت اعلیٰ اور شریفانہ تھے۔

ہمدردی

پیاری ماں " اگر مین تمہارا بچہ نہوتا، بلکہ ایک پرند ہوتا، اور اگر مین تمہارے کھانے مین حصہ لینے کی کوشش کرتا، تو تم کیا منع کرتین اور کیا تم یہ کہکر ہٹا دیتین،

بھاگ جا! اے شریر پرند!!

پھر اماں جان، مین تمہارے پاس کبھی واپس نہ آتا اور تمکو آرام سے کہانیکی اجازت دیتا

پیاری ماں، اگر مین تمہارا بچہ نہوتا بلکہ ایک سبز پوش طوطا ہوتا، تو کیا تم مجکو محفوظ رکھنے کیلیے قفس مین بند رکھتین، کیا تم اپنی انگلی سے اشارہ کرتی ہوئی کہتین "کس درجہ ناشکر گزار پرند ہے، شب و روز قفس کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے،

پھر اماجان، مین جنگل مین اُڑ جاتا اور تمہاری آغوش مین ہرگز واپس نہ آتا۔

ترجمہ از ٹیگور — تماشائی بریلوی

میر مونس و سلطان عالیہ

محاکمہ

جناب افضل حسین ثابت لکھنوی نے حیات دبیر میں میر مونس اور سلطان عالیہ کے دو ہمطرح سلاموں کا تقابل کر کے میر مونس کے سلام پر چند اعتراضات وارد کر دیے ہیں۔ سلطان عالیہ مرزا دبیر مرحوم کی شاگرد تھیں اسلیے پیروان انیس و مونس اس ادبی حملے کو برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ اُسکے جواب میں عبد الرسول صاحب شاکی نے ایک رسالہ شائع کیا جسمیں میر مونس کے سلام کی بیحد تعریف و توصیف کی اور سلطان عالیہ کے کلام میں جا و بیجا نقائص نکالے، کچھ دنوں بعد جناب محمد حسین صاحب خبیر شاگرد مرزا اوج لکھنوی نے جواب الجواب میں سلطان عالیہ کے کلام کو ترجیح دی اور میر مونس کے سلام پر از سر نو حملے کر دیے،

اول اول تو یہ ادبی بحث تھی لیکن آخر میں صرف سخن پروری اور تعصب کی شان باقی رہ گئی، یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ اس قسم کی بحثیں کبھی ختم نہیں ہوتیں لیکن جناب اثر نے ان تمام مباحث پر جو محاکمہ کیا ہے وہ درحقیقت قابل قدر ہے، ناظرین زمانہ مضمون پڑھیں اور فاضل انشا پرداز کے منصفانہ طرز تحریر اور بے لاگ فیصلے کی داد دیں۔

ایڈیٹر

پہلے جناب شاکی نے ایک مضمون لکھا جسمیں مونس مرحوم و سلطان عالیہ مرحومہ کے ہمطرح سلاموں کا موازنہ کیا ہے اور بالعموم جناب مونس کو ترجیح دی ہے، اسکا جواب جناب خبیر نے تحریر فرمایا ہے۔ جناب شاکی کے برخلاف انھوں نے سلطان عالیہ کے کلام کو مجموعہ محاسن قرار دیا ہے اور کلام مونس کے معائب دکھانے کی کوشش کی ہے۔ جناب شاکی و جناب خبیر دونوں نے

ذاتیات پر بھی حملے کیے ہین جنسے مجھے کوئی غرض نہین - میری یہ کوشش ہوگی کہ مونس و سلطان عالیہ کے سلاموں پر نیک نیتی سے تنقید کرون اور اپنی راے ظاہر کرون کہ جناب شاکی و جناب خبیر کے کون کون اعتراضات بجا ہین اور کون بیجا - جو مزید محاسن یا معائب دونون شاعرون کے کلام مین نظر آئینگے وہ بھی درج کرون گا اس قلم فرسائی سے میرا منشا صرف ادبی دلچسپی ہے - مین جناب شاکی کا طرفدار یا جناب خبیر کا مخالف نہین -

سلطان - اب ہمارے لیے بیک ہوئی اے سلطان   کربلا ہند سے جاتے ہین خراسان ہوکر

اس مقطع پر جناب شاکی کو یہ اعتراض ہے کہ (۱) اسوقت یا کسی وقت کربلا جانے کا وہی ایک راستہ نہ تھا جو بتایا گیا - اسلیے غلط اور ایسی تخصیص فضول ہے (۲) اگر اس مصرع (کربلا ہند سے جاتے ہین خراسان ہوکر) کا یہ ظاہر مطلب لیا جائے کہ بیک ہوئی اور اب ہم جاتے ہین یعنی عنقریب جانیوالے ہین یا بس اب جائین گے تو ہر موقع پر نظر کرکے ہند کا لفظ خلاف بلاغت یعنی بے محل سمجھا جائیگا - سلطان عالیہ ہند مین تو بیٹھی ہی ہوئی ہین - ظاہر ہے کہ یہین سے جائینگی - اسلیے ہند کا نام و ذکر بر محل نہین -

مونس - رہبری کی جو مقدر نے تو ہم اے مونس   روضۂ شاہ پہ جائین گے خراسان ہوکر

جناب خبیر کا پہلا اعتراض لفظ رہبری پر ہے - آپ کے نزدیک اسکے بجاے یاوری مناسب تھا - دوسرا اعتراض لفظ "اے" پر ہے - فرماتے ہین کہ اسکے بجاے "بھی" زیادہ چست تھا - نیز یہ کہ شعرا اکثر تخلص بغیر لفظ "اے" کے مقطع مین لاتے ہین - ہان کبھی کبھی ضرورت شعری سے "اے" کا استعمال کرتے ہین - "بھی" سے ایک شان غبطہ کی اس مقطع مین پیدا ہوجاتی یعنی اور تو جارہے ہین ہم بھی جائینگے -

جن لوگون کے کان سدھے ہوے ہین اور ذوق سلیم رکھتے ہین وہ فوراً محسوس کرینگے کہ جو شکوہ الفاظ - جوش و خروش مونس کے مقطع مین ہے سلطان کے مقطع مین نہین پایا جاتا وہ پست اور بجھا ہوا ہے - یہ سوال انتخاب و تناسب و نشست الفاظ کا ہے اور اسکا تعلق دونون اشعار کی ظاہری خوبیون سے ہے - مونس کے شعر مین یہ راز پہلے مصرع کے لفظ ہم اور دوسرے مصرع کے لفظ شاہ مین سربستہ ہے کیونکہ یہی الفاظ اہمیت رکھتے ہین اور پڑھنے مین اسپر زور دیا جاتا ہے - جسکے سبب سے لفظ "ہم" مین معنوی بوقلمونیان پیدا ہوگئین - استعجاب ظاہر ہونے لگا یعنی ہم جو مفلس ہین

نادر ہین محتاج ہین، ہمارا منشا نہین جو ایسے عالی دربار مین گذر ہو جناب خبیر فرماتے ہین کہ لفظ بھی سے شان ضبط پیدا ہو جاتی مین عرض کرتا ہون کہ شعر کی خوبیان خاک مین مل جاتین اور یہ زور جاتا رہتا۔ اور لوگ کربلا جاتے ہین ہم بھی جائینگے اسمین کیا خوبی ہے۔ چونکہ سفر کی اہمیت اور اسی کے ساتھ اسکی سمتون اور مشکلون کا دکھانا مقصود تھا اسلیئے رہبری ہی مقدر کے ساتھ اس موقع پر مناسب ہے نہ کہ یاوری۔ ایک خوبی لفظ رہبری سے یہ بھی پیدا ہوئی کہ مقدر جسکی برگشتگی مشہور ہے اگر مولا کا حکم ہوا تو رہبر ہو جائیگا۔

سلطان عالیہ کے شعر مین لفظ 'اب' وغیرہ کی جو خوبیان جناب خبیر نے بیان کین اُنسے مجھے انکار نہین مگر اُنکا یہ فرمانا کہ میر مونس مقام بیم و رجا مین ہین اور سلطان عالیہ مقام قرب مین یہ اُنکی بزرگی ہے۔ اگر دونون شاعرون نے کیفیت حال بیان کی تو یہ ماننا پڑے گا کہ سلطان عالیہ سفر کربلائے معلی کی تیاریان کر رہی تھین اور میر مونس کو اسوقت سفر کا مقدور نہین تھا یا اور موانع لاحق تھے۔ شوق زیارت دونون کو تھا۔ اگر یہ بات نہین تھی بلکہ محض ارادہ و اشتیاق کا اظہار ہے تو سلطان عالیہ کے شعر مین امر خلاف واقع بیان کیا گیا جو اشتیاق کو دیکھتے ہوے شاعرانہ حیثیت سے مذموم نہین اگرچہ تصنع ہے۔ میر مونس نے واقعیت کو ترک نہین کیا۔ لفظ لبیک کی خوبیٔ استعمال پر جناب خبیر نے بہت زور دیا ہے۔ اسمین کلام نہین کہ برجستہ صرف ہوا مگر اُنکا یہ فرمانا صحیح نہین کہ اس لفظ نے میر مونس اور سلطان عالیہ کے مقطع مین زمین آسمان کا فرق پیدا کر دیا ہے میر مونس کا مضمون پامالی کا نمونہ ہے تو یہ مضمون جدت و معنویت کی بے نظیر مثال ہے۔ سلطان عالیہ کے شعر سے صرف اشتیاق زیارت ظاہر ہوتا ہے۔ میر مونس کے شعر سے اسکے علاوہ اپنی بے سروسامانی راستے کی مشکلین۔ روضۂ اقدس کی عظمت بھی ٹپکتی ہے۔ اگرچہ سلطان عالیہ کے شعر مین بھی لفظ ہند کے تقابل سے کربلا کی عظمت ظاہر ہوتی ہے مگر اس خوبی اور قوت سے نہین جیسی کہ میر مونس کے شعر سے نہ یہ امر ضروری تھا کہ ہند سے نفرت کا اظہار کیا جائے۔ جب منزل مقصود کربلا ہے تو وہی اشتیاق ہوگا خواہ انسان ہند مین ہو یا کعبہ مین مگر اس سے یہ نتیجہ مستنبط نہین ہوتا کہ ہند (یا کعبہ معاذ اللہ) قید خانہ ہے۔

میری ناقص رائے مین جناب شاکی کے اعتراضات سلطان عالیہ کے شعر پر اور جناب خبیر کے

مونس کے شعر پر بجا ہین۔ دونون شعر معائب سے پاک ہین۔ اگرچہ مونس کے شعر کو آن وجوہ سے جو مین نے عرض کیے ترجیح ہے۔

سُلطان عالیہ لبِ دندان پہ سرِ شاہ کے دیکھی جو چھڑی بیبیان رنگیئن انگشت بدندان ہوکر

جناب شاکی اس شعر کے متعلق فرماتے ہین :- اول تو اس مصرعے (لب و دندان پہ سرِشاہ کے دیکھی جو چھڑی) سے وہ کیفیت ظاہر نہین ہوتی جو قایل (شاعر) کا اصل مقصد ہے جب تک قبل سے علم نہو محض یہ مصرع نہین بتا سکتا کہ کسنے چھڑی رکھی - وہ تھا کون اور اسکا یہ فعل کیسا تھا جب تک اُس بے ادب کا کنایتہً اشارۃً ہی سہی نام و نشان نہ بتایا جائے دل پر اثر نہین پڑتا اور اسلیے مقصد پورا نہین ہو سکتا ایسے موقع پر شاعر کا تخاطب عام ہونا چاہیے یعنی وہ خواہ مخواہ یہ فرض نہ کیے کہ ہمارے مخاطب صرف وہ خواص ہین جو ہمارے بیان کردہ واقعے کا قبل سے اتنا علم رکھتے ہین کہ المعنی فی بطن الشاعر کو فوراً سمجھ لین - اگر کوئی کلام عام دون کو بھی فوراً متوجہ نہ کر سکا تو مطلب بھی فوت ہوا اور وہ اپنے رتبہ سے گر کر بلاغت سے بہت دور جا پڑا اس مصرع (لب و دندان پہ سرِ شاہ کے دیکھی جو چھڑی) مین اسی بلاغت کی وہ کمی ہے جسنے اس شعر کو ردی کر دیا - یہ مصرعہ اول ہے جسکے دندان ظاہر ہین اب دوسرے مصرعے (بیبیان رنگیئن انگشت بدندان ہوکر) مین پھر وہی دندان نمایان ہوگئے یہ بھونڈی صورت ہمارے قبلہ کو مرغوب ہو تو مبارک مگر ہمارا مذاق تو یہ دیکھتے ہی اسطرف سے منھ پھروا دے گا -

❋

لب و دندان اول تو ان دو لفظون (لب و دندان) مین سے کوئی ایک لفظ دونون معنی پر حاوی ہوتا اور مطلب و مفہوم کو روشن کر سکتا ہے یعنی اگر صرف لب کی لفظ لیجائے جیسے لب پر چھڑی رکھی تو مطلب ادا ہو جائے گا اسی طرح اگر خالی دندان بیان مین آئے یعنی دندان پر چھڑی رکھی تو مطلب پورا ہو جاتا ہے اسلیے لب اور دندان دونون کا بہ یک وقت اجماع بیکار اور کمزوری کلام کی دلیل ہے -

لب و دندان پہ سرِ شاہ کے - یعنی شاہ کے سر کے لب و دندان پر - معنی کیا ہوئے - شاہ کے سر کا لب و دندان - شاید ذہن مین ہے کہ لب و دندان جسم انسان کے کسی اور مقام پر بھی نمایان ہین جب تو سر کی قید کی جاتی ہے افسوس پھر زبان اور اُردو کس درجہ درست ہے - لبِ دندان

سرشاہ بھی کہا ہوتا تو خیز زبان ہی ذرا چست اور فصیح ہو جاتی۔

لب و دندان پہ سرشاہ کے دیکھی جو چھڑی

اس لفظ دیکھی سے واقعہ کا وقت معلوم نہین ہوتا۔یعنی چھڑی کس گھڑی رکھی گئی۔آیا اہل حرم کے دربار (یزید) مین آنیکے قبل سے وہ چھڑی لب و دندان پر تھی اور ان مخدرات نے وہان پہونچکر یہ سمان دیکھا؟ یا ان بزرگوار کے دربار مین تشریف لانے پر انکے چھیڑنے کے لیے ایسی بے ادبی کی گئی۔ واقعہ تو یہ ہے۔ اسیلئے شاعر کو واقعہ کے لحاظ کے علاوہ ایسے احساس کی تمیز ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن بیان کی کمزوری اور عجز طبیعت کے سبب اور اس لفظ "دیکھی" کے کہے ہوے انداز کی وجہ سے اصل واقعہ کا پتہ نہین چلتا۔

اسکے متعلق جناب خبیر فرماتے ہین۔

صرف لب کہنے سے وہ معنی ادا نہ ہوتے جو لب و دندان کہنے سے ادا ہو گئے۔ایک تو روایت بغیر مسخ ہوے نظم ہوئی دوسرے ایک لطیف اشارہ اہل نظر کے لیے اور پیدا ہوا اور وہ یہ کہ نقاد معترض بھی جانتا ہے کہ حسینؑ پر تین دن آب و دانہ بند رہا۔آلات دماغ کے چمکے دیتی ہوئی گرمی اتر چکی تھی۔ . . . . مجھے تو صاف نظر آتا ہے کہ ایسی حالت مین سوکھے ہوئے ہونٹ بند نہ رہ سکے ہونگے۔چھڑی رکھی گئی تو ایک ساتھ لب و دندان تک پہونچ گئی۔ . . . .

نقاد معترض ہے کہ لب و دندان سرشاہ کیا معنی۔ انکو کون بتائے کہ ہاں ہاں لب و دندان حصۂ سر ہی ہوتے ہین مگر ع "سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست" سلطان عالیہ نے لب و دندان سرشاہ کہکر ذہن سامع کو دلخراش و صبر گداز منظر کی طرف متوجہ کر دیا جو حد ظلم انتہائے شقاوت کی تصویر کا آئینہ ہے۔ شاہ کے لفظ سے جلالت و قدر امام حسینؑ کی طرف اشارہ ہے۔

اب دیکھی اور رکھی کا جھگڑا اٹھیا۔یہ واقعہ ہے کہ رکھی سے برجستگی بڑھ جاتی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ محل کسکا متقاضی ہے۔اور کونسا لفظ بیان وسیع المعنی ہوتا ہے۔ رکھی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے اسیران اہلبیت کی دل آزاری کے لیے ایسا کیا اور دیکھی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا جانے کب سے یہ حالت تھی اور اہل حرم کو دربار شام مین اپنی فطری غیرت تعلیم رسول معاشرت خانہ سیدہ کے اثر نے کب اسکا موقع دیا کہ یزید اور افعال یزید پر انکی نگاہین پڑ سکین

پھر سید انیون کو اپنی بلند فطرتی کی وجہ سے اپنے ان دشمنون سے بھی یہ توقع نہ تھی کہ رسول اللہ کی بوسہ گاہ کے ساتھ ایسی سخت بے ادبی کرینگے جب خلاف امید ذرا طوق سنبھال کر ذرا گردن اٹھا کر یہ ظلم دیکھا تو ع

بیبیاں رنگیین انگشت بدندان ہوکر

رنگیین کا لفظ فصاحت کی جان بلاغت کا ایمان ہے۔

تکرار لفظ دندان کے جواب مین جناب خبیر نے خود میر مونس اور مرزا غالب کے اشعار پیش کیے ہین جناب شائق کی اصلاح "لب و دندان سرشاہ پہ رکھی جو چھری" مین جو ذم کا پہلو (مدے) پیدا ہوتا ہے اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔

میر مونس نے اسی مضمون اور اسی قافیہ کو یون کہا ہے۔

لب شبیر پہ رکھی جو چھڑی حاکم نے لوگ رونے لگے انگشت بدندان ہوکر

(مگر جناب شائق نے دوسرا مصرع لفظ بلفظ وہی رکھا ہے جو سلطان عالیہ کا ہے۔ یعنے "بیبیان رنگیین انگشت بدندان ہوکر"، اور پہلے مصرع مین بجائے حاکم کے ظالم لکھا ہے۔ چونکہ شعر جسطرح اوپر نقل ہوا مطبوعہ ہے لہذا مین فرض کرتا ہون کہ میر مونس نے اسی طرح کہا)

جناب خبیر کا یہ اعتراض ہے کہ اگرچہ مصرع ثانی مین دو کیفیتین دکھائی ہین مگر خلاف واقع ضرور ہے۔ ابن زیاد یزید کے دربار مین رونے والے کون تھے، ایک بیچارے ابو برزہ اسلمی نے یزید کو اور زید ابن ارقم نے ابن زیاد کو منع کرنا چاہا تھا تو ان دونون صحابیون کو مجلس سے بری طرح نکلوا دیا۔

اب پہلے مصرع کی طرف آیئے۔ لب شبیر کہدینے سے جلالت قدر امام حسین کی طرف کوئی اشارہ نہین۔ قیامت یہ ہے کہ لفظ حاکم سے (معاذ اللہ) یزید کے جبروت پر نگاہین پڑنے لگتی ہین جو کسی طرح میر مونس (مرحوم) کا مقصود نہین ہوسکتا۔ مگر بشریت کا کیا علاج آخر خدا اور بندے مین کوئی امتیاز چاہیے یا نہین۔

میری راے مین دونون صاحبون نے دونون اشعار کو بلا رد رعایت سمجھنے کی کوشش نہین کی۔ دونون شاعرون نے ایک خاص واقعہ کو نظم کیا ہے اور جیسا جناب خبیر نے فرمایا

یہ دیکھنا چاہیے کہ روایت کے کن اجزا کو جو اہمیت رکھتے ہیں اور جن سے اصل واقعہ پیش نظر ہو جائے۔ شاعر نے منتخب کیا اور کسے نظر انداز کیا۔

سُلطان عالیہ کہتی ہیں

لب و دندان پہ سرِ شاہ کے دیکھی جو چھڑی بیبیاں رہگئیں انگشت بدندان ہوکر

میر مونس کہتے ہیں

لبِ شبیر پہ رکھی جو چھڑی حاکم نے لوگ رونے لگے انگشت بدندان ہوکر

دونوں اشعار کی تخئیل میں اتنا فرق ہے کہ سُلطان عالیہ نے یہ دکھا کر اثر پیدا کرنا چاہا کہ یزید کی اس شقاوت و بے ادبی سے اہلبیت اطہار کو کیا صدمہ پہونچا۔ میر مونس نے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ یہ اس حد کی بے ادبی تھی کہ تمام حاضرین دربار باوجود یزید کے رعب کے اُسکے اس فعل سے اسقدر متاثر ہوے کہ عارضی طور پر اُسکا خوف دلوں سے جاتا رہا بے اختیار رونے لگے اور حیرت و اظہار تنفر میں دانتوں کے تلے اُنگلی دبالی۔ ظاہر ہے کہ جب مخالفین کا یہ حال ہوا تو اہلبیت اطہار کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ جب انھوں نے اپنے والی کے سر بریدہ کے ساتھ یزید کو ایسی گستاخی کرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔

میرے نزدیک تو یہ شعر جسطرح سُلطان عالیہ نے ادا جسطرح میر مونس نے کہا خوب کہا۔ ایسے موقع پر اہلبیت اطہار کے دل کو وہ صدمہ عظیم پہونچا کہ وہ انگشت بدندان رہگئیں۔ رقت سلب ہوگئی جو اپنے نہیں ہیں اُنھیں بھی صدمہ ہوا۔ لیکن اسقدر گہرا نہیں لہذا وہ انگشت بدندان ہوکر رونے لگے۔

دونوں اشعار فلسفہ جذبات کی بے نظیر مثال ہیں۔ نہایت سچی مصوری ہے۔ البتہ سلطان عالیہ کے شعر میں ردیف کمزور ہے۔ بیبیاں انگشت بدندان رہگئیں سے پورا مطلب ادا ہو جاتا ہے ہوکر کی ضرورت نہیں رہتی۔

جناب شاکی کے اعتراض کو میں نے بغور پڑھا۔ کسی میں قوت نہیں (۱) لب و دندان حسین پر چھڑی رکھنے والا کوئی بھی ہو یہ بے ادبی ایسی ہے کہ جو اُنکے رتبے سے واقف ہے متاثر ہوگا۔ بے ادبی کرنے والے کی تخصیص سے سامع کے دل پر اثر میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ علاوہ بریں

جسے اس واقعہ کا علم ہے فوراً سمجھ جائے گا کہ بے ادبی کرنے والا کون ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض لفظ دندان کی تکرار یہ ہے۔ ایسی تکرار بعض موقعوں پر کلام کی زینت کو بڑھا دیتی ہے اور بعض جگہ مانع فصاحت ہے۔ اسکے فیصلے کا اُصول یہ ہے کہ شعر کی نثر کی جائے اگر اُس لفظ کا خاص دُہرانا ضروری ہو تو درست ہے ورنہ غلط۔ اب سلطان عالیہ کے شعر کی نثر کیجئے تو معلوم ہوگا کہ لفظ دندان کی تکرار بُری نہیں معلوم ہوتی۔

سرشاہ کے لب و دندان پہ جو چھڑی دیکھی بیبیاں انگشت بدندان (ہوکر) رہگئیں۔

اگر کہیں سے لفظ دندان نکال دیجئے تو لطف جاتا رہتا ہے۔ بلکہ اگر صرف سرشاہ کے لب یا سرشاہ کے دندان کہیے تو کانوں کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح جناب شاکی کا یہ اعتراض بیجا ہے کہ سر کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی کیونکہ لب و دندان سوا سر کے اور کسی حصہ جسم میں نہیں ہوتے۔ سرشاہ کہنے سے سلطان عالیہ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سر پر نور جسم مطہر سے جدا ہو چکا تھا اس سے ایک دنیا جگر گداز واقعات کی پیش نظر ہوگئی۔ جناب خبیر نے اس خوبی کی طرف اپنے جواب میں توجہ دلائی ہے مگر ضمناً۔

جناب شاکی کا یہ اعتراض بھی درست نہیں کہ لفظ رکھی دیکھی سے بہتر ہے شعر جسطرح نظم ہوا دیکھی ہی چاہیے تھا۔ واقعہ کا وقت ایسی صورت میں معلوم کرنے کی ضرورت نہیں نہ کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ جسوقت بھی مخدرات عظمیٰ نے لب و دندان مبارک پر چھڑی دیکھی دل پاش پاش ہوگیا تلمیح میں سب اجزا ظاہر نہیں کیے جاتے نہ کیے جا سکتے ہیں بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کمی قوت متخیلہ پوری کرتی ہے۔

جناب خبیر کے جو اعتراضات میر مونس کے شعر پر ہیں وہ بھی میرے نزدیک درست نہیں۔ دوسرے مصرع کے متعلق فرماتے ہیں (لوگ رونے لگے انگشت بدندان ہوکر) گو اگرچہ دو کیفیتیں دکھائی ہیں مگر خلاف واقع ضرور ہیں کیونکہ اُس دربار میں اہلبیت اطہار کا کوئی دوست ہی نہیں تھا جو روتا۔ مگر میر مونس مرحوم نے یہ دکھایا ہے کہ اہلبیت رسول کی بیکسی کی یہ حالت تھی اور انپر ایسے ایسے مظالم ہوئے کہ دشمن تک روئے۔ اور ظاہر ہے کہ یزید کے بھرے دربار میں دشمنوں کی کمی نہیں تھی۔

انکا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ صرف لفظ شبیر سے جلالت قدر امام حسینؑ کی طرف کوئی اشارہ نہین ہوتا مین کہتا ہون کہ کوئی ضرورت اشارہ کی نہین خود لفظ شبیر مین شان و شوکت صبر و استقلال کوٹ کوٹ کے بھرا ہے - اور اس خاص موقع پر امام مظلوم کی بیکسی دیکھانی تھی - سطوت و جلالت کا محل ہی نہین تھا جناب خبیر کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ لفظ حاکم سے (معاذ اللہ) یزید کے جبروت پر نگاہین پڑتی ہین - اس لفظ سے دوسرے مصرعے کے اثر مین بیشی ہوتی ہے اور دونون مصرعے دست و گریبان ہو جاتے ہین - باوجودیکہ فعل ایسے شخص سے سرزد ہوا جو برسر حکومت تھا لوگ اُسکے خوف کو بھول گئے اور امام مظلوم کی بیکسی پر رونے لگے - یزید کے قہر و غصہ کی پروا نہین کی - یزید کو حاکم اسوجہ سے کہا کہ امام کی مظلومی پوری قوت سے پیش نظر ہو نہ کہ معاذ اللہ یزید کا جبروت دکھانے کو -

سُلطان عالیہ -

عید قربان کی کرو، شاہ پہ قربان ہوکر ۔۔۔ بجری کہتے تھے انصار یہ خندان ہوکر

جناب شاکی کا یہ اعتراض ہے کہ عید قربان کی غلط عید قربان کہنا چاہیے

جناب خبیر اسکا یہ جواب دیتے ہین کہ مطبوعہ سلام مین دوسرا مصرع یون ہے

عید مقتل مین کرو شاہ پہ قربان ہوکر

ایسی صورت مین محض نزاع لفظی رہ جاتی ہے مگر جناب خبیر نے اسپر قناعت نہین فرمائی بلکہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عید قربان کی صحیح ہے - آپ فرماتے ہین کہ اگر بجائے فارسی اضافت کے ہندی اضافت دیدی تو کیا ستم ہوا - ایسا اکثر ہوتا ہے اور جائز ہے - افسوس کہ اُردو کی صرف و نحو مرتب نہین ہوئی لہذا اُصول پر بحث نہین ہوسکتی - مگر میری رائے مین فارسی کے ایسے الفاظ مین جو محاورے کا حکم رکھتے ہین رد و بدل جائز نہین - مثلاً آفتاب لب بام - چراغ تہ دامن - کیا لب بام کا آفتاب - تہ دامن کا چراغ کہنا درست ہوگا - اسطرح اہل زبان و شعرا نے عید قربان کہا ہے نہ کہ عید قربان کی - لہذا یہ تحریف جائز نہین - جب تک اسکی مثال مین کوئی شعر یا قول کسی مستند اُستاد کا پیش نہ کیا جائے - عید قربان کی کرو - اسمین کی کرو، کا قرب فصاحت مین خلل ڈالتا ہے - عید مقتل مین کرو شاہ پہ قربان ہوکر - اسطرح عید قربان کی طرف اشارہ بھی ہوگیا اور

تمام سقم دور ہوگئے۔ خواہ مصرع اس صورت مین سلطان عالیہ کا ہو یا کسی صاحب نے اصلاح دیہو۔ عید قربان کی کر دالخ سے بہتر ہے۔

یہان تک جناب شاکی کے اعتراضات اور جناب خبیر کے جوابات پر محاکمہ تھا۔

جناب خبیر نے اسکے علاوہ میر مونس و سلطان عالیہ کے پورے سلامون کی (باستثناء) چند اشعار) تنقید کی ہے۔ اب مین تنقید پر ایک نظر ڈالونگا۔

سلام سلطان عالیہ مرحومہ

(۱) مجرئی کہتی تھی زینب یہی گریان ہوکر کیون بہن مر نہ گئی بھائی پہ قربان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ سیدھا سادہ مطلع ہے مگر سلام (اور مرثیہ) کے خصوصیات سے مالامال اسکا گریہ خیز ہونا ظاہر ہے۔

مین اس مطلع مین لفظ یہی کی خوبیون کی طرف توجہ دلاتا ہون۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ یہ صرف نہوسکا لہذا یہی موزون کر دیا۔ اگر غور کیجئے تو "یہی" کا یہ مفہوم ہے کہ حضرت زینب پیہم یہی فرماتی تھین کہ کیون بہن مر نہ گئی بھائی پہ قربان ہوکر جس سے ماتم کی شکل پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ تصویر کھنچ جاتی ہے کہ حضرت زینب سر و سینہ کوٹ کر دوہتڑ مار مار کے یہ بین کر رہی ہین کہ کیون بہن مر نہ گئی بھائی پہ قربان ہوکر مگر اسی کے ساتھ یہ ضرور ہے کہ "مر نہ گئی" کا ٹکڑا یا "قربان ہوکر" زائد ہے۔ نثر مین صرف اسقدر کافی ہوتا کیون بھائی پر بہن قربان نہ ہوگئی۔

(۲) مجرئی کہتے تھے انصار یہ خندان ہوکر عید مقتل مین کرو شاہ پہ قربان ہوکر

اسکے متعلق جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکا۔ یہان صرف یہ عرض کرونگا کہ جناب خبیر کی یہ توجیہ بھی سراسر غلط ہے کہ اگر وہ عید قربان کہدیتین تو یہ مفہوم ہوتا کہ امام حسین پر قربان ہوکر عید قربان کرو حالانکہ یہ بےموقع بات تھی۔ یہ مفہوم کسی صورت مین پیدا نہین ہوتا کیونکہ عید قربان کے اہل شعور مجازی معنی لینگے یعنی خوشی نہ وہ اصل بقرعید منانا۔

زعفر جن نے کہا شہ سے جو تیرہون نثار حشر کو جاؤن مین جنت مین سلیمان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ معمولی شعر ہے رعایت کی جگہ جن اور سلیمان کی رعایت موجود اور واقعیت بھی تاراج نہین ہوئی۔ اس شعر مین بھی ایک لطیف معنی ہین۔ زعفر جنکے جوش خلوص کی طرف اشارہ

ہے - اُسے اسقدر یہان شادی کا شوق تھا کہ حضرت سے عرض کرتا تھا کہ مین آپ کی نصرت کرکے آپ کو زیر بار احسان کرنا نہین چاہتا بلکہ اپنی عاقبت درست کرنا چاہتا ہون - یہان شادی مین میری غرض شامل ہے - ابتو اجازت دیدیجیے -

(۴) لب و دندان پہ سر شاہ کے دیکھی جو چھڑی بیبیان رنگین انگشت بدندان ہو کر

اسکے متعلق لکھ چکا -

(۵) اب تلک مرقد زینب سے یہ آتی ہے صدا ہاے مین شام گئی بے سر و سامان ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ سلام کے لیے ایسے شعر سرمایۂ ناز ہوتے ہین - اسی شعر سے انکے اس اعتراض کا جواب ہوتا ہے کہ میر مونس نے امور خلاف واقع نظم کیے - کیا دراصل مرقد زینبؑ سے صدا آتی ہے ؟ بات یہ ہے کہ شاعری مین جب تک جذبات کی چاشنی نہو وہ شاعری ہی نہین - البتہ جذبات صادق اور مناسب حال ہونا چاہئین -

(۶) شمر سے کہتے تھے یہ گبر و نصارا افسوس قتل سید کو کیا تو نے مسلمان ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہین - جناب شاکی مسلمان کا قافیہ اس زمین مین یون باندھا جاتا ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۹

صفحہ ۹ مین میر مونس کا یہ شعر ملتا ہے

فوج اعدا سے کہا حرؔ نے زہے دینداری قتل کرتے ہو مسلمان کو مسلمان ہو کر

اسپر جناب خبیر کا اعتراض ہے کہ قاتل و مقتول ایک وجہ مین ہو گئے حرؔ مرتبہ دان حسینؑ تھے یہ بے ادبانہ کلام اُنسے منسوب کرنا کوئی تھوڑی گناہ نہین - عجب نہین حضرت حرؔ قبر مین تڑپ اٹھے ہون - ایسی چھچھری کلام خاندان میر انیس مین مایۂ ناز ہے -

مین نہایت ادب سے عرض کرونگا کہ یہ جناب خبیر کی سمجھ کا پھیر ہے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ لے اہل کین تمھین مسلمان ہونے کا دعوی ہے - اسلام مین مسلمان کا قتل گناہ عظیم ہے اور حسینؑ تو پیشواے امت ہین اگر انھین اپنا مولا نہین جانتے تو معمولی مسلمان ہی سمجھو اور انکے قتل سے باز آؤ - یہ موقع سیپون کو شرم اور غیرت دلانے کا تھا اور یہ مطلب اس اسلوب سے معمول نظم ہوا سلطان عالیہ کا شعر ہرگز اس پایہ کا نہین - بالکل سیدھا سادہ ہے -

(۵) اسنے جبریل جو مضطر تو یہ تھرا سنے کہا — قتل شبیر پہ میں مہر کروں ماں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ یہ شعر جب میر مونس مرحوم کے شعر سے جسمیں ماں کا قافیہ بند ہے ملا کر دیکھے گا تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔

میر مونس کا یہ شعر ہے۔

کہتی تھی بانوے بیکس کہ بتاؤ لوگو — صبر کیونکر غم اکبر میں کروں ماں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ شعر معنوں کے اعتبار سے اچھا ہے مگر شاعر نے لفظ بیکس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا سلطان عالیہ کا شعر اس سے کہیں اچھا ہے۔ ارے صاحب! لفظ بیکس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔ جب شاعر اتنی صدیاں گذر جانے پر بھی حضرت بانو کی مصیبت پر انہیں بیکس کہکر اظہار تاسف کرتا ہے تو اسوقت انکے بین سننے والوں کا کلیجہ شق ہوتا ہوگا یا نہیں دونوں شعر اثر میں ڈوبے ہوئے ہیں مگر چونکہ سلطان عالیہ کے شعر میں روایت کی طرف بھی اشارہ ہے لہذا میں اسے ترجیح دیتا ہوں مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ میر مونس کا شعر اس سے پست ہے یا برا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ ہے کہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دونوں نے خوب کہا۔

(۸) خود غلط۔ قول پر اپنے نہ رہے ثابت آہ — پہنے تن شہ کا کیا قائل قرآن ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں۔ قرآن کا قافیہ اس مضبوطی سے کہنا میر صاحب (مونس مرحوم) کو نصیب نہیں ہوا۔

میر مونس کا شعر یہ ہے۔

سینۂ شہ پہ رکھا شمر نے زانو ہیہات — پاس قرآن نہ کیا قائل قرآن ہو کر

اسکے متعلق جناب خبیر فرماتے ہیں کہ سینہ، زانو، ہیہات میں رعایت ہے مگر شعر کی یہی کائنات ہے۔ میں عرض کروں گا کہ دونوں "قرآن" اور قائل میں بھی رعایت ہے اور شعر کی محض یہی کائنات نہیں بلکہ اسمیں درد بھی ہے۔ انسان جھککر ہاتھ سے زانو پیٹ لیتا ہے۔ اب سلطان عالیہ کا شعر لیجئے۔ اسمیں بھی رعایت لفظی کی بہتات ہے جو اس زمانے کا رنگ تھا اور اسی شوق میں بجائے قائم کے ثابت (پہننے کی رعایت سے) استعمال کیا گیا۔ حالانکہ قول کے ساتھ لفظ قائم بہ نسبت ثابت کے زیادہ موزوں ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بھی خیال ہو کہ شعر میں صرف ت سے شروع

ہوئے والے کئی الفاظ جمع ہوئے جاتے ہیں جو فصاحت سے خارج ہیں مگر مجھے تو یہ عیب نہین محسوس ہوتا بلکہ ایک خوبی پیدا ہو جاتی ہے پہلے مصرع مین قول پر قائم ہوا اور دوسرے مصرع مین اسکا مقابل قائل قرآن -

میر مونس کے دوسرے مصرع مین لفظ قرآن کی تکرار بھی کتنی پر لطف ہے -

اسکا فیصلہ مذاق طبیعت پر منحصر ہے کہ کس شعر کو ترجیح ہے - مجھے میر مونس کا شعر اچھا معلوم ہوتا ہے ممکن ہے بہت میرے ہم خیال ہون بہت جناب خبیر کے - مگر یہ ارشاد کہ میر مونس کو قرآن کا قافیہ اس خوبی سے کہنا نصیب نہین ہوا ہٹ دھرمی ہے -

(۹) اب تلک گنج شہیدان مین یہ کہتی ہے بتول — پھر نہ آباد یہ گلشن ہوا ویران ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہین ویران کا قافیہ میر مونس مرحوم سے سنبھل نہ سکا سارے گھر ڈھے گئے کہکر ایک زبان کا خوبصورت لفظ ضرور رکھدیا مگر معنویت کا کعبہ ڈھا دیا - میر مونس کا شعر یہ ہے -

جاننے خاک مین بیٹر بچے بسلنے والے — سارے گھر ڈھے گئے سادات کے ویران ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہین " لفظ پرستی کا بھلا ہو سارے گھر ڈھے گئے فرمانے کی ضرورت نہ تھی - پہلا مصرعہ کڑی کمان کا تیر ہے "

جناب خبیر کے مذاق سخن سے مجھے حیرت ہوتی ہے - اس شعر کے متعلق جسپر زبان اردو کو ناز ہونا چاہیے کیا فرماتے ہین - اور کیا قدر کرتے ہین - گھر ویران جب ہوئے جب مکین نہ رہے صرف یہی نہین کہ عارضی طور پر مکان خالی کیے بلکہ ہمیشہ کے لیے سدھارے کسی نے مکانونکی خبر نہ لی اور مکان منہدم ہو گئے - پہلا مصرع بجائے خود ایک مرثیہ ہے اور تعریف سے مستغنی ہے - آپ فرماتے ہین کہ میر مونس سے قافیہ سنبھل نہ سکا - مین کہتا ہون کہ شاید اس سے بہتر اس قافیہ کو کوئی کہہ نہین سکتا - اسکے مقابلے مین سلطان عالیہ کا شعر لکھتے ہوئے شرم آنا چاہیے تھی جبکا پہلا مصرع تو بالکل سست ہے - گنج شہیدان کا گلشن سے استعارہ کیا ہے - گنج شہیدان کا ویران ہونا کیا اور ویران ہو کر آباد ہونا کیسا - گنج شہیدان کے ویران ہو کر آباد ہونے مین کون لطف اور کیا جدت ہے -

ننگی تیغین سے خیمے مین جو آئے اعدا — جا بجا چھپتے تھے اطفال ہراسان ہو کر

خوب ہے۔ سارا محل واقعہ کی تصویر کھنچی ہے۔

(۱۱) اس طرح سے غریق مسافر کو لوگ جیسے شہ ذبح ہوئے بے سروسامان ہوکر
جھنک گر پڑے ہے

قطعہ

(۱۲) لاش اصغر سے پکاری یہ لپٹ کر بانو شاد مجھکو نہ کیا تمنے خراماں ہوکر
(۱۳) دودھ جو خشک ہوا ہوگئے دالی سے خفا باپ کا ساتھ دیا کشتۂ پیکان ہوکر
(۱۴) اب یہ حسرت ہے جو کوفہ کو نہ بیجا مین لعین بیٹھون واری ترے لاشے پہ نگہبان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین۔

اس قطعہ کا اثر اہل دل سے پوچھیے۔ پہلا مصرع لاش اصغر سے پکاری یہ لپٹ کر بانو،، ماں کی بیقراری کا نقشہ۔ دوسرا مصرع ماں کی امیدوں اور تمناؤں کی تصویر۔ دوسرے شعر سے محلات شاہی کی زبان۔ شریف زادیون کا طرز گفتگو چمک چمک کر نمایاں ہو رہا ہے۔ تیسرا شعر عجب حسرت بھرا ہے۔ مصرع اول غیرت داروں کے لیے نشتر۔ مصرع ثانی اولاد والون کے لیے خنجر ہے۔،،

قطعہ کے پہلے مصرع مین تعقید ہے جو یون نکل سکتی تھی۔ لاش اصغر سے لپٹ کر یہ پکاری بانو تیسرے شعر مین یہ نہین سمجھ مین آتا کہ کوفہ کیون نظم کیا گیا۔ سامان تو شام بیجانے کا ہو رہا تھا مگر روایات پر مجھے عبور نہین۔ مین نے محض اپنے شبہ کا اظہار کیا ہے۔

(۱۵) حال سادات پہ بیساختہ رو دیتا تھا گر نکلتا تھا کوئی جانب زندان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین۔ ایسے شعر جنت کا مول ہوا کرتے ہین۔ لفظ نہین رکھے ہین انمول ہیرے جڑے ہین۔ بیساختہ کا لفظ اس محل پر اپنا جواب ہی نہین رکھتا۔ مجھے بالکل اتفاق ہے مگر جناب خبیر لفظ گر،، کی بلاغت نظر انداز کر گئے۔ اسے لوگ زندان کی طرف سے گذرتے ہوئے حذر کرتے تھے۔ وہ ایسا دارمحن تھا۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا جا نکلا تو اسکے آنسو ٹپک پڑتے تھے۔

(۱۶) جو گدا ہوگیا تھا بخت کے در پر دولت سے پھر اٹھا وہ سلیمان ہوکر

جناب خبیر کہتے ہین یہ شعر ویسا ہی محمل ہے جیسا کہ میر مونس کا یہ شعر

دی یہ سائل نے صدا ایکے علی سے خاتم ۔۔۔ وہ گدا جاتا ہے سجدے سے سلیمان ہوکر

اس شعر میں لفظ "پھر" پر جناب خبیر کو توجہ نہین ہوئی۔ اس سے یہ معنی پیدا ہوتے ہین کہ جو گدا اور شاہ تخت پہ بیٹھ گیا وہان سے نہین اٹھا (بے نیاز ہوگیا) اگر اٹھا تو سلیمان ہوکر اٹھا یعنی ایک جلیل القدر پیمبر کا رتبہ حاصل کرکے جب بھی اس در کو نہ چھوٹتا اگر شان و شوکت دنیوی پر مغرور ہوجاتا جیسا کہ حضرت سلیمان کے متعلق مشہور ہے کہ اپنا جاہ و حشم دیکھکر مسرور ہوئے فوراً حکم خدا سے روح قبض کر لی گئی۔ لہذا یہ خوبی بھی پیدا ہوئی کہ در سے اٹھا تو مرکر اٹھا

(۱۷) اب ہمارے لیے لبیک ہوئی اے سلطان ۔۔۔ کربلا ہند سے جاتے ہین خراسان ہوکر

مین اسکے متعلق اپنی راے ظاہر کرچکا۔

اب وہ تنقید ملاحظہ ہو جو میر مونس کے کلام پر جناب خبیر نے کی ہے۔

(۱) مجرئی بہتے ہین آنسو دُرِ غلطان ہوکر ۔۔۔ آبرو پائی ہے کیا چشم سے گریان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ گریان اور غلطان قافیہ نہین ہوسکتے اپنا ہے آپ یہ تسلیم کرتے ہین کہ اگلے لوگ اسکا خیال کم کرتے تھے مگر جب میر مونس کے کلام مین بھی یہ عیب ہو تو دوسرون مین اور اُنمین وجہ امتیاز کیا رہی۔ یہ اعتراض صرف اُن لوگون کا مُنھ بند کرسکتا ہے جو میر مونس کو دنیا بھر کے شعرا سے بہتر سمجھتے یا کہتے ہون۔ مین ایسی بحث کو فضول سمجھتا ہون ایسا عیب ضرور جگہ جگہ شانِ اُستادی کے منافی نہین کیونکہ وہ بھی اُستاد مانے جاتے ہین۔ جنکے کلام مین ایسا موجود ہو۔ دوسرا اعتراض جناب خبیر کا یہ ہے کہ دُرِ غلطان ہوکر بہنا کیا معنی۔ بہکر دُرِ غلطان ہوجاتے ہین صحیح۔ ڈھلنا گرنا یا کچھ اور درست ہوسکتا ہے ہگرد لغوی سے ہم آغوشی اب بھی نظر نہین آتی۔ مین عرض کرتا ہون کہ آنسو کے لیے بہنا درست ہے۔ پھر وہ دُرِ غلطان ہوکر بہے یا قطرہ آنسو کی شکل مین۔ اسمین کونسا زبان کا نقص پیدا ہوتا ہے بلکہ جسطرح مصرع نظم ہوا اسمین یہ خوبی پیدا ہوتی ہے کہ آنکھ سے بہنے کے بعد نہین بلکہ آنکھ ہی مین آنسو موتی بن جاتے ہین گویا آنکھون سے اشک نہین ٹپکتے موتی برستے ہین۔

(باقی آیندہ)

مرزا جعفر علیخان اثر لکھنوی

اقتصادیات مین ہندوستانی نقطۂ نظر

(گزشتہ سے پیوستہ)

ہمارے ملک اور دیگر ممالک مین فرق ہے، دوسرے ملکون مین گرانی فارغ البالی کی دلیل ہے۔ وہان کے ماہرین علم الاقتصاد کہتے ہین کہ گرانی نرخ سے پیداوار مین اضافہ ہوتا ہے، اسکا سبب یہ ہے کہ یہ ممالک زیادہ تر صنعتی ہین اور صنعتی پیداوار جتنی زیادہ مقدار و تعداد مین تیار کی جائے۔ آلات اور مشینون کے استعمال کی وجہ سے صرفہ کم پڑتا ہے اور نفع کی زیادہ امید ہوتی ہے، اور مقدار و تعداد مین اضافہ کا خیال اُسوقت پیدا ہوتا ہے جب نرخ گران ہوتا ہے پس صنعتی ممالک کے لیے گرانی نرخ فائدہ مند ہے لیکن ہندوستان مین گرانی کا اثر نہایت خوفناک ہوتا ہے کیونکہ یہان صنعتی پیداوار کے بجائے زراعتی پیداوار زیادہ ہوتی ہے، اور زراعتی پیداوار مین اضافہ کرنے سے صرفہ زیادہ ہوتا ہے جسکا اثر نرخ پر پڑتا ہے، اور گرانی بڑھتی جاتی ہے، اور غلے کی گرانی کا اثر خوراک پر پڑتا ہے، خوراک کی کمی سے باشندون مین روز بروز جسمانی ضعف کے آثار نمایان ہوتے جاتے ہین۔

تقسیم دولت | علم الاقتصاد کے صیغہ "تقسیم دولت" پر جب ہم نظر ڈالتے ہین تو ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ یہان کی تقسیم پیداوار یا دولت کا مسئلہ دیگر ممالک کے اس قسم کے مسائل سے بالکل مختلف ہے۔ دیگر ممالک مین سرمایہ اور مزدوری دو متضاد چیزین ہین۔ وہان مسئلہ یہ درپیش ہے کہ موجودہ دولت یکسان طور پر سب مین تقسیم نہین ہے۔ کوئی حد سے زیادہ امیر ہے تو کوئی حد سے زیادہ مفلس مفلسی اور تونگری مین جو حد فاصل وہان ہے یہان نہین۔ اسکے کئی وجوہ ہین مگر سب سے بڑا اسکا سوشل نظام ہے جو انفرادی ہے جماعتی نہین جیسا کہ ہندوستان مین۔ یہان قانون وراثت اور جوائنٹ فیملی یا خاندان مشترک کی وجہ سے دولت کبھی چند افراد کے ہاتھون مین مجتمع نہین ہو سکتی۔

(۱۶) یہ سائل نے صدا ایکے علی سے خاتم　　لو گدا جاتا ہے سجدے سے سلیمان ہوکر

اس شعر مین لفظ "پھرا" پر جناب خبیر کو توجہ نہین ہوئی۔ اس سے یہ معنی پیدا ہوتے ہین کہ جو گدا اور شاہ نجف پر بیٹھ گیا وہان سے نہین اٹھا (بے نیاز ہوگیا) اگر اٹھا تو سلیمان ہوکر اٹھا یعنی ایک جلیل القدر پیمبر کا رتبہ حاصل کرکے۔ جب بھی اس در کو نہ چھوڑتا اگر شان و شوکت دنیوی پر معذور نہو جاتا۔ جیسا کہ حضرت سلیمان کے متعلق مشہور ہے کہ اپنا جاہ و حشم دیکھکر مسرور ہوے فوراً حکم خدا سے روح قبض کرلی گئی۔ لہذا یہ خوبی بھی پیدا ہوئی کہ در سے اٹھا تو مرکر اٹھا

(۱۷) اب ہمارے لیے لبیک ہوئی اے سلطان　　کربلا ہند سے جاتے ہین خراسان ہوکر

مین اسکے متعلق اپنی راے ظاہر کرچکا۔

اب وہ تنقید ملاحظہ ہو جو میر مونس کے کلام پر جناب خبیر نے کی ہے۔

(۱) مجرائی بہتے ہین آنسو در غلطان ہوکر　　آبرو پائی ہے کیا چشم سے گریان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ گریان اور غلطان قافیہ نہین ہوسکتے ایطا ہے آپ یہ تسلیم کرتے ہین کہ اگلے لوگ اسکا خیال کم کرتے تھے مگر جب میر مونس کے کلام مین بھی یہ عیب ہو تو دوسرون مین اور انمین وجہ امتیاز کیا رہی۔ یہ اعتراض صرف اُن لوگون کا منھ بند کرسکتا ہے جو میر مونس کو دنیا بھر کے شعرا سے بہتر سمجھتے یا کہتے ہون۔ مین ایسی بحث کو فضول سمجھتا ہون ایطا عیب ضرور ہے مگر شان اُستادی کے منافی نہین کیونکہ وہ بھی اُستاد ملنے جاتے ہین۔ جنکے کلام مین ایطا موجود ہو

دوسرا اعتراض جناب خبیر کا یہ ہے کہ در غلطان ہوکر بہنا کیا معنی۔ بھکر در غلطان ہوجاتے ہین۔ صحیح۔ ڈھلنا۔ گرنا یا کچھ اور درست ہوسکتا ہے۔ مگر ولفریبی سے ہم آغوشی اب بھی نظر نہین آتی۔ مین عرض کرتا ہون کہ آنسو کے لیے بہنا درست ہے۔ پھر وہ در غلطان ہوکر بہے یا محض آنسو کی شکل مین۔ اسمین کونسا زبان کا نقص پیدا ہوتا ہے بلکہ جسطرح مصرع نظم ہوا اسمین یہ خوبی پیدا ہوتی ہے کہ آنکھ سے بہنے کے بعد نہین بلکہ آنکھ ہی مین آنسو موتی بن جاتے ہین گویا آنکھون سے اشک نہین ٹپکتے موتی رُلتے ہین۔

(باقی آیندہ)

مرزا جعفر علیخان اثر لکھنوی

اقتصادیات مین ہندوستانی نقطۂ نظر

(گزشتہ سے پیوستہ)

ہمارے ملک اور دیگر ممالک مین فرق ہے، دوسرے ملکون مین گرانی فارغ البالی کی دلیل ہے۔ وہان کے ماہرین علم الاقتصاد کہتے ہین کہ گرانی نرخ سے پیداوار مین اضافہ ہوتا ہے، اسکا سبب یہ ہے کہ یہ ممالک زیادہ تر صنعتی ہین اور صنعتی پیداوار جتنی زیادہ مقدار و تعداد مین تیار کی جائے۔ آئنلی مشینون کے استعمال کی وجہ سے صرفہ کم پڑتا ہے اور نفع کی زیادہ امید ہوتی ہے، اور مقدار و تعداد مین اضافہ کا خیال اُسوقت پیدا ہوتا ہے جب نرخ گران ہوتا ہے پس صنعتی ممالک کے لیے گرانی نرخ فائدہ مند ہے لیکن ہندوستان مین گرانی کا اثر نہایت خوفناک ہوتا ہے کیونکہ یہان صنعتی پیداوار کے بجائے زراعتی پیداوار زیادہ ہوتی ہے، اور زراعتی پیداوار مین اضافہ کرنے سے صرفہ زیادہ ہوتا ہے جسکا اثر نرخ پر پڑتا ہے، اور گرانی بڑھتی جاتی ہے، اور غلے کی گرانی کا اثر خوراک پر پڑتا ہے، خوراک کی کمی سے باشندون مین روز بروز جسمانی ضعف کے آثار نمایان ہوتے جاتے ہین۔

تقسیم دولت | علم الاقتصاد کے صیغہ "تقسیم دولت" پر جب ہم نظر ڈالتے ہین تو ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ یہان کی تقسیم پیداوار یا دولت کا مسئلہ دیگر ممالک کے اس قسم کے مسائل سے بالکل مختلف ہے۔ دیگر ممالک مین سرمایہ اور مزدوری دو متضاد چیزین ہین۔ وہان مسئلہ یہ درپیش ہے کہ موجود دولت یکسان طور پر سب مین تقسیم نہین ہے۔ کوئی حد سے زائد امیر ہے تو کوئی حد سے زیادہ مفلس مفلسی اور تونگری مین جو حد فاصل وہان ہے یہان نہین۔ اسکے کئی وجوہ ہین مگر سب سے بڑا اُنکا سوشل نظام ہے جو انفرادی ہے جماعتی نہین جیسا کہ ہندوستان مین۔ یہان قانون وراثت اور جوائنٹ فیملی یا خاندان مشترکہ کی وجہ سے دولت کبھی چند افراد کے ہاتھون مین مجتمع نہین ہوسکتی۔

کبھی جمع بھی ہوئی تو خاندان مشترکہ مین جو تقسیم ہوسکتی ہے۔ پس یہان تقسیم دولت کے ضمن مین سوال صرف یہ ہے کہ جو دولت پیداوار کی شکل مین ہوتی ہے وہ کیونکر تقسیم کیجائے کہ پیداوار کا ہر فیکٹر جتنا اسکو ملنا چاہیے حاصل کرسکے۔ اسی کے ساتھ دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیونکر تقسیم مین وہ نقصان نہ اٹھانا پڑے جو بیشمار دلالون اور تاجرون کی تقسیم مین حصہ لینے سے سب کو اٹھانا پڑتا ہے مبادلہ کی جو مشینری یہان ہے اور جو لاتعداد درمیانی لوگون پر مشتمل ہے وہ بہت ہی مضر اور نقصان دہ ہے۔ اس معاملہ مین ہندوستانی تمنا یہ ہے کہ یہان بھی دیگر ممالک کی طرح امداد باہمی کی انجمنون کے ذریعہ مبادلہ اور تقسیم اشیا کا کام کیا جائے۔ ایک انجمن کے ممبر تھوک فروشون یا مال کے پیدا کرنیوالون سے مال خرید کر آپس مین لے سکتے ہین اور اسطرح جو بچت ہو اسکو جسطرح چاہین صرف کرسکتے ہین۔ اگر درمیانی تاجرون کا منافع مال کی بازاری قیمت سے نکال دیا جائے تو نرخ مین کماحقہ ارزانی ہوسکتی ہے۔ مگر ایسی انجمنون کے لیے ضروری ہے کہ امداد باہمی کے اصولون سے خوب واقف ہون انپر عمل کرنا اپنا عین فرض سمجھین اور انجمن کی ترقی مین اپنی ترقی خیال کرین۔ جو چیز خریدین وہ انجمن کے ذریعہ سے اور جو چیز فروخت کرین وہ بھی انجمن کے ذریعہ۔ اسطرح کاشتکارون کی انجمنین انکو بیحد فائدہ مند ثابت ہوسکتی ہین کیونکہ جہان انکو خرید کیا ہوا مال بازار سے ارزان قیمت پر ملیگا وہان فروخت کیے ہوے مال کی موجودہ سے زائد قیمت ملے گی کیونکہ ابھی تو انکو مال ایسے وقت مین ایسے لوگون کے ہاتھ فروخت کرنا پڑتا ہے جنکے وہ بے دام کے غلام سے ہوتے ہین۔

سرکار کا صنعت سے تعلق | آخری اہم مسئلہ یہ ہے کہ سرکار ہند کو صنعت سے کیا رشتہ ہونا چاہیے ہندوستانیون کا خیال ہے کہ ہندوستانی صنعتون کو جانکاہ مقابلون سے محفوظ کرنا چاہیے۔ موجودہ راے کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۰ء کی امپیریل لجسلیٹو کونسل نے بہت زور سے یہ راے دی تھی کہ ہندوستانی صنعتون کے بچانے کیلیے محفوظ تجارت کا اصول برتنا ضروری ہے جسمین صرف یہ استثنا ہو کہ برٹش ایمپائر کی تجارت کے ساتھ ترجیح کا اصول کام مین لایا جاوے۔ مگر جدید۔ ریفارم اسکیم جسپر سرکار کاربند ہے ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستان کو مالی معاملات مین یہ حق مل گیا ہے کہ اپنا نرخنامہ بغیر کسی جبری جسطرح چاہے مرتب کرے۔ گذشتہ کونسل نے انگریزی کپڑے پر

محصول بڑھا دیا - اسپر سرکار اور پبلک کے نمایندے دونون متفق تھے مگر لنکاشائر والون نے بڑا واویلا مچایا جسپر پارلیمنٹ مین انکو یہ جواب دیا گیا کہ رفارم کی روسے گورنمنٹ انگلستان اس معاملہ مین دخل دینے سے معذور ہے - سکریٹری آف اسٹیٹ ہند نے بھی لنکاشائر اور مینچسٹر کے وفود کو اسی طرح کے دندان شکن جواب دیے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان کا اسمین فائدہ ہے کہ کسی مال پر محصول لگائے اور پبلک اور گورنمنٹ دونون اس بات پر متفق ہین تو سکریٹری آف اسٹیٹ ہند یا برٹش پارلیمنٹ کسی کو دخل دینے کا حق نہین - ابھی تک لنکاشائر والون کی راے سے روئی کے کپڑے پر محصول لگایا جاتا تھا اور سرکار ہند اپنی مرضی کے خلاف بھی کارروائی کرنے پر مجبور ہوتی تھی اور کئی دفعہ ایسا ہوا مگر اب ایسا ناممکن ہوگیا ہے اور یہ رفارم کی سب سے بہتر قسط ہے -

اسکے بعد صنعتون مین سرکاری امداد کا سوال ہے ہندوستان کو جو امید ہے اسکو سکریٹری آف اسٹیٹ ہند نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۱۹ء مین بہت خوبی سے ظاہر کیا ہے - انکے الفاظ یہ ہین کہ بلا شبہہ گورنمنٹ ہند کو ملک کی صنعتی ترقی مین پرجوش حصہ لینا چاہیے - سرکاری مدد مختلف صورتین اختیار کرسکتی ہے مثلاً تحقیق اور تجسس کا کام - قدرتی ذرائع و وسائل کی جانچ ٹکنکل اور سائنس کے اصولون پر صلاح و مشورہ - تعلیم کے وسائل بہم پہونچانا - تجارتی اور صنعتی معلومات بہم پہونچنے کا انتظام کرنا - کارخانے اس منشا سے قائم کرنا تاکہ عوام کو کسی خاص صنعت کی طرف رجحان ہو اور اسکو کامیابی کے ساتھ چلانے کا عینی ثبوت ملے

گورنمنٹ کو جن چیزون کی ضرورت ہوتی ہے انکا ہندوستان ہی مین خرید کرنا - چاہے یہ معمولی طریقہ مین ہو یا چاہے اس بات کی گارنٹی کرکے ایک مدت مقررہ تک مال لیا جاویگا - غالباً مالی تجاویز بھی مثلاً محصول درآمد و برآمد لگانا اسمین شامل ہین - اسکی کئی مثالین ابتک مل چکی ہین - ایک تو شکر پر محصول کا اضافہ - دوسرے خام چمڑے کی برآمد پر ۱۵ فیصدی کا محصول حالانکہ اسمین ایک بات یہ ہے کہ اگر چمڑا برٹش ایمپائر کے ممالک کو جائے تو ۱۰ فیصدی کی واپسی ہو - اسکے علاوہ گزشتہ بجٹ مین شکر کے محصول مین اور اضافہ ہوا ہے - اسکے علاوہ سگرٹ اور شراب وغیرہ کے محاصل پر بھی بیشی ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہمارے نمایندے

کونسلون مین اپنا فرض ادا کرین تو ہندوستان کی صنعتی ترقی مین کوئی رکاوٹ حائل نہین ہو سکتی

مغرب کی تقلید یا اپنی تائید اقتصادیات ہند کی تحت مین یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ترقی کیونکر ہو سکتی ہے ۔ مغرب کی تقلید مین یا اپنے پرانے طریقون کی تائید مین ۔ ایک طرف تو یہ حال ہے کہ کام چھوٹے پیمانہ پر ہوتا ہے چھوٹے چھوٹے کارخانے ہین جسمین کہ صرف خاندان یا گھر کے آدمی اور چند مزدور پیشہ شامل ہین ۔ دستکاری یعنی ہاتھ سے کام کرنے کا طریقہ رائج ہے ۔ سرمایہ بہت کم ہے اور کام کرنے والے خود ہی بناتے ہین اور خود ہی اسکو فروخت کرتے ہین ۔ دوسری طرف یعنی مغرب مین حال یہ ہے کہ کام بہت اعلی پیمانہ پر ہوتا ہے ۔ مشینری سے مدد لیجاتی ہے سرمایہ لاتعداد لگایا جاتا ہے ۔ بڑے بڑے کارخانے ہین جنمین ہزارون کی تعداد مین مزدور کام کرتے ہین ۔ ہر کام مشین سے ہوتا ہے اور صرف مشین کی نگرانی یا چند مختصر کام مزدوران کے ذمہ ہوتے ہین ۔ مہتمم کارخانہ تیار شدہ مال کو ایجنٹون کے ذریعہ سے فروخت کرتا ہے ۔ انکے یہان نت نئے طریقے ایجاد ہوتے ہین اور کل دنیا کا سازوسامان خام مال کی شکل مین انکو بہم پہونچ سکتا ہے اور انکا تیار کردہ مال دنیا کے چپے چپے مین پہونچتا ہے اسلیے وہ مال کو بہت زیادہ مقدار مین تیار کردیتے ہین اور شرح منافع کم لگانے پر بھی لاکھون کے وارے نیارے کرتے ہین ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت سمٹتی چلی آتی ہے اور مفلس اور تونگر طبقہ مین کشمکش بڑھتی چلی جاتی ہے ۔

ہندوستان مین ایک طبقہ کا خیال ہے کہ اگر ہندوستان صنعتی لحاظ سے ترقی کرسکتا ہے تو یورپ کا طریقہ اختیار کرکے جسمین کام بڑے پیمانہ پر کیا جاتا ہے ۔ ایک لحاظ سے یہ خیال قدرتی ہے کیونکہ جب ہم دیکھتے ہین کہ ہم مفلس ہین اور مغرب تونگر تو ہمارا یہ خیال ہونا واجبی ہے کہ اس تونگری کی کنجی کچھ انکے طریقہ کار مین ہے اور اسی اصول پر ہندوستان سے افلاس دور ہو سکتا ہے دوسرا طبقہ جس نے مغرب کے طریقون کی نزدیک سے جانچ کی ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ دولتمندی کے لحاظ سے چاہے مغرب کا طریقہ برتر ہو مگر اخلاقی خیال سے اسمین چند سخت برائیان پیدا ہوجاتی ہین ۔ انکا ظہور ہندوستان مین بھی ہونا شروع ہو گیا ہے ۔ یورپ اور

امریکہ مین سرمایہ دارون اور منتظمین صنعت ایک طرف اور مزدور پیشہ جماعت دوسری طرف انھین سخت ان بن ہے - یہی صورت یہان بھی پیدا ہو چلی ہے - ہمارا فرض ہے کہ ہم ٹھنڈے دل سے اسپر غور کرین کہ وہ کونسا طریقہ کار ہے جسکے ذریعہ سے افلاس بھی دور ہوسکے اور ہم ان برائیون سے بھی بچ سکین

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ پرانی صنعتون کو از سر نو زندہ کرنا اور پرانے انتظام کے طریقہ کی تجدید کرنا فیکٹری سسٹم کے مقابلے مین لوہے کی دیوار سے سر ٹکرانا ہے اسکا نتیجہ سوائے ناکامیابی کے اور کچھ ہو نہین سکتا - اسکے جواب مین صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب تک کوئی کام سرانجام نہ پا جائے اسکو ناممکن ہی کی فہرست مین شمار کرتا رہے - ہندوستان سے صنعتون کے لیے بھی سرمایہ مل سکتا ہے - اور بیشمار کمپنیون کے اجرا نے اسکو پایۂ ثبوت تک پہونچا دیا ہے - اسی طرح جب تک ہمکو انگریزی مال پر چنگی لگانے کے لیے آزادی نہ تھی اسوقت تک آزادی کا ملنا ناممکن خیال کیا جاتا تھا مگر جب سے ہمنے لنکا شائر کے مال پر اپنے یہان کے مال سے زیادہ چنگی لگا دی یہ تسلیم کیا جانے لگا کہ رفارم نے ہندوستان کو فسکل آزادی عطا کر دی ہے اور چنگی کے معاملہ مین دست اندازی کرنا رفارم کو رد کرنیکے برابر ہوگا - جبتک ہندوستانی گورنر نہین ہوا تھا اسوقت تک کسی ہندوستانی کا اس عہدہ پر متمکن ہونا خلاف عقل معلوم ہوتا تھا پس ناممکن کا تو سوال ہی فضول ہے - اگر باقاعدہ اور استقلال کے ساتھ کوشش کیجائے تو کوئی وجہ نہین ہے کہ چھوٹے پیمانہ پر کام ہوتے ہوئے بھی ہماری پرانی صنعتین از سر نو زندہ نہو جائین اور وہ اتنی مقتدر ثابت نہون کہ بڑے پیمانہ پر کام کا مقابلہ کرسکین - چھوٹے پیمانہ پر کام کرنیوالون کے نقائص یہ ہین - اول اُن کو معلومات نہین ہوتی - دوم انکو مناسب تربیت نہین ہوتی کہ ترقی یافتہ طریقون پر کام کرسکین یا اسطور سے کام کرین کہ محنت کم پڑے اور کام کا ماحصل زیادہ ہو - سوم سرمایہ کی کمی اور چہارم پریس کے اُصولون اور طریقون کی عدم موجودگی -

یہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے کہ گورنمنٹ ہند نے ہندوستانی صنعتی ترقی مین سرگرمی سے حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے یہ کیون؟ یہ ایک دوسری بحث ہے مگر مجملاً یہان پر یہ عرض

کر دینا ضروری ہے کہ دنیا کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے دوسری جنگ ہو جسمین سرکار کو بھی حصہ لینا پڑے اور گزشتہ جنگ کی بہ نسبت ذرائع آمد و رفت مین ہندوستان اور انگلستان کے درمیان دشمنون کے بندش کامیاب ہو تو اس حالت مین ہندوستان کو ایسا ہونا چاہیے کہ کل سامان جنگ طیار کرنے کے قابل ہو تا کہ جنگ کو کامیابی کے خاتمہ پر پہونچا سکے اور بغیر صنعتی ترقی کے کسی ملک کو یہ بات حاصل نہین ہو سکتی - غرض ہندوستانی گورنمنٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ ہندوستانی صنعتی ترقی کی نشو و نما کیجائے پس اُسکے لیئے بہت آسان ہے کہ چھوٹی صنعتون کے مالکون اور کام کرنے والونکو جدید سے جدید طریقون اور اوزارون کا علم بہم پہونچائے اور جہان ضرورت ہو اُنکی ترتیب کے لیئے سہولتین پیدا کرے - چھوٹی صنعتون کی قومی اہمیت کو دیکھتے ہوئے گورنمنٹ سے یہ امید کرنا مصلحت وقت ہو اور اسطرح پہلا اور دوسرا نقص مٹ سکتا ہے - تیسرے اور چوتھے نقص بہت آسانی سے اسطرح دور ہو سکتے ہین کہ صنعتون کو امداد باہمی کے اصُول پر چلانیکا بندوبست کیا جائے - یہ اغلب ہے کہ ہندوستان مین جہان مزدوری اور ملکو نکے مقابلہ مین سستی ہے ممکن ہے کہ امداد باہمی کے اصُولون پر کام کا انتظام کرنیسے چھوٹی صنعتین بڑے صنعتو نکے مقابلہ مین اور انسانی طاقت بمقابلہ مشین کی طاقت کے سر برہون اگر مناسب رہبری اور گورنمنٹ کی مدد شامل حال رہے - اگر ہم بجائے انسانی طاقت کے کام کرنے کے اپنے مزدورون اور پیشہ ورونکو مناسب قیمت کے موٹر مہیا کر سکین جنمین نقصان کا کم امکان ہو تو بڑے بڑے سرمایہ دارون اور بڑے بڑے اسٹیم انجنون کا مقابلہ کر سکتے ہین اور نہ صرف ہمارے دیہی اور گھریلو صنعتین بار آور ہو سکتی ہین بلکہ ہم اس قابل ہو سکتے ہین کہ بڑے پیمانہ پر صنعتون کے بجائے چھوٹے پیمانہ پر کامیابی کے ساتھ صنعتین چلا سکین اور بڑے پیمانہ والی صنعتون کا مقابلہ کر سکین - مغرب ہی مین اس کامیابی کا راز کھلا ہے - وہان تیل یا گیس یا بجلی کے ایسے انجن موجود ہین جنکی مدد سے چھوٹی صنعتین بام کامیابی پر قدم رکھ سکتی ہین اور جو ہمارے یہان کے صنعتون کے مناسب حال کام دیسکتے ہین -

اقبال بہادر سکسینہ

روح ادب

اگر شاعر کو ہم کسی تاویل سے (اصطلاحات فلسفہ کا تمام احترام ملحوظ رکھتے ہوئے) مُدرک کہہ سکتے ہین تو یقیناً شعر کو مظہر ادراک و نتیجہ احساس ماننا پڑے گا یا زیادہ سے زیادہ بلیغ انداز مین یہ کہنا پڑے گا کہ شعر نام ہے "بصارت کا بصیرت مین منتقل ہو کر الفاظ سے ظاہر ہو جانے کا"، بہرحال یہ شاعر و شعر کی جامع حد نہین جسے کوئی فیلسوف بغیر کسی برہمی کے سن یا دیکھ سکے، لیکن محض سمجھانے کے لیے اسقدر کہدینا غالباً مفید علم و یقین ہوگا۔

بہرحال وہ شخص جو مطالعہ فطرت کا خوگر نہو، اور اس حالت انہماک و استغراق مین اپنی جذبی کیفیت کا اظہار الفاظ کے ذریعہ سے نہ کرسکے۔ وہ یقیناً حقیقی شاعر نہین ہوسکتا۔

غرض یہی ہے وہ امر مابہ الامتیاز جو فطرت اور فن کی شاعری کو ایک دوسرے سے علیحدہ کردیتا ہے اور یہی ہے معیار جسکو پیش نظر رکھکر ایک شاعر کے کلام پر تنقید کی جاسکتی ہے۔ پھر ایک شاعر جسقدر زیادہ اپنے صحیح و عمیق جذبات فطرت سے متعلق کریگا اُسی قدر وہ مدارج شاعری کے لحاظ سے کامیاب، بالغ نظر، نکتہ شناس، یا حقیقی شاعر سمجھا جائے گا۔

یہ تو بیان ہوا غیر صنعی شاعر کا جس سے شعر کی ابتدا ہوئی۔ اور غالباً اسی پر اختتام ہوگا۔ اب رہی آرٹ کی شاعری، اور اسکے اُصول، یقیناً وہ بھی بیکار چیزین نہین، البتہ صرف اُنکا حصول شاعری نہین اور نہ ایک شخص اُنکے وقوف سے شاعر بن سکتا ہے، جبتک قدرت خود اُسے شاعر نہین پیدا کرتی اور جب قدرت شاعر پیدا کردیتی ہے تو اسمین شک نہین کہ پھر وہ اپنے کلام کو بہت بلند بنا سکتا ہے۔

جب انھین اصول کو پیش نظر رکھکر ہم روح ادب کا مطالعہ کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جوش واقعی فطرت کی طرف سے نہایت ذکی الحس، متاثر قلب اور ذہین دماغ لیکر

آئے ہین - اور انھین شاعر ہونے کی کافی اہلیت موجود ہے -

روح ادب مجموعہ ہے جناب جوش کے نظم و نثر کا - یہ کتاب حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کی رائے سے شروع ہوئی ہے اور اسکے بعد جناب شرر کا تبصرہ ہے - میرے نزدیک اس نوع کا تبصرہ یا تقریب و تقریظ صرف اُن کتابون کے لیے ضروری ہے جنھین اُصول تجارت پر شائع کیا جاتا ہے یا پھر اُن مصنفین کو ضرورت ہوتی ہے جنھین اپنی تصنیف پر اعتماد نہین ہوتا - اور شاید جوش صاحب کے لیے ان دونون مین سے کوئی بات اس تمہید و توصیف کی مقتضی نہ تھی - اور اگر واقعی جوش صاحب کا کلام ایسا نہین ہے تو صرف حضرت اکبر الہ آبادی یا حضرت شرر لکھنوی کی تعریف اُسے مقبول نہین بنا سکتی البتہ مقدمہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے مگر وہ بھی صرف اس حد تک کہ مصنف کی سیرۃ ضبط تحریر مین آجائے لیکن افسوس ہے کہ رفیع احمد صاحب اپنے حدود سے بہت متجاوز ہوگئے ہین اور انھون نے جناب جوش کے کلام پر تنقید کر کے مقدمہ کی حقیقی روح کو ضائع کر دیا -

اس مقدمہ کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے اور سب سے پہلے انتساب کی عبارت نظر آتی ہے جسمین جوش صاحب نے نظم کی سی نزاکت قائم رکھنے کی بہت کوشش کی ہے - الفاظ فقرے اچھے ہین لیکن اظہار خیالات کے لیے موقع و محل کے لحاظ سے جن الفاظ کی ضرورت تھی وہ جوش صاحب فراہم نہین کر سکے اور نہ بیان کا وہ عجز باقی رہ سکا ہے جو اس نوع کی تحریر اور مناظر فطرت سے تخاطب کے لیے ضروری ہے -

نثر بظاہر نظم سے زیادہ وسیع ہے اور اسمین ہر طرح کے جذبات و تاثرات کا آسانی کے ساتھ بیان ہوجانا ممکن ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نثر مین شاعری کرنا نظم سے زیادہ دشوار ہے اور اسکے لیے غیر معمولی کیفیت اپنے اوپر طاری کر لینے کی ضرورت ہے جو بہت مشکل سے پیدا پیدا ہو سکتی ہے - تہدیہ کی عبارت یہ ہے -

اے صبح صادق - اے عروس فطرت - مین اس ناچیز تصنیف کو تیرے نورانی قدمون سے مس کرنے لایا ہون - اسے قبول کر - اگر تو نہ مسکرائی تو کارخانہ قدرت مین غور

کرنے والا شاعر لوح محفوظ کا مطالعہ کبھی نہ کرسکتا۔ اور نہ شاہد معنی کا رخسار ہی دیکھ سکتا۔

اسمین صادق۔ ناچیز۔ کارخانہ۔ شاہد معنی۔ رخسار۔ وہ الفاظ ہین جنھون نے بہت عمومیت پیدا کردی۔ کاش جوش صاحب اس عبارت مین زور بلندی پیدا کرتے۔

نثر کے تمام مضامین مین جوش صاحب نے ٹیگور کا تتبع کرنے کی کوشش کی ہے اور غالباً اسی الکتاب لذت کے اصول پر جو غالب کو "سعی بے حاصل" سے ہوجاتی تھی۔

کتاب کی ترتیب اسطرح کی گئی ہے کہ سب سے پہلے نثر ہے۔ اُسکے بعد نظم، پھر غزلیات اسکے بعد سیر گل۔ آئینے اور ستارے کے ماتحت اشعار ہین اور پھر تازہ پھول کے عنوان سے چند اوراق نثر کے ہین اور اسکے بعد پھر پانچ نغمہ کے تحت مین اشعار ہین۔ ایسلیے یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ اس ترتیب مین کن اصول کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ نثر مین بعض بہا موتی خوب ہے

(۱) خوشی کے پھول کو زیادہ پیار نہ کر۔ ورنہ دب کر اسکی پنکھڑیون سے غم کا عرق ٹپک پڑے گا۔

(۲) مہ رخون کی سخت مزاجی اور حسینون کی سخت دلی نے یہ بات مجھپر واضح کردی کہ حسن کے نقش و نگار ہمیشہ پتھر ہی پر کھود دے جاتے ہین۔

اسکے علاوہ۔ عجیب تشریح۔ شاید وہ آجائے۔ جنگ کا باعث۔ تقلید سلب، بدترین اذیت وہ ٹکڑے ہین جن سے جوش صاحب کے ذوق فطرت پرستی کی نسبت منصفانہ تبصرہ کرنے والا اچھی راے نہ قائم کرسکے گا۔

نظم کا حصہ ترانہ بیگانگی سے شروع ہے اور برق عرفان پر ختم ہوا ہے۔ اس حصہ مین تمامتر وہ جذبات ظاہر کیے گئے ہین جنکا تعلق نظارت و مناظر فطرت اور اُسکی حقیقت سے ہے اسمین اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ اپنی عدم دلچسپی اور فطرت کے دوام قیام کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ہوجائے۔

تریہ مسرت ایک ہندی دوہے کا ترجمہ ہے۔ جوش صاحب کو فٹ نوٹ مین ظاہر کردینا چاہیے تھا خیالات زرین بہت خوب ہے۔

ارمان بہت ہین کم کردے ہستی یہ نہین اک غفلت ہے
آغاز سراپا دھوکا ہے، انجام سراسر عبرت ہے

کتنی اچھی تخئیل ہے اس سے جوش صاحب کے اُس تعلق کا اظہار ہوتا ہے جو انکو فطرت کے ساتھ ہے
طوفان بے ثباتی کے عنوان سے ایک نظم ہے اسمین ایک شعر ہے

باغ عالم پر نظر کر غور سے　　　دوست کے پہلو سے آئی یہ صدا

ایسی صدا کاش جوش صاحب کے ہی پہلو سے آتی اور وہ خود ہی اس حقیقت کو سمجھ لیتے تو شعر بہت بلند ہوجاتا۔

آخری حصے مین پھر نظمین ہین۔ اور انمین ہماری سیر۔ رعشہ پیری خاص طور سے قابل ذکر ہین۔

وہ نظر ڈالتے ہین لہرون پر　　　اور ہم تہ مین ڈوب جاتے ہین
گھر پلٹتے ہین وہ ہوا کھا کر　　　اور ہم زخم کھا کے آتے ہین

پاکیزہ اشعار ہین۔

رعشہ پیری مین

نگہ بے نور ہو کر رات کا منظر دکھاتی ہے　　　تنفس آہ بھرتا ہے قضا لوری سناتی ہے
ضعیفی کا یہ رعشہ جس سے جنبش مین ہین سب حصے　　　یہ ہے دراصل کیا کچھ عقل مین یہ بات آتی ہے
یہ ہے اک پالنا ڈوری ہلاتی ہین رگین جسکی　　　یہ اک جھولا ہے جسمین زندگی کو نیند آتی ہے

یہ ایک ہی بند مین ہے۔ اور حقیقت مین بہت خوب ہے۔ خاصکر آخری شعر تو قطعاً غیر فانی ہے۔
نظم کے دوسرے حصے مین غزلیات ہین۔ جوش صاحب نے انکو بھی نظم ہی کے رنگ مین پیش کرنا چاہا ہے مگر میرے نزدیک یہ ایک اُصولی غلطی ہے تغزل کا رنگ بالکل علیحدہ ہے۔ اور اسکو دوسری نوع کی شاعری مین شامل کردینا کسی طرح مناسب نہین۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ جس حد تک تغزل کا تعلق ان اشعار سے ہے۔ جوش صاحب بہت کامیاب ہوے ہین۔ بعض مقامات پر اُنھون نے نہ صرف سلیقہ سے کام لیکر دوسرون کے جذبات اپنے کرکے دکھا دیے ہین۔ بلکہ انمین ندرت و جدت بھی پیدا کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہون۔

واے قسمت دل بھر آیا ہونٹھ تھرانے لگے　　　ہوچلا تھا کچھ اثر ان پر مری تقریر کا

کوئی آیا تری جھلک دیکھی　　　کوئی بولا سنی تری آواز

جب تم آتے ہو سامنے تو کوئی — اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے
عزم اتنے ہوئے ہیں فسخ کہ اب — دل ارادہ سے کانپ جاتا ہے

کسطرح یہ دل کا پیچ ہے، اسمین کیا تدبیر کرون — آنسوؤن کے آبلے پڑتے ہین، دل ہے کہ وہ بجھا جاتا ہے

میری میّت پہ کیون تری تصویر — دوستون کو دکھائی جاتی ہے
لوگ مُڑ مُڑ کے دیکھتے ہین اُنھین — لاش میری اُٹھائی جاتی ہے

تیرے ملنے سے قبل بھی مجھکو — تھا مگر اسقدر ملال نہ تھا

نہین معلوم کیا کھوئی ہوئی شے یاد آتی ہے — ہوا جب سرد چلتی ہے کلیجہ تھام لیتے ہین

انکی صورت ذرا دکھا دینا — مُنھ سے میرے کفن ہٹا دینا

چاندنی رات ہے سمندر ہے — اِسے اُسوقت آپ بھی ہوتے

میرے رونے کا جسمین قصہ ہے — عمر کا بہترین حصہ ہے

ہر چیز کائنات کی لبریز یاس ہے — دل کیا اُداس ہے کہ زمانہ اُداس ہے

یون مُسکرا رہے ہو کہ دل تو نکل پڑے — کیا چاہتے ہو مُنھ سے کلیجہ نکل پڑے

کل شب کو چاندنی مین پھر اسکی یاد آئی — ہم جانتے تھے دل سے وہ محو ہو گیا ہے

آ نکلے ہو تو تم بھی کچھ حال دل کا سن لو — گذرا ہے جو ادھر سے کچھ دیر رو گیا ہے

جوش مر رہنے کی جی مین ٹھان لین — اب تو اس دل ہی کا کہنا مان لین

خموشی دیکھکر دل زندگی سے ہٹ گیا ہوتا — اگر تم ہنس نہ دیتے تو کلیجہ پھٹ گیا ہوتا

جس لطافت و پاکیزگی سے اپنے جذبات نظم کیے گئے ہین وہ یقیناً مستحق ستائش ہین

ان اشعار مین کنایہ - انداز بیان - اور جذبات کی الگ الگ مثالین موجود ہین اور اُن سے ہر شخص لطف اُٹھا سکتا ہے - تغزل کے لیے جس خوبی کی ضرورت ہوتی ہے اور جتنی شیرینی اسمین ہونی چاہیے وہ سب موجود ہے - کہین کہین کلام مین رنگینی و رعنائی بھی پیدا ہو گئی ہے اور بعض جگہ کمال یاس و نومیدی کے جذبات اسطرح ادا ہو گئے ہین کہ جوش صاحب کا کلام یقیناً حضرت اکبر یا ثمر کی تعریف سے بے نیاز ہو جاتا ہے -

جوش صاحب کا اکثر کلام اسی رنگ مین ہے لیکن کہین کہین اُنھون نے آتنا عامیانہ رنگ پیدا کر دیا ہے جسکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے - مثلاً

ہر آیشن پہ دو اک زخم کاری دل پہ کھاتے ہین — سفر کرتے ہین یا ہم جنگ کے میدان مین جاتے ہین

رنگین رخون نے ذبح کیا دل تو ریل پر — مرنے کو اور جائے پنجاب میل پر

یون ہم اس شوخ کو پہلو مین لیے بیٹھے ہین — کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ پیے بیٹھے ہین

آخری شعر کا پہلا مصرعہ - تو میرے نزدیک جوش صاحب کی شاعری کیلیے حقیقی معنی مین ننگ ہے

آپ اک جلوہ سراپا - مین سراپا اک نظر — اپنی حاجت دیکھیے - میری ضرورت دیکھیے

حضرت اکبر مرحوم کا شعر ہے

دنیا کی کیا حقیقت ہمدم ہمیں کیا تعلق — وہ کیا ہے اک جھلک ہے ہم کیا ہین اک نظر ہین

میری حالت دیکھیے ان کی صورت دیکھیے — پھر نگاہ غور سے قانون قدرت دیکھیے

خوب ہے۔ معشوق کی لاپروائی اور عاشق کی جامہ دری۔ گویا قانون قدرت کی مجمل تفسیر ہیں داغ نے بھی صورت و قدرت کو لکھا ہے۔ اور کسقدر حسن کے ساتھ۔

تیری صورت کو دیکھتے ہیں ہم　　　اُسکی قدرت کو دیکھتے ہیں ہم

الجھن سی یکایک ہوتی ہے دم رکتا ہو دل بھر آتا ہے　　　جب کوئی تسلی دیتا ہے کچھ اور بھی گھبراتا ہے

تسلی دینے کے بعد بھی جی کا گھبرانا۔ وہ جذبات ہیں جو میر کا مطمح نظر رہے ہیں۔

دل نے معموری کی مت کر فکر فرصت چاہیے　　　ایسے ویرانے کے اب بسنے کو مدت چاہیے

ساری دنیا ہے ایک پردۂ راز　　　اُف رے تیرے حجاب کے انداز

غالب کا فلسفہ کچھ اور ہے

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا　　　یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

کتاب کے شروع میں جوش صاحب کی تصویر ہے، اسکے علاوہ جابجا اور بھی دلکش تصویریں ہیں مگر بعض تو حد درجہ ناموزون ہیں۔ اگر تصویرون کی ضرورت تھی۔ تو انمین ایشیائی مذاق پیدا کرنا چاہیے تھا۔ اُمید ہے کہ دوسرے اڈیشن مین یہ نقص دور کر دیا جائیگا، جو جناب جوش کی سلیم المذاقی پر بدنما داغ ہے۔

قمر بھوپالی

ترانۂ عید

دنیا مین آج سب کو خوشی بیقیاس ہے
او غم نصیب آج بھی تو وقفِ یاس ہے
احسن یہ محویت، یہ خموشی، یہ بیخودی
کیا آج عید مین بھی تِرا دل اداس ہے

احسن سنبھلی

کلامِ نہال

نہال الدین صاحب نہالؔ ۔ موضع ڈہکیا ۔ ضلع پیلی بھیت کے رہنے والے تھے تعلیم پرائیوٹ طور پر حاصل کی تھی ۔ فارسی مین کامل دستگاہ رکھتے تھے ۔ مبدء فیاض نے شاعرانہ دماغ عطا کیا تھا ۔ عنفوان شباب مین "کسی" کے حسن کی کارفرمائیون اور سحر اثر نگاہون نے ایسا از خود رفتہ بنا دیا کہ آخر عمر تک دیوانہ ہی رہے ۔ چار ابرو کا صفایا اُنکی وضع خاص مین داخل تھا ۔ "خذ ما صفا اور دع ما کدر" کی قیود سے بالکل آزاد تھے ۔ ناکامی جاوید نے عشق حقیقی کا راستہ دکھا دیا تھا ۔ ان کا تمام کلام حقیقی جذبات اور وجدانی حسیات سے لبریز ہے جو چوٹ کھائے ہوئے دلون پر نوک نشتر کا کام دیتا ہے ۔ شاعری مین اُنکو کسی سے تلمذ نہ تھا ۔ جب دل مین درد اُٹھتا تھا ۔ جب کسی کی یاد بیچین کر دیتی تھی جب کسی کا تخیل غمناک بنا دیتا تھا تو جذبات خود بخود دیوانہ وار شعر کی صورت مین ظاہر ہوتے تھے ، اور یہ جنون پرست شاعر کاغذ یا ٹھیکری پر اونھین لکھ کر پھینک دیا کرتا تھا ، قدردانان سخن انکے کلام کو چن چن کے حرز جان بنا لیتے تھے ، مجھے بھی ایک محترم دوست کی بدولت انکے کلام کا کچھ حصہ مل گیا ، پڑھتا ہون اور لطف اُٹھاتا ہون ، آج ان الہامات شاعری کو ناظرین زمانہ کی خدمت مین بھی پیش کرتا ہون ،

حقیقت یہ ہے کہ سوز و گداز نہالؔ کے کلام کا خاص حصہ ہے ۔ کہین کہین شوریدگی کی جھلک بھی نظر آجاتی ہے ، بعض بعض الفاظ بیمحل استعمال ہوئے ہین ، لیکن تخیل مین جذبات کا رنگ غالب ہے ۔

اس کا علاج کیا ہے ۔ تبا چارہ گر مجھے — صحبت مین یاد آتے ہین زخم جگر مجھے
دن رات ہے تو ہم وحشت اثر مجھے — جادو سا کر گیا ہے وہ جادو نظر مجھے
پھر آرزوئے وصل ہے اپنے جستجوئے یار — وحشت پھرا رہی ہے یونہی دربدر مجھے

نے عمر بے ثبات نہین اسپہ اعتبار — عبرت سکھا گیا یہ چراغِ سحر مجھے

تاریکئ لحد مین ذرا آگئی ہے نیند — اے خوابِ زلفِ یار پریشان نہ کر مجھے

محشر مین ہاتھ جوڑکے ظالم نے۔ای نہال — کس لطف سے کہا ہو کہ رُسوا نہ کر مجھے

مطلع پڑھیے اور دل تھام کر رہجائیے - آخری شعر کو پڑھکر گھنٹون وجد کیجیے - خدا جانے نہال نے یہ کیا کہدیا ہے۔ اِس غزل مین جذبات کے علاوہ تخئیل کی بلند پروازی اور زبان کی شستگی بدرجۂ اتم موجود ہے اور جب یہ خیال کرکے پڑھیئے کہ یہ اس دیوانے کی غزل ہے جو ہوش وحواس سے بیگانہ تھا، تو استعجاب کے ساتھ لطف کلام کی بھی حد باقی نہین رہتی -

بال کھولے سرِ بالین نہ کوئی آبیٹھا — ہم نے مانا کہ طبیب آئے - دوا بھی آئی

مارڈالیگی کسی کو یہ ادا بگڑی ہوئی — رنگ رُخ اُترا ہوا - زلفِ رسا بگڑی ہوئی

"بال کھولے" کو پڑھکر جذبات مین ہیجان پیدا ہو جاتا ہے - دونون شعر مذاق سلیم کے لیئے بہت زیادہ کیف انگیز ہین -

نہال کا فارسی کا کلام جذبات وتاثر - تخئیل بندش اور زبان کے اعتبار سے بہت بلند ہے اور میرا تو یہ خیال ہے کہ انکا فارسی کلام - اُردو کلام سے بلند تر ہے - کیا خوب فرمایا ہے:-

صبر وسکون عاشقان دیدن روئے خوب تست — عیش ونشاطِ زندگی ساقی وساغر وسبو است

اناالحق شورش دل بود - شب جائیکہ من بودم — خیالِ غیر - باطل بود - شب جائیکہ من بودم

ہمہ اسبابِ عالم - اینکہ پیش تست دمے بینی — بہ اصل خویش مایل بود شب جائیکہ من بودم

ملائک بہر دربانی - من دیارم - یہ ایوانے — مرا این عیش حاصل بود شب جائیکہ من بودم

درآن وادیٔ پرحیرت - نہ کس یارے نہ غمخوارے — مگر دردِ تو - در دل بود شب جائیکہ من بودم

تن پرخون - نہالِ خستہ - پیشِ خاک درقصان — سرشس بہ پائے قاتل بود شب جائیکہ من بودم

شنیدم پیکِ صبا میرسد — نویدِ آمدِ دل رُبا - میرسد

باغوشم آمد۔ کہ درخواب رفت　　زانفاسیں سردم۔ جو امیر سید
قریب است آں جو نازِ الست　　کرآواز قالو بلیٰ۔ میرسد

اے مزاجش بہ اعتدال نہ شد　　بادۂ انگبین خمار آورد
اندرین دشتِ خارزارِ جہان　　مائی آمدیم۔ یار آورد
قلق ہجرستِ این کہ نہال　　دست بر قلب بیقرار آورد

نہال عالمگیر جنگی بخار کی دستبرد سے جانبر نہ ہو سکے۔ اور اب وہان پہونچ گئے ہین جہان ہماری آرزوئین رہا کرتی ہین۔ ہم نہال مرحوم کے اردو کلام کا کچھ حصّہ ناظرین زمانہ کی ضیافت طبع کے لیئے پیش کرتے ہین، ارباب نظر ان ادبی جواہر ریزون کی قدر کرین اور اور مرحوم کی روح پر دعائے خیر کے پھول برسائین۔

"مجنون۔ جو مر گیا ہے۔ تو جنگل اوداس ہے"

تم جس طرح سے چاہو۔ روا ہے تمہین ستم　　مین نامرادِ عشق ہون بیداد تھا کا کیا
جلجائے کوئی۔ برقِ تبسم کو کیا غرض　　بجلی گرے کہین۔ نگہ سرما سا کا کیا
جانے کے بعد آپ کے رویا بہت نہال　　کہتا تھا سائے عشق۔ کسی بے نوا کا کیا

جب مستِ ازل نے خم و خمخانہ بنایا　　عاشق کی موئی خاک سے پیمانہ بنایا
اصلاح ہوئی صنعتِ صناع ازل کو　　مشاطہ نے۔ خال رخ جانانہ بنایا
فرزانگی عشق گئی۔ عقل کو زک دی　　اس حسن نے آخر مجھے دیوانہ بنایا
محظوظ ہوا آج نہال آپ سے ملکر　　اِک جام مین ساقی اُسے مستانہ بنایا

تصور سے کے پردہ مین آنے لگا　　ترا حسن جلوے۔ دکھانے لگا
یقین ہے کہ خون ہو گیا۔ لخت دل　　جو اشکون مین مل مل کے آنے لگا
عجب طرح چھیڑا اکیب سازِ عشق　　کہ واعظ نیا راگ گانے لگا

نہ پوچھ - اے بُتِ ناہوش - مرا حال فراق میں کیسا رہا
کہ عجب طرح سے مٹا ہوں میں نہ فنا ہوا نہ بقا رہا
مرا دعویٰ عشق ہی خام تھا - مرے جذبۂ دل میں قصور تھا
جو ملا تو تم سے نہ مل سکا - جو جُدا ہوا تو جُدا رہا
کبھی آتشِ شوق بھڑک اُٹھی - کہ تمام جسم سلگ گیا
کبھی دیدۂ تر سے مدد ملی کہ یہ آگ کا شعلہ دبا ہوا رہا

واں زلفیں سنواری گئیں - اُمڈی ہیں یہاں اشک | کس رُخ پہ برستی ہے گھٹا دیکھتے رہنا
یہ بھی کوئی انداز ہے - بیٹھے ہوئے پہروں | آئینہ میں آپ اپنی ادا دیکھتے رہنا
کچھ ایسی ہی بیباک ہوئی ہیں - وہ نگاہیں | پردہ سے بھی آتی ہے حیا دیکھتے رہنا
تم آؤ تو میخانہ میں اک لطف ہے واعظ | پینا نہ سہی - مردِ خدا دیکھتے رہنا
اک مایۂ صد نازِ نہال - آپ کا دل ہے | لے جائیگی وہ زلف دوتا - دیکھتے رہنا

شوخی تری رفتار کی - تجھسے بھی سوا مست | بیڈھب ترے انداز ہیں - اے طرز ادا مست
ساغر پہ پڑا عکس تو مے جوشش میں آئی | ہنسکر جو پیا جام - تو خمار ہوا مست
ہے اُترے ہوئے نشۂ الفت سے پریشان | فریاد ہے ساقی - کہ نہال اب نہ رہا مست

اے صبا - غیر کے گھر جانے کا دوں خاک ثبوت | تو تو نقشِ کفِ پا - جاکے مٹا بھی آئی
بال کھولے - سرہانے نہ کوئی آ بیٹھا | ہم نے مانا کہ طبیب آئے دوا بھی آئی
اب کہاں خانۂ دل میں مرے سامانِ نشاط | تیری الفت تو وہاں - آگ لگا بھی آئی

مشاطہ سے - اُس شوخ کا پوچھا تھا سراپا | ظالم نے بتایا - "دہن ایسا - کمر اتنی"
میں باہوشِ عزیزان بھی نہ ہوتا | اے وائے ہے! - اے شوخیٔ برق نظرانی!
تم شام سے آجاتے تو ہوتی نہ قیامت | تکلیف نہ دیتا - مجھے دردِ جگر اتنی
"یارب یہ اجابت نہ سہی - کچھ تو فزوں ہو | کاہیدگیٔ نالۂ شبا جز اثر - اتنی
[illegible]"

تنقید کتب

حُزن اختر

یہ مثنوی سُلطان عالم واجد علی شاہ جنت آرامگاہ کی یادگار ہے۔ اسمین وہ آنسو جمع ہین جو حالت اسیری مین اودھ کے آخری تاجدار کی آنکھون سے ٹپکے تھے، دائرۂ ادبیہ نے ان سچے موتیون کو رشتۂ اشاعت مین پروکر دوبارہ ملک کے سامنے پیش کیا ہے۔

پہلی مرتبہ یہ مثنوی سنہ۱۲۸۲ھ مین خود ظل اللہ جہان پناہ کے مطبع مٹیا برج مین چھپی تھی جہان گلزار اودھ کا یہ آخری پھول اپنی خزان اثر بہار کا تماشا دکھا رہا تھا، لیکن اب مدت سے اس کا کہین پتہ نہ تھا گویا اپنے مصنف کے ساتھ یہ بھی فنا ہو چکی تھی، خدا جانے مولانا محبوب علی نے کہان کہان کی خاک چھان کے اس گوہر گرانمایہ کو ڈھونڈھ نکالا، اور اُن آنسوؤن مین جو اس مثنوی کے ہر ہر شعر کے دامن مین اب تک پنہان ہین نئے سرے سے ایک تازہ روانی اور ایک نیا سوز و گداز بھر دیا، اودھ کے ڈوبتے ہوئے تارے کی جھلملاتی ہوئی کرنونکا نظارہ کرنا ہو تو حزن اختر کا مطالعہ کرو، اسمین مظلوم بادشاہ اودھ کی وہ جگر خراش فریادین وہ جگر سوز آہین پنہان ہین جو حالت اسیری مین اُسکے مُنھ سے نکلی تھین، وہ کبھی کبھی اپنی بیکسی پر اس حسرت سے آنسو بہاتا ہے کہ آج بھی اُسکے اشک غم کا تصور ہیرے کی کنی بنکر دل مین اُتر جاتا ہے) وہ زندان کے مصائب یاران آشناؤن کی بیوفائی، اپنی ناکردہ گناہی، اور قید فرنگ کی سختیان اس دردناک طریقہ سے بیان کرتا ہے کہ روح تڑپ جاتی ہے۔

حُزن اختر کے شروع مین مولانا شرر لکھنوی کا زبردست مقدمہ ہے جسکی شان ہماری تعریف سے بالاتر ہے، اسکے بعد سلطان عالم حضرت واجد علی شاہ اختر فرمانروائے اودھ کا توزک ہے

پھر مثنوی کا آغاز ہے، حمد و نعت و منقبت کے بعد ایک پردرد ساقی نامہ ہی، ساقی نامہ کیا ہی گویا رندی و بیکسی کا ایک عبرتناک مرقع ہے، چند اشعار ملاحظہ ہون،

پلا ساقیا وہ مئے سرخ رنگ — کہ ہو نشہ سے جس کے دل کو امنگ
کھچے تاک انگور سے شراب — جو سونگھے سے دے بوئے عطر گلاب
شراب مصفّا کا اک جام دے — ذرا دخت رز کو یہ پیغام دے
کہ ہے طالب وصل اک بادہ خوار — ہے جام محبت کا اُن کو خمار
اکیلا ہے زندان مین اک مے پرست — شب و روز ہے خوف روز الست
مہینون سے ہے طالب وصل یار — نہ زندان مین پہونچی نسیم بہار
نہ آتی ہے جان نہ نکلتا ہے دم — تجر ہو گئی رنج سے جسم نم
نہ تسکین کو ہے پر تو آفتاب — تماشے کو آتا ہے نہین ماہتاب
ہوا بھی جو آتی ہے تو سہمگین — نہ یار و نہ مونس نہ کوئی قرین
رفیقون نے چھوڑا اکیلا مجھے — سبھون نے کنوئین مین ڈھکیلا مجھے
عیال اور اطفال لوٹے گئے — جہان مین مرے لال لوٹے گئے
کوئی مضطرب ہے کوئی نالہ کش — کوئی پیٹتا ہے تو آتا ہے غش
بدن تار سطر سے مل مل گیا — کلیجہ مصیبت سے ہل ہل گیا
نہ کھانے کا اسباب ہو کچھ نصیب — نہ پانی کا ہے ذکر لب کے قریب

دراصل یہ مثنوی، واجد علی شاہ کے مصائب کی سچی تاریخ ہے، جو خود اُنھین کے خامۂ معنی آفرین کی ممنون نگارش ہے۔ یعنی جو جو واقعات انتزاع سلطنت سے لیکر، فورٹ ولیم کی قید، اور مٹیا برج کے قیام تک وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے، اُن سب کو خود اُس محروم سلطنت نے نظم کا جامہ پہنا کر حزن اختر مین جمع کر دیا ہے،

تمہید، کے سلسلے مین جو اشعار لکھے ہین، اُن کو پڑھکے اُنکی بیکسی کی تصویر آنکھون مین پھر جاتی ہے۔ فرماتے ہین،

وہ قصہ سنا جو سراسر ہو سچ — نہ اپنی طرف ہو نہ غیرون کی کج

وہ قصہ سنا جو گواہی رہے — فقیری میں بھی بادشاہی سہے
عجب وقت یہ داستان ہے لکھی — کہ تھا قید میں بخت یہ فتنی

قلم نہ سیاہی نہ کاغذ دوات — کہ نایاب ہو جیسے آب حیات
نہ قابو میں دل تھا نہ میرا دماغ — وہ کنج قفس یا نخانے کا باغ

، قید خانہ کے حالات اسطرح لکھتے ہیں ،

ہر انگلی کا عالم ہے جیسے قلم ، — دیا تار پھلا ہے ہے وہ پاہسم
یہ آنکھوں کا عالم ہے فوارے ہیں — دماغ و جگر رنج کے مارے ہیں
بھرے تھے جو بازو مرے گول گول — بکیں تو نہیں اب وہ کوڑی کے مول
صیتون ہوئے لگ گئے دونو پانون — نہ چلنے کی صورت نہ پھرنے کا داؤن
وہ گرمی کا رخ سامنے کی وہ دھوپ — اڑا لی ہے ناطاقتی رنگ و روپ

اگرچہ بلحاظ طوالت ہم نے صرف چند شعر انتخاب کیئے ہیں تاہم انہیں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ واجد علی شاہ کی بیکسی کا کیا عالم تھا ، آگے چلکر ، در صفت بیت الخلائے قید خانہ ، کے عنوان سے فرماتے ہیں

پھر اُس پر غضب چار سنڈاس ہیں — کہ مجبور دل جلا کے وہ سب پاس ہیں
طبیش یہ جو ہوتی ہے برسات کی — یہ گھٹن جو ہوتی ہے ہر رات کی
اُبھرتی ہے ہر عطر دان کی جو بو — کہ جیسے طرح مرچون کی ہو تند خو
سلگتا ہے اس سے دماغ ضعیف — ہوا جاتا ہے اور بھی دل ضعیف

ان اشعار کو پڑھیئے ، اور غور کیجیئے ، کہ وہ شخص جسکے لیئے دنیا کی ساری آسایشیں میسر ہون ، اس بیکسی کے ساتھ قید میں زندگی بسر کرے تو اُسکے دل کی کیا کیفیت ہوگی ، ایک مرتبہ لارڈ کیننگ نے خط لکھا تھا ، کہ آپ زندان کے سزاوار نہ تھے ، یہ سب مفسدون کی شرارت تھی ، آپ چند دن کے لئے تبدیل مقام فرمائیں ۔ تاکہ فتنہ و فساد کا دروازہ بند ہو جائے ، اسکے جواب میں واجد علی شاہ نے جو تحریر بھیجی تھی ، اُسمین لکھتے ہیں ،

قسم اپنے قرآن کی اے جناب — بہ قرآن بروح رسالت مآب
میں آگاہ اس شر سے ہرگز نہیں — یہ بہتان ہوا ہے کہیں کا کہیں

مجھے حکم ہو اپنے گھر مین رہون — جواب اطاعت جو دنیا سے دون
جہان مین رہونگا شناخوان ہون — مگر قید غم مین پریشان ہون

لارڈ کیننگ کے التفات خاص پر واجد علی شاہ کو یہ حوصلہ ہوا کہ اپنی رہائی کی درخواست کرین اور انکی یہ قاعدے بجانب بھی تھی لیکن انکی درخواست کا جو اثر ہوا اُسکو خود یون ظاہر فرماتے ہین،

نہ آیا اگر میرے خط کا جواب — نہ مجھسے کیا پھر کسی نے خطاب

قید خانے مین ایک بدمست گورے نے انکو بُرا بھلا کہا، اُسکے متعلق لکھتے ہین،

خصوص ایک شب آنکھ میری لگی — نہ تھی نیند تھی بلکہ وہ اک غشی
کہ اک صاحب آگرز بان پر یہ لائے — خداوند کلمے نہ وہ مجھ سے سنائے
جو کچھ جی مین آیا مجھے بک گئے — یہان تک بکے آخرش تھک گئے
کبھی کہتے تھے یہ ہی راجہ ہے داد — ارے مل کے اسکو کرو سب تباہ
مرے بابا اور میم مارے گئے — عزیز اس جگہ سے ہارے گئے
کرون ایسے راجہ کی گردن حلال — بکھیڑا ہی جائے مٹے یہ وبال

اس وقت کا تصور کرو جب ایک عظیم الشان بادشاہ کو ایک معمولی گورا سپاہی دو بدو بُرا بھلا کہہ رہا ہو، اور پھر وہ بیکس بادشاہ اتنا کہنے کا بھی اختیار نہ رکھتا ہو، کہ سامنے سے ہٹ جاؤ، اگرچہ اسی سلسلہ مین یہ بھی لکھا ہے، کہ مینے کرنیل سے شکایت کی اور اُنھون نے اُسے موقوف کر دیا لیکن اس سے اُس توہین کی تلافی نہین ہوسکتی۔

خاتمہ کتاب پر ایک مناجات ہے جسمین نہایت سوز وگداز کیساتھ پُر اثر لفظون مین خدا سے اپنی مخلصی کی التجا کی ہے۔

اگر اُس کلی کی پژمردگی دیکھنا ہو جو گلزار اودھ کی آخری بہار مین کھلی نسیم عیش کے جھونکون مین جھکی اور رنگینیون کے جھرمٹ مین مسکرائی، تو مثنوی حزن اختر کی سیر کرو۔

بلاشبہ حزن اختر کی اشاعت پر مولانا محبوب (ناظم دائرہ ادبیہ) کی ذات گرامی قابل رشک اور انکی سعی جمیل لائق تحسین ہے۔ خدا کرے وہ آیندہ بھی اس قسم کے جواہر ریزے

دنیائے ادب کے سامنے پیش کرتے ہین جو زمانہ کے ہاتھون خاک مین مل رہے ہین۔

یہ کتاب، چھوٹی تقطیع کے ۱۴۹ صفحہ پر شایع ہوئی ہے، شروع مین مولانا شرر لکھنوی کا مبسوط مقدمہ اور آخر مین، شکریہ کے عنوان سے مولانا محبوب کا قابل ضمیمہ شامل ہے کتابت و طباعت کی عمدگی کے علاوہ جلد نہایت خوشنما اور نظر فریب ہو، جسپر سنہرے حروف مین بخط جلی حزن اختر لکھا ہے۔

قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۸ر

"شایقین دائرۂ ادب محمود نگر لکھنؤ سے طلب فرمائین"

نگار

یہ ادبی صحیفہ ہر مہینہ کے تیسرے ہفتہ مین آگرہ سے شایع ہوتا ہے، حضرت نیاز فتحپوری اسکے مدیر ہین۔ اس مین، علمی، تاریخی، ادبی، ہر قسم کے مضامین بالالتزام شایع ہوتے رہتے ہین

جلد نگار کا تیسرا پردہ اُٹھ چکا ہے جسمین عروس ادب فردکش ہے، یعنی نگار کا تیسرا نمبر شایع ہو چکا ہے اور وہی اسوقت ہمارے پیش نظر ہے، اسمین نظم و نثر کے چھوٹے بڑے سترہ مضامین شایع ہوئے ہین جسمین سے دس جناب نیاز فتحپوری کے قلم سے نکلے ہین،

ملاحظات مین جناب نیاز نے اپنی ادبی فطرت کے خلاف اعلان کر دیا ہے کہ ٹیگور کے رنگ کا کوئی ایسا مضمون شایع نہین کیا جائیگا جسمین کچھ ندرت نہو، حالانکہ خود نیاز صاحب اس طرز تحریر کے دلدادہ ہین اور انکے اکثر مضامین اسکے شاہد ہین جو دوسرے رسالوں مین چھپتے رہتے ہیں۔ ہمایون کے کسی گزشتہ پرچہ مین آپ کی طرف سے چند سطرین بطور فٹ نوٹ شایع ہوئی تھین، جو اسی رنگ مین ڈوبی ہوئی تھین، ہان اُسمین ندرت ضرور تھی کیونکہ اُسکا ایک فقرہ غالباً یہ تھا، درآنحالیکہ اُسکی آنکھون سے عشق پرواز قہقہے چھلک رہے تھے، اگر ندرت اسی عشق پرواز قہقہے مین مخفی ہے تو کاش نگار اس ندرت سے ہمیشہ کے لیئے محروم رہتا،

ابتدا مین دو تاریخی مضامین ہین جنکی خوبی مین کلام نہین، لیکن لالۂ رخ کے عنوان سے جو ناتمام اور طویل افسانہ، بہ سلسلہ اشاعت ما سبق، شایع کیا گیا ہے، اسمین اردو ادب کے عجیب

غریب نمونے موجود ہین، صاحب مضمون ایک جگہ تحریر فرماتے ہین

" غریب لڑکی، اگر تو میرے پاس اسلیے بھیجی گئی ہے کہ اپنے حسن کی تابناکیون، اور اپنی موسیقی کی لطافت باریون سے میرے دلکو غیر مقدس خواہشات لبریز کر دے "

اسمین "تابناکیون، لطافت باریون اور غیر مقدس، کا استعمال اسقدر بیموقع اور غیر فصیح ہے کہ اُردو زبان اس ثقالت کی متحمل نہین ہوسکتی، اسی طرح رقیق رقص، موسیقی" سیال، کوثر نگاہ، جاذب سامعہ وغیرہ نہایت غیر فصیح بلکہ مہمل ترکیبین ہین، بہتر ہو کہ نیاز صاحب اس قسم کی ترکیبونکا کوئی لغت طیار کر دین" تاکہ ناظرین نگار کے لیے آسانی ہو جائے -

دوسرا افسانہ محبت کی دیوی، خاص نیاز صاحب کی تخیل کا ممنون ہے - اسمین شک نہین کہ بلحاظ عبارت آرائی یہ افسانہ بہت ہی دلکش ہے لیکن نری لفاظی ہی لفاظی ہے، قصہ صرف اتنا ہے کہ رادھا نے مندر مین کسی شخص کو دیکھا اُسنے رادھا کو شرافت و عزت کی دیوی سمجھ کر اسکی طرف کوئی حیا سوز التفات نہ کیا، رادھا اُسکے عشق مین چند دن تک گھلتی رہی، اور انجام کار ایکدن شب کے وقت مندر مین جاکر خودکشی کر لی، اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا، اسکے علاوہ سیاق عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رادھا حیا سوز التفات سے واقف تھی درآنحالیکہ اسکی معصومیت گھونگھٹ کے اندر بھی نگاہ کو پلکون سے باہر نہ نکلنے دیتی تھی، اخلاق کی بوقلمونی کسقدر خلاف عقل ہے

نیاز صاحب نے رادھا کی زبان سے بھاشا کے فقرے ادا کرنے کی کوشش ضرور کی ہے لیکن انہین کامیابی نہین ہوئی کیونکہ استھان دیر مٹیور کے ساتھ، الوہیت محسوس معبد سترائین نگاہ محبت فروز وغیرہ وغیرہ کا کوئی جوڑ نہین،

آلہتہ الجمال، سیم افشانیان، لمعانیت، تماشا سوز عد، یہ وہ ترکیبین ہین جو رئیس التحریر نگار کے سوا کوئی لکھ نہین سکتا، مل بیٹھنے کی تمنا بھی خاص زبان ہے اسی افسانہ کے نیچے "ل احمد صاحب کی طرف سے ایک عجیب وغریب تخیل پیش کی گئی ہے جسے پڑھکے حیرت کی کوئی انتہا نہین رہتی، خدا جانے اس معمے کا حل کیا ہے"

" فطرت کے مسرف ہونیکا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اُسنے ہر عورت کو علیحدہ علیحدہ زبان دی ہے -"

معلومات کی تحت میں کوئی خاص بات نہیں مشین گن، آہن پوش جہاز، ڈمڈم گولیاں، تارپیڈو وغیرہ فانی بارود وغیرہ وغیرہ، عام چیزیں ہیں، اگر آپ لکھیں تو اس قسم کی ہزاروں چیزیں کاغذ سیاہ کرنے کیلئے مل سکتی ہیں۔

یا ابن بجد کا صفحہ، خلوت خاص کا لطف رکھتا ہے، اصطلاحی زبان کو کون سمجھے نہ معلوم یاران نجد کا شیخ کون ہے؟

نظم کوئی بھی نہیں صرف غزلیں ہیں فانی صاحب کی غزل بہترین غزل ہے، سُہا صاحب کی، غزل بھی خوب ہے، لیکن مقطع میں ردیف کمزور ہوگئی ہے ؎ "کیا پیش و پیش ہے سُہا، بڑھکے گلے لگا بھی جا" "جا" کی جگہ "لے" ہو تو زیادہ مناسب ہے

باینہمہ نگار، اردو ادب کا قابل دید رسالہ ہے۔ کاغذ عمدہ کتابت و طباعت دیدہ زیب، ماہوار ۸۰ صفحے پر شائع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ پانچ روپیہ ۵ شش ماہی تین روپیہ ۳

شائقین ادب اس پتہ پر درخواست خریداری ارسال فرمائیں" دفتر نگار من ٹولہ آگرہ"

نقیب

بدایون کا یہ ادبی چاند ایک مرتبہ شیخوپور ضلع بدایون کے افق پر لوز سے طلوع ہوا ہے، وہی شان حسن، وہی ادب نوازی، وہی جلوہ نمائی، وہی سنجیدہ ظرافت، وہی سحر طرازی جو اسکی شعاعوں میں پہلے تھی اب بھی ہے۔ لیکن نقیب کے پہلے پرچہ میں اڈیٹر نقیب کی معذرت یا تمہید اشاعت پڑھکر قدردانان نقیب کے دل میں ابھی سے یہ خیال کانٹے کی طرح کھٹکتا ہو گا کہ معلوم نہیں کب سے خیابتہ الجنب کا زمانہ شروع ہو جائے۔ بہرحال ہماری دعا ہے کہ بارالٰہا نقیب کی عمر میں برکت دے اور اڈیٹر نقیب کو استقلال عطا فرما۔

شائقین ادب اگر متانت میں ظرافت اور ظرافت میں متانت کا جلوہ دیکھنا چاہتے ہیں تو رسالہ نقیب کا مطالعہ کریں اور دفتر رسالہ نقیب (شیخوپور) بدایون کے پتہ پر درخواست خریداری ارسال فرمائیں"

"اعظمی"

ایک دکھے ہوئے دل کی فریاد

عید کا چاند دیکھکر

خیر ہو اے خدا کہ آج ہوک سی اٹھ رہی ہے پھر
دل کی تڑپ بڑھی ہوئی پھر سوز جگر وہی ہے پھر

چین نہیں کسی طرح بدلی ہیں کروٹیں ہزار
آنکھ سے نیند اڑ گئی دل سے چلا گیا قرار

جب نہ ملے سکون قرار ہائے تو پھر میں کیا کروں
دل پہ نہ ہو جو اختیار ہائے تو پھر میں کیا کروں

سوتے ہیں لوگ چین سے بستی ہوئی اجاڑ سی
آہ یہ رات کاٹنا مجھ کو ابھی پہاڑ سی

ہائے وہ ٹیس پھر اٹھی پھر ہوئی مجھ کو بیکلی
درد کے ساتھ یا خدا جان بدن سے نکل چلی

ضبط کی تاب اب نہیں آنکھ سے اشک ہیں رواں
کوئی کہے تو کیا کہے جب ہوں یہ بیقراریاں

خون میں مل کے دل بھی آہ اشک کے ساتھ بہہ گیا
سینہ میں ایک ہائے دل ہمدردی درد رہ گیا

سینہ میں دل نہیں تو پھر ہائے یہ درد کس میں ہے
دل کی جگہ ہے اور کون؟ درد کی ٹیس جس میں ہے

آج تو آنسوؤں کے ساتھ خون بھی ہے ملا ہوا
ہائے مجھے یہ کیا ہوا؟ غم نہ ہوا بلا ہوا

رات مری گزار دے دل کو ذرا قرار دے
دونوں نہ ہوں تو یا خدا موت پہ اختیار دے

مجھ پہ گزر رہی ہے جو کس کو بتاؤں اور کیا
تجھ سے دل تو آج خود بن کے زبان بول اٹھا

یاد ہیں دن کہ جب مجھے رنج نہ تھا الم نہ تھا
عیش کی زندگی تھی اور جان پہ کچھ ستم نہ تھا

میرے لیے بلائے جان دہر کی خواہشیں نہ تھیں
درد کی کاوشیں نہ تھیں فکر کی کاہشیں نہ تھیں

کوئی بھی دکھ نہ تھا اگر ہو تو مجھے خبر نہ تھی
جیسی ہے آج خستگی ایسی تو عمر بھر نہ تھی

سینہ میں دل بھی تھا مگر دل پہ یہ بار غم نہ تھا
داغ بہار دل نہ تھا سینہ فگار زخم نہ تھا

ہائے یہ کس سے لڑ گئی اپنی نظر کو کیا کہوں
پھانس سی دل میں گڑ گئی اس کی نظر کو کیا کہوں

آنکھ سے جب گئی نظر پھر وہ پلٹ کے آئے کیوں
آئی تو خیر آ گئی درد کو ساتھ لائے کیوں

چاند کو دیکھنے گئی، درد کو لینے آئی ہے
ہائے یہ عید اور بھی مجھپہ عذاب لائی ہے

آگئی عید آگئی، سارا زمانہ شاد ہے
ہو مگر اسکو کیا خوشی آہ جو نامراد ہے

میرے بھی دل مین آئے یہ، ایسی خوشی کو کیا غرض
مجھسے گلے ملے کوئی، ایسی کسی کو کیا غرض

رشک نہین حسد نہین، مجھکو کسی کے عیش پر
مین بھی ہون خوش یہ آرزو لیتی ہے چٹکیان مگر

ہان کوئی یاد آگیا، دیکھکے عید کا سمان
دل مین اُٹھا ہے درد سا، آنکھ نے اشک مین دلن

تل گئے خون رونے پر جیب ہے دیدۂ ہائے تر
کچھ مجھے یاد آگیا رہ گیا دل کو تھام کر

آہ کبھی مری بھی عید آئی تھی مجھکو یاد ہے
میرے لیے بہار عیش، لائی تھی مجھکو یاد ہے

عید تو آئی ہے مگر عیش کہان سے لاؤن مین
عید تھی جنکے دم سے آہ، انکو کہان سے پاؤن مین

عید وہ کیا کہ عیش کی، کوئی امید ہی نہین
جسمین نہو کوئی خوشی، عید وہ عید ہی نہین

پاس ہو جب شریک غم دکھ بھی کوئی الم نہین
اور نہو انیس تو، عیش بھی غم سے کم نہین

سید محمود اعظم فہمی ترمذی

ایک انگریز ایک مسلم سے مخاطب یون ہوا
ہے عقیدہ مسلمون کا جیسا کہ حضرت سنا

جسنے یہ سمجھا کہ بندگی زیست کا مقصود ہے
شک نہین اسمین ذرا وہ دکھنہ دوزخ نپا

عمر بھر جس شخص کا شیوہ رہا کار ثواب
داخل جنت ہو لاریب وہ مرد خدا

مین نے مانا کافر و بدکیش میری قوم ہے
اور اسمین نیک لوگون کا نہین لگتا پتا

ہاتھ دل پر ہان مگر رکھکر یہ فرمائین جناب
کیا نہین ہے ہم مین کوئی متقی و پارسا

قوم بھر مین ایک بھی گر آپ کے نزدیک ہو
قابل بخشش کہ جنت جسکو ہو جائے عطا

قوم کی کشتی کا بیڑا تو غم نہین مطلق مجھے
ساحل مقصود پر لے جائیگا یہ ناخدا

لطف جنت چھوڑ کر پڑ جائیگا اس فکر مین
گلشن رضوان پہ کیونکر ہوگا قبضہ قوم کا

قوم ساری جب پہونچ جائیگی جنت مین جناب
چین سے بیٹھے گا تب جا کر فدائی قوم کا

دیکھ غافل! اتحاد قوم اس کا نام ہے
کھول آنکھین اعتماد قوم اس کا نام ہے

سرِّ بقا

(بجواب سرِّ فنا)

اُٹھاؤں مفت میں کیوں نازِ اضطراب کا رنج
ابھی تو عیشِ تمنّا کا ہے مزا باقی

ابھی تو قلب میں طوفانِ آرزو ہے بند
ابھی ہے عہدِ تجلّا کا آسرا باقی

دبا رہا ہے مجھے یہ شکوۂ فطرت کیوں؟
ابھی ہے مجھ میں ابھرنے کا حوصلا باقی

سکونِ مضطرب اک ہے اگر نہیں کچھ بھی
ابھی ہے ولولۂ آہِ نارسا باقی

نہ شکوہ ہے مجھے، مجبوریِ نگاہ کا اب
نہ اب ہے جلوۂ مغرور کا گلا باقی

نہ اب شکایتِ رنجِ گراں ہے مرے لب پر
نہ اب حکایتِ صبرِ گریز پا باقی

نہ اب ہے قلب میں احساسِ مدعا کی خلش
نہ اب ہے روح میں بیتابیِٔ دعا باقی

نہ اب حواس پہ طاری ہے مرے ہراس و یاس
کہ عقل کا نہیں سرمایہ اب ذرا باقی

یہی تو عینِ حقیقت ہے، مٹ گئے کل نقش
"خیال میں نہ رہا رنگِ ماسوا باقی"

مجال کیا ہے تصور جو غیر کا آجائے
کہ میرے دل میں ہے سرمستیِ انا باقی

بنے نہ ہوشِ نظارہ، کہیں سرابِ نگاہ
ابھی مجاز سے ہے، اُسکا سلسلا باقی

نگاہ خیز ہے، ہر ذرۂ بدن میرا
نہیں ہے آنکھ کی اب جستجو ذرا باقی

کمالِ اوج یہ اُس حسنِ بے نیاز میں ہے
جمالِ شوخی و رنگینیِ ادا باقی

جو خون ہوتا ہے ہو دل، عشق میں تو ہونے دو
ابھی نکھرنے کو ہے رنگِ ارتقا باقی

کچھ اس طرح سے بدل جائے ماہیت میری
بیان ہو نہ سکے، کوئی کیفیت میری

گزر نہیں ہے وہاں گرچہ لفظ و معنی کا
مگر ہے قلب میں اک بے جہت صدا باقی

مثالِ بحر مجھے بے کنار ہوتا ہے
ابھی نمود کی اپنے ہے انتہا باقی

نہیں ہے کچھ نہ سہی، وقفِ سوز و ساز تو ہوں
ہزار شکر کہ آگاہِ امتیاز تو ہوں

سعید انصاری

لطفِ سخن

حضرت صفدر مرزاپوری

جگر کے زخم کی کیا فکر چارہ جو کرتے — تمہیں نے چاک کیا ہے تمہیں رفو کرتے
چمن میں آپ کے کیا گل نے گفتگو کرتے — یہ منہ گلوں کا جو دعوائے رنگ و بو کرتے
ہمارے آئینۂ دل سے کوئی بحث نہ تھی — تم اپنے مد مقابل سے گفتگو کرتے
یہ لفظ ہے وہ معما کہ حل نہ ہو سکتا — تمام عمر اگر شرح آرزو کرتے
قیامت آئے نہ کیوں قبر پر سبو بردوش — ازل کے مست اُٹھے ہیں سبو سبو کرتے
تلاش یار میں مجھ سے بھی دو قدم آگے — نکل گئے ہیں مرے اشک جستجو کرتے
گرے ہوئے تھے ہماری ہی آنکھ سے صفدر — ان آنسوؤں کی وہ کیا خاک آبرو کرتے

جناب محشر لکھنوی

عشق نے جب غم کونین سے آزاد کیا — میں نے جی کھول کے ہر وقت تجھے یاد کیا
نزع میں یوں نہیں علاج دل ناشاد کیا — ایک ایک ہچکی پہ کیا کیا نہ اُنھیں یاد کیا
عشق دشمن سے بھی اپنی نہیں کرتا وہ سلوک — تو نے یوسف سے جو اے حسن خدا داد کیا
لذت ظلم نے جذبات کے یوں کھوئے حواس — رُخ نشیمن کا سوئے خانۂ صیاد کیا
سامنے آنکھوں کے ہے منزل مقصد کا سواد — کوچۂ دوست سے قصد عدم آباد کیا
مل کے یکساں ہوئی لبیک صدائے فریاد — اسطرح اہل محبت نے تمہیں یاد کیا
عمر اک اپنا بنا لینگے خدائی سے الگ — اب کسی نے جو کبھی شکوۂ فریاد کیا
نظر آنے لگی تصویر طلسم غفلت — ہنس پڑا کھوئی ہوئی عمر کو جب یاد کیا
اونکی اس یاد پہ بھی دل ہے فدا اے محشر — ہم بلانے لگے جب ظلم نیا ایجاد کیا

مولانا محوی لکھنوی

قفس کو حسنِ ظن سے ہم نے گلشن عمر بھر جانا
نکلنا ورنہ مشکل تھا، تو کیا مشکل تھا مر جانا

وہ دل جس نے تجھے جانِ تمنا عمر بھر جانا
اُسی کی ایک گستاخی یہ اتنا روٹھ کر جانا

تجھے بھی کچھ خبر ہے او مئے عشرت کے متوالے
کہ کیا ہے اک جوان بے گنہ کا خون کر جانا

خدا کا رحم اُس بیمارِ غم "مایوسِ ارمان" پر
مرض کو جس نے درمان اور اجل کو چارہ گر جانا

نہیں دیوانگی اُس بے نیازِ عقل و حکمت کی
کہ تیری رہگذر کو جس نے ظالم اپنا گھر جانا

نگاہِ مست ساقی کیا بتا دے ان اہلِ محفل نے
تجھے کیوں فتنہ زا سمجھا، مجھے کیوں فتنہ گر جانا

مرے مرنے کے بعد اللہ یہ کیا ہو گیا تم کو
جہاں ٹوٹی سی تربت دیکھنا دم بھر ٹھہر جانا

تمہیں کچھ اپنی جانب دل کی بھی پروا نہیں محوی
کسی کی جلوہ گاہ ناز میں اور یوں نڈر جانا

جناب جگر مرادآبادی

آدمی نشۂ غفلت میں بھلا دیتا ہے
ورنہ جو سانس ہے تعلیم فنا دیتا ہے

روح پر جو بھی گزرتی ہو تصور میں ترے
یہ تو ظاہر ہے کہ رگ رگ کو ہلا دیتا ہے

بادۂ ناب عجب چیز ہے ساقی لیکن
اور ہی کچھ ترے ہاتھوں سے مزا دیتا ہے

جھلملاتے ہوئے تاروں کا یہ اللہ رے اثر
سامنے سے کوئی پردہ سا ہٹا دیتا ہے

کیوں تڑپتا دل مضطر کا نہ مجھ کو عزیز
کہ ترے دردِ محبت کا پتا دیتا ہے

تجھ سے میں دور کسی وقت نہیں ہوں غافل
دل میں بیٹھا ہوا کوئی یہ صدا دیتا ہے

تجھ سے وحشی ترے غافل نہیں ہونے پاتے
روز آ کر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے

ہائے کیا چیز گلِ داغِ محبت ہے جگر
خشک ہونے پہ بھی جو بوئے وفا دیتا ہے

از سید محمد ہادی مچھلی شہری بی اے

بوجھ سینے کا دم نزع بھی ہلکا نہ ہوا
آہ کا تنگ مرے دلکو گوارا نہ ہوا

دلکی آنکھوں سے ہمیشہ اونہیں دیکھا میں نے
کبھی رسوا مرا انداز تماشا نہ ہوا

آپکے وعدۂ فردا کا نتیجہ کیا ہے
دل محروم تمنا تو شکیبا نہ ہوا

عمر بھر کشمکش بیم ورجا میں رکھا
فیصلہ تیری نگاہوں سے ہمارا نہ ہوا

کیجئے ترکِ تعلق کی شکایت کس سے
مدعا خود ہی شریک دل شیدا نہ ہوا

ضبط کیوں حائل اظہار مصیبت ہوتا
یہی حسرت ہے کہ میں درد سراپا نہ ہوا

اللہ اللہ تری برق نظر کی تاثیر
جب سے اب تک دلِ بیتاب شکیبا نہ ہوا

کیا قیامت ہے محبت کی بھی ایذا طلبی
زخم جو دل کو لگا پھر کبھی اچھا نہ ہوا

چھوڑ بیٹھے مجھے تقدیر پہ آخر ہادی
چارہ سازوں سے علاجِ غم بیدا نہ ہوا

حضرت احسن سمبھلی ناظم حلقہ ادبیہ کانپور

کبھی ہنگامہ آرائے جہاں تھی داستاں میری
مگر اب سانس بنکر لب تک آتی ہے فغاں میری

یہ مانا ہیے رسوائے زمانہ ہے فغاں میری
ذرا پوچھو تو تم اپنی نظر سے داستاں میری

چلی ہے کیا خیال دیتے اثر لیکر فغاں میری
انھیں شاید پسند آئے نہ آئے داستاں میری

وہ مایوسی کا عالم وہ چمن سے آخری رخصت
نگاہیں رکتیں اُٹھ اُٹھ کے سوئے آشیاں میری

خدا معلوم ہیں کس رنگ میں دلکی تمنائیں
کہ آئی خوں میں ڈوبی ہوئی لب تک فغاں میری

برنگ بوئے گل پھیلی ہوئی ہے میری رسوائی
صبا گویا لیے پھرتی ہے ہر سو داستاں میری

سر محفل ہوا راز محبت بیحجاب آخر
کہیں پردے میں رہتی ہے نظر اُنکی فغاں میری

غنیمت ہے اور اسی بھی شب غم کی غنیمت ہے
کہا کرتی ہے ساری رات مجھسے داستاں میری

وہ گھبرائی ہوئی صورت وہ شرمائی ہوئی آنکھیں
نہ جانے اُنسے کیا کہہ آئی ہے جاکر فغاں میری

بہار آئی ہے میری خانہ بربادی کے ساماں میں
جھکی پڑتی ہے بار گل سے شاخ آشیاں میری

اِنھیں آنسو نہ سمجھو نالۂ خاموش ہیں احسن
ہوئی ہے آشنائے رازِ خاموشی فغاں میری

جملہ حقوق محفوظ ہیں

رجسٹرڈ نمبر ا ے ۲۱۲

زمانہ

مرتبہ دیا نرائن نگم بی اے

نمبر ۱	جولائی ۱۹۲۲ء	جلد ۳۹

فہرست مضامین

تصویر ۔ انتظار (رنگین)

زمانہ پریس کانپور سے شائع ہوا

سندری سہاگ یا ساہیت خوشبودار اور مفید تیل

[illegible]



[illegible] جاتا ہے سندری سہاگ کے استعمال سے بالوں کی جڑیں [illegible] سندری سہاگ کے استعمال سے [illegible] سندری سہاگ کا رنگ نہایت خوش رنگ ہے [illegible] سندری سہاگ کے استعمال سے بالوں کے [illegible] سندری سہاگ کی خوشبو [illegible]

[illegible] سندری سہاگ کے استعمال سے [illegible] سندری سہاگ کے استعمال سے بالوں کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں [illegible]

[illegible] قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔ تین شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے۔ محصول علاوہ۔

تازہ دو شہادتیں ملاحظہ فرمایئے

ہر ہائینس حضور عالیہ نواب بیگم صاحبہ دام اقبالہا و ملکہا و سلطنتہا

[illegible]

زمانہ

جلد ۳۹ — جولائی سنہ ۱۹۲۲ء — نمبر ۱

گلشن راز

تصنیف شیخ نجم الدین محمود شبستری

نوشتہ حکیم سید شمس اللہ قادری - ایم - آر - اے - ایس - ایف - آر - ایچ - ایس

آذربائجان میں تبریز کے قریب سات فرسخ کے فاصلہ پر شبستر نام ایک قصبہ آباد ہے، شیخ محمود یہاں کے رہنے والے تھے، ان کے والد کا نام عبدالکریم بن یحیٰی تھا، اور وہ ذی علم و صاحب تقوی بزرگ تھے، والہ داغستانی کا بیان ہے کہ ان کو کمال اسمٰعیل اصفہانی سے قرابت تھی

تاریخ و تراجم کی کتابوں میں شیخ محمود کا لقب سعدالدین تحریر ہے، لیکن مولانا شمس الدین محمد لاہجی نے اپنی کتاب گلشن راز میں نجم الدین لکھا ہے، قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین میں اسی آخرالذکر قول کی تبعیت کی ہے،

گسٹا ؤ فلو گل کی تحقیقات کے موافق ہلاکو خاں (۶۵۴ھ تا ۶۶۳ھ) کے عہد حکومت میں شیخ محمود کی ولادت ہوئی ہے اور سن تمیز کو پہونچنے کے بعد تبریز میں آکر انہوں نے علم حاصل کیا ہے،

شیخ محمود کو ابتدائے عمر سے تصوف کے ساتھ دلبستگی تھی، اس زمانہ میں شیخ امین الدین ایک مشہور بزرگ تبریز میں رہتے تھے۔ شیخ محمود نے تبریز میں آنے کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں رہکر فیض حاصل کرتے رہے

۷۲۰ھ میں جبکہ آل چنگیز کے اخیر فرمانروا سلطان ابوسعید (۷۱۶ھ تا ۷۳۶ھ) کی حکومت تھی، شیخ محمود نے انتقال کیا، اپنے وطن شبستر میں مدفون ہوئے، ان کا مزار مدت تک زیارت گاہ خاص و عام تھا،

گلشن راز کے علاوہ شیخ محمود کی اور بھی تصنیفات ہیں جنکی تفصیل یہ ہے، رسالہ شاہد، سعادت نامہ، حق الیقین، بعض

تذکروں سے ثابت ہوتا ہے شیخ محمود نے مثنویات کے علاوہ غزلیات و رباعیات بھی لکھی تھیں، لیکن وہ اس وقت ناپید ہیں۔ مجالس العشاق اور ہفت اقلیم میں چند رباعیاں تحریر ہیں جنکو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں ؎

جز آتش عشق در دلم سوز مباد | جز عارض او شمع شب افروز مباد
روزے کہ دلم شاد نباشد بغمش | در گردش ایام من آں روز مباد

در دیر مغاں صراحی و جام نماند | ز آغاز اثر و نشاں ز انجام نماند
کو پیر مغاں و زاہد گوشہ نشیں | کز مسجد و میخانہ بجز نام نماند

رسالہ شاہد کا ذکر مجالس العشاق میں آیا ہے، لیکن اسوقت ناپید ہے۔

سعادت نامہ منظوم ہے۔ اور گلشن راز کے بعد لکھا گیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کا ایک نفیس نسخہ انگلستان کے دار النوادر میں محفوظ ہے۔ جسکی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے ؎

حمد فضل خدائے عز و جل
ہست بر بندہ واجب از اول

حق الیقین فی معرفت رب العلمین تصوف میں چھوٹا سا رسالہ ہے، صوفیائے کرام اُسے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، شیخ نے اسمیں عرفان و حقایق کے اسرار و رموز بیان کئے ہیں، حاجی خلیفہ نے اس کا بھی ذکر کیا ہے، ذوالفقار اردستانی نے اپنی کتاب دبستان مذاہب میں عقائد صوفیہ کو بیان کرتے ہوئے وحدانیت اور صفات باری تعالیٰ کے مضامین اسی سے اقتباس کئے ہیں، یہ رسالہ کمیاب ہے۔ حیدر آباد کے کتب خانہ آصفیہ میں اسکا ایک نسخہ فن تصوف میں نمبر ۴۳۴ پر موجود ہے جو ہماری نظر سے گذرا ہے، اس کے مضامین آٹھ ابواب پر منقسم ہیں جن کی تفصیل یہ ہے :-

باب اول ۔ در ظہور ذات حق تعالیٰ و بیان مقام معرفت،
باب دوم ۔ در ظہور صفات حق تعالیٰ و بیان مقام علم،
باب سوم ۔ در مظاہر تنزلات و مراتب آں،
باب چہارم ۔ در حقیقت وحدت و وجوب او،
باب پنجم ۔ در ممکن الوجود و کثرت او،

باب ششم ۔ در تعین حرکت و تجدد ذات،

باب ہفتم ۔ در حکمت تکلیف و بیان جبر و قدر،

باب ہشتم ۔ در معاد و بیان حشر و نشر و حقیقت فنا و بقا،

ڈاکٹر ایتھے نے مراۃ المحققین کو بھی جو تصوف کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، شیخ محمود کی تصنیفات میں شمار کیا ہے لیکن حقیقت میں یہ رسالہ شیخ کی تصنیف سے نہیں ہے، اسکے مصنف کا اگرچہ نام معلوم نہیں ہے لیکن مولانا اعجاز حسین لکھنوی نے کشف الحجب والاستار میں بصراحت بیان کیا ہے کہ اسکو کسی شیعہ عالم نے تصنیف کیا ہے، اور دسویں صدی کے اوایل میں ہندوستان میں اسکی تصنیف عمل میں آئی ہے،

گلشن راز شیخ محمود کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مشہور اور مقبول عام کتاب ہے، یہ کتاب ۷۱۷ھ میں تصنیف ہوئی ہے، اسکی تصنیف کا سبب یہ ہے کہ خراسان کے مشہور و معروف امیر سید حسینی نے سترہ سوال لکھے اور انہیں تبریز میں روانہ کیا، یہ سوالات عرفان کے اسرار و رموز کے متعلق تھے، اور انمیں مسئلہ وحدت الوجود کے حل و عقد کی خواہش کی گئی تھی، نامہ بر نے جب ان سوالات کو بزرگان تبریز کے یہاں پیش کیا تو سبھوں نے ایک مجلس منعقد کی اور ہمزبان ہو کر شیخ محمود سے ان کا جواب لکھنے کی خواہش کی، شیخ محمود کے پیر شیخ امین الدین تبریزی بھی موجود تھے انہوں نے بھی سب کے ساتھ اتفاق کیا، الحاصل مولانا نے جواب لکھنا شروع کیا، سوالات منظوم تھے اسلئے جوابات بھی نظم میں لکھے، اور جب یہ رسالہ ختم ہوا تو اس کا نام گلشن راز رکھا، چنانچہ ان تمام واقعات کو خود شیخ نے اس طرح بیان کیا ہے،

گذشتہ ہفت دہ از ہفت صد سال ز ہجرت ناگہاں در شہر شوال
رسولے با ہزاراں لطف و احسال رسید از خدمت اہل خراساں
بزرگے کاندر آنجا بود مشہور در اقسام ہنر چوں چشمۂ نور
جہان و جان و تن را نور عینی امام سالکاں سید حسینی
ہمہ اہل خراساں از کہ و مہ بگفتہ کاندریں عصر از ہمہ بہ
نوشتہ نامۂ در باب معنی فرستادہ بر ارباب معنی
رسول آں نامہ را برخواند ناگاہ فتاد احوال او حالے در افواہ
در آں مجلس عزیزاں جملہ حاضر بر ایں مسکیں ہمہ گشتند ناظر
یکے کاو بود مرد کار دیدہ ز ما صد بار ایں معنی شنیدہ

مرا گفتا جوابے گوی در دم | کز آنجا نفع گیرند اہل عالم
بدو گفتم چہ حاجت کیں مسائل | نوشتم بارہا اندر رسائل
بلے گفتا ولے بر وفق مسؤل | تو ز منظوم می داریم مامول
پس از الحاح ایشان کردم آغاز | جواب نامہ در لفظ ایجاز
از آن گلشن گرفتم شمۂ باز | نہادم نام او را گلشن راز

جس زمانہ میں گلشن راز لکھی گئی ہے قریب قریب اسی زمانہ میں تصوف و سلوک کے متعلق چند اور مثنویاں بھی لکھی گئی ہیں، مثلاً اوحدی کرمانی کی مصباح الارواح، اوحدی مراغی کی جام جم، امیر حسین سادات کی کنز الرموز وغیرہ لیکن بخلاف ان کے گلشن راز کو سب سے زیادہ قبول عام حاصل ہوا اور بڑے بڑے مشاہیر علما مثلاً شاہ تاج الدین رداعی، قاضی میر حسین یزدی، حاجی ابراہیم سبزواری، اور شیخ محمد نوربخشی وغیرہ نے اسپر شرح و حواشی لکھے انمیں شیخ محمد کی شرح سب سے زیادہ مشہور و مستند سمجھی جاتی ہے،

شیخ محمد کا نام شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ بن علی اللاہجی النوربخشی ہے، علاقہ گیلان میں بمقام لاہجان پیدا ہوے سید العارفین سید محمد نوربخش کے اعظم خلفا سے تھے اور اپنے مرشد کے ساتھ رے میں رہا کرتے تھے، ۸۶۹ھ میں جب اون کا انتقال ہوگیا تو وہاں سے شیراز میں چلے آئے اور یہاں اپنی سکونت کے لئے عظیم الشان خانقاہ تعمیر کرائی، جو اسوقت تک موجود اور خانقاہ نوریہ کے نام سے مشہور ہے ۹۱۱ھ میں شیخ محمد لاہجی کا انتقال ہوا، اور اسی خانقاہ میں مدفون ہوے۔ ارباب تذکرہ نے شیخ محمد کو فارس کے مشاہیر شعرا میں شمار کیا ہے، اسیری انکا تخلص تھا، دیوان متداول ہے، اس کے علاوہ شیخ محمد نے ایک ضخیم مثنوی بحر رمل میں نظم کی ہے، جس کا نام اسرار الشہود ہے، اور اسمیں مسئلہ وحدت الوجود کے اسرار و نکات بیان کئے ہیں،

گلشن راز کی شرح شیخ محمد نے ۸۷۷ھ کے اخیر ایام میں لکھی ہے، اس کا نام مفاتیح الاعجاز ہے، اسمیں تصوف کے دقیق مسائل کمال تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ قاضی نوراللہ شوستری کا بیان ہے کہ شیخ محمد نے جب یہ شرح ختم کی تو اسے دیکھنے کے لئے مولانا عبدالرحمٰن جامی کے پاس ہرات میں روانہ کیا مولانا جامی نے کتاب دیکھنے کے بعد شیخ محمد کو جو خط لکھا اُسکے عنوان پر مندرجہ ذیل رباعی تحریر کی

اے فقر تو نوربخش ارباب نیاز | خرم ز بہار خاطرت گلشن راز
یک رہ نظرے بر مس تسلیم انداز | شاید کہ برم رہ حقیقت ز مجاز

اہل یورپ کو گلشن راز کے نام سے آشنا ہوئے کم و بیش چار سو سال گذرے ہیں، یورپ کے مصنف ڈاکٹر برنیر نے جس نے شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں ہندوستان کی سیاحت کی تھی، گلشن راز کا سب سے پہلے ذکر کیا ہے، اس کے بعد مذہب و فلسفہ کی متعدد تصنیفات میں اس کا ذکر آیا ہے جس کی تفصیل ڈاکٹر فلوگل کے مضامین میں تحریر ہے۔

انیسویں صدی کے اوائل میں ہامر پرگسال نے اس کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا، جو ۱۸۳۸ء میں چھپکر شائع ہوا ہے، اس کے بیالیس سال بعد وین فیلڈ نے انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور اصل فارسی متن کے ساتھ ۱۸۸۰ء میں بمقام لندن اسے چھپواکر شائع کیا۔

ضمیمہ۔ امیر سید حسین سادات

امیر سید حسینی قرن ہفتم کے مشاہیر صوفیا سے ہیں، ان کا پورا نام امیر رکن الدین حسین بن عالم بن ابی الحسن الحسینی ہے ولایت طخارستان ان کا وطن تھا، غور کے قریب ایک قریہ میں جس کا نام گریو ہے پیدا ہوئے، کسی تذکرہ نویس نے ان کا سن ولادت نہیں لکھا ہے، لیکن خود ان کی ایک تصنیف نزہۃ الارواح سے ثابت ہوتا ہے کہ ۶۷۱ھ میں انکی ولادت ہوئی ہے، کیونکہ کتاب مذکور کی اخیر فصل میں تحریر ہے کہ وہ ۷۱۱ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور اس وقت امیر سید حسینی کی عمر چالیس سال کی تھی،

حکیم محمد قاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ امیر سید حسین سلطان العارفین شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے، اور اکثر تذکرہ نویسوں نے اسی روایت پر اتفاق کیا ہے، لیکن حقیقت میں یہ واقعہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ امیر سید حسین کی ولادت سے پانچ یا چھ سال پہلے ۶۶۵ھ یا ۶۶۶ھ میں شیخ بہاء الدین زکریا نے انتقال فرمایا ہے (آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۲۲۰ تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۶۰۶) مولانا جامی اور ان کی اتباع میں غیاث الدین خوندمیر نے لکھا ہے کہ امیر سید حسین شیخ رکن الدین ابو الفتح (المتوفی ۷۳۵ھ) بن شیخ صدر الدین محمد (المتوفی ۶۸۴ھ) بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے، یہ روایت قرین قیاس ہے کیونکہ شیخ رکن الدین اور امیر سید حسین دونوں معاصر ہیں،

۱ؔ آتشکدہ۔ لطف علی آذر بمبئی ۱۲۹۹ھ صفحہ ۳۷ آثار عجم۔ مرزا فرصت شیرازی بمبئی ۱۳۱۴ھ صفحہ ۲۰۲۔ تذکرہ حسینی میر حسین علی سنبھلی لکھنؤ ۱۲۹۲ھ صفحہ ۲۰۵۔ دبستان مذاہب۔ ذوالفقار اردستانی لکھنؤ ۱۲۹۹ء صفحہ ۲۰۰۔ ریاض الشعراء والہ داغستانی کشف الحجب والاستار۔ سید اعجاز حسین لکھنوی کلکتہ صفحہ ۱۰۰۔ کشف الظنون۔ حاجی خلیفہ لیڈن۔ جلد ۳ صفحہ ۶۹ و ۵۹۰ و جلد ۵ صفحہ ۲۲۳۔ مجالس العشاق۔ سلطان حسین بایقرا لکھنؤ صفحہ ۱۳۰۔ مجالس المومنین۔ قاضی نور اللہ شوستری طہران صفحہ ۳۱۰۔ مفاتیح الاعجاز۔ شیخ محمد لاہیجی بمبئی صفحہ ۲۴۱۔ نتائج الافکار۔ قدرت اللہ خاں گوپاموی، مدراس صفحہ ۳۱۳۔ نفحات الانس۔ مولانا جامی بمبئی صفحہ ۳۴۹۔ ہفت اقلیم امین احمد رازی

امیر سید حسین سن تمیز کو پہونچنے کے بعد ملتان میں آکر شیخ رکن الدین کے مرید ہوئے اور یہاں ایک عرصہ مقیم رہنے کے بعد پیر کے ایما سے خراسان چلے گئے، اس زمانہ میں ہرات خراسان بلکہ وسط ایشیا کا مرکز اور علم و فن کا معدن تھا، امیر سید حسین نے یہاں آکر سکونت اختیار کی، اور اسی جگہ انتقال فرمایا، شہر کے مصرخ نام ایک محلہ ہے، وہاں سید السادات عبداللہ بن جعفر طیار کی گنبد کے باہر انکی لاش مدفون کی گئی۔ ارباب تذکرہ نے سنہ وفات میں کسی قدر اختلاف کیا ہے، خوندمیر نے ۱۶۔ شوال ۷۱۸ھ لکھا ہے، نفحات الانس اور تاریخ فرشتہ میں ۶۔ شوال ۷۱۸ھ تحریر ہے۔ دولت شاہ سمرقندی نے ۷۱۹ھ بیان کیا ہے، زمانہ حال کے ایک بلند پایہ مصنف صنیع الدولہ حکیم محمد حسن خاں نے اپنی کتاب منتظم ناصری میں دولت شاہ کی اتباع کی ہے،

مولانا جامی اور دولت شاہ نے امیر سید حسین کی حسب ذیل تصنیفات کے نام لکھے، کنز الرموز، زاد المسافرین، طرب المجالس، نزہۃ الارواح، روح الارواح، صراط المستقیم۔ ان میں روح الارواح، طرب المجالس اور صراط المستقیم ناپید ہیں، باقی کتابیں چھپ گئی ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں[51]،

حکیم سید شمس اللہ قادری

(بقیہ حاشیہ صفحہ) اشپرنگر۔ فہرست کتب خانہ شاہ اودھ۔ صفحہ ۴۷۷۔ ایتھے۔ فہرست انڈیا آفس لائبریری نمبر ۱۸۱۴۔ براؤن ہسٹری آف پرشین لٹریچر انڈر تاتار ڈومینینس صفحہ ۱۴۶۔ پرٹش۔ فہرست امپریل لائبریری برلین صفحہ ۵۲۷۔ ریو۔ فہرست برٹش میوزیم لندن جلد ۲ صفحہ ۶۰۸ و ۶۲۹ و ۸۶۱۔ فلوگل۔ فہرست امپریل لائبریری وائنا جلد ۳ صفحہ ۴۲۵۔

۵۱۔ تذکرہ حسینی۔ میر حسین علی سنبھلی ص ۹۲۔ تذکرہ دولت شاہ۔ سمرقندی بمبئی ۱۳۰۵ھ ص ۹۵۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۶۔ حبیب السیر۔ جلد سوم جزو دوم ص ۶۰۔ خزینۃ الاصفیا۔ جلد دوم ص ۴۳۔ سفینۃ الاولیا۔ محمد دارا شکوہ ص ۱۹۸۔ مجالس العشاق۔ ص ۱۲۶۔ محبوب الالباب۔ ص ۳۳۵۔ نفحات الانس۔ ص ۴۱۵

حکیم غیاث الدین ابو الفتح عمر الخیام

انداز بیان مین لطف اور لطف بیان مین تاثیر ازل سے نظم کے حصے مین آئی ہے۔ شاعر اگر باکمال او نکات زبان و انداز بیان سے ماہر ہے بے شائبہ ریب وہ سامعین کو ایسا بیتاب کرسکتا ہے کہ خالی باتین نہین کرسکتین۔ قدیم الایام مین ہنگام جنگ و پیکار رجز خوانی کا طریقہ مرد مقابل کے خیال وعقل پر غالب آنے کے واسطے مقرر کیا گیا تھا، اسی مصلحت سے کہ منظوم کا اثر بہت ہوتا ہے، رجز کے مضامین بالعموم منظوم ہوتے تھے،

مگر یہ عجب بات ہے کہ کوئی شاعر جملہ اصناف نظم مین ایک انداز خاص سے مطلب ادا نہین کرسکتا۔ خاقانی شروانی جسکو خداے سخن کہتے ہین فن قصیدہ گوئی مین بے مثل و یکتاے روزگار ہوا ہے اسکی وجہ یہ تھی کہ اسکے خیالات شاعرانہ فلسفہ وتصوف وغیرہ علوم متداولہ کی مہارت تامہ سے پختہ ہوگئے تھے اور انکے اظہار کے واسطے شوکت الفاظ کی ضرورت تھی۔ سو قصیدے کے غزل وغیرہ مین اچھی طرح ادا نہ کرسکتا تھا۔ سعدی شیرازی و حافظ شیرازی نظیری نیشاپوری و شیخ علی حزین گیلانی وغیرہم غزل مین نہایت لطف سے ادائے مطلب کرتے تھے، انکے دل کا درد مجبور کرتا تھا کہ اپنی زبان کے وہ الفاظ استعمال کرین جو اس کیفیت قلبی کے مطابق واقع ہوے ہون۔ قصائد مین جو خیال کے دبدبے کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے وہ غزلون مین نامقبول ہے۔ ان شعراے نامبردہ کے قصائد موجود ہین مگر استغفر اللہ وہ بات کہان جو خاقانی و انوری و منوچہر و امغانی کے قصائد مین ہے۔ فردوسی و نظامی او رجامی و ہاتفی مثنوی کے استاد مسلم الثبوت تھے۔ طبیعت کو عادت ہوگئی تھی کہ ایک سلسلے مین مطلب ادا کرے۔ انکی غزلون مین وہ آمد نہین ہے جو مثنوی مین ہے۔ ابن یمین قطعات کا استاد ہوا ہے مگر چار مصرعون مین ادائے مطلب پھر اس لطف و کیفیت کے ساتھ جو حکیم غیاث الدین ابو الفتح عمر خیام کے حصے مین آیا تھا، جو لطف اس شخص کی رباعیون مین ہے وہ آجتک

کسی دوسرے شاعر کی رباعیون مین نظر سے نہین گذرا۔

زمانۂ گزشتہ مین جو شخص ارسطو وغیرہ حکماے یونان کے کتب فلسفہ یا اُنکے ترجمے پڑھکر خیالات حکیمانہ کا مقلد ہوتا تھا اُسکو حکیم کا لقب دیا جاتا تھا عمر خیام بھی فلسفہ و ریاضی کا ماہر تھا اسی وجہ سے آجتک اُسکو حکیم خیام یا حکیم غیاث الدین ابو الفتح کہتے ہین۔

جسطرح مالکِ قضا و قدر نے شروان کو خاقانی سے شیراز کو سعدی و حافظ وقاآنی سے مشہور آفاق کر دیا اسی طرح نیشاپور کا نام و نمود عمر خیام کی ذات کے ساتھ وابستہ کیا گیا۔ یہ صاحب کمال نیشاپور مین پیدا ہوا تھا اور ۱۱۲۳ء مین وہین پیوند خاک ہو گیا۔

نجوم و ہیئت و فلسفہ مین عمر خیام کو مہارت تامہ حاصل تھی چونکہ حکماے عرب فقط ارسطو اور اُسی کے خیالات حکیمانہ کے مقلد و مداح تھے اور فیثاغورث و سقراط کے کتب علمیہ کے قدردان نہ تھے اسوجہ سے عمر خیام کے مصنفات مین بھی ارسطو کی تقلید کا اثر پایا جاتا ہے۔ ہیئت و نجوم مین بطلیموس یونانی کی تقلید بلاد اسلام مین رائج ہو چکی تھی یہ حکیم بھی نظام بطلیموس کا مقلد و پیرو تھا اور فن رصد بندی مین یہان تک شہرت پیدا کی تھی کہ سلطان محمود غزنوی نے بہ کمال اشتیاق اسکو نیشاپور سے بلا کر زمرۂ ملازمان با اختصاص مین داخل کیا اور رصد سابق پر نظر ثانی کی درخواست کی اس خدمت مفوضہ کو عمر خیام باحسن وجوہ بجا لایا۔ حالانکہ علوم متذکرۂ بالا مین اس حکیم کی مصنفات سے کتب مبسوطہ موجود ہین مگر چونکہ تقدیر الٰہی اور مشیت ایزدی مین رباعیات کے ذریعے سے شہرت کا ہونا جاری ہو چکا تھا آج اُن کتابون کے نام سے کوئی واقف نہین جو اس باکمال نے تالیف کی تھین

مذاق صحیح و سلامتی خیال نے اہل یورپ کو اس شاعر کا والہ و شیفتہ بنا دیا۔ بعض تذکرون مین میری نظر سے گزرا ہے کہ اکثر عمائدین و اہل کمال بلاد یورپ کے وقت مقرر پر ایک مکان معین مین محض اس نظر سے جمع ہوتے ہین کہ عمر خیام کی رُباعیان عالم ذوق و شوق مین پڑھین اور نکات شاعرانہ او مضامین حکیمانہ پر غور کرین۔ لارڈ کرزن کا یہ ارشاد بالکل صحیح و درست ہے کہ اگر خیام کا وجود نہوتا آج کوئی سیاح عالم نورونیشاپور کی طرف رخ بھی نہ کرتا وہان کی سیر و سیاحت شے دیگر ہے۔

مجھے بھی سرزمین نزہت آئین ایران سے دور کی نسبت ہے نہ مہذب ممالک مغرب کی جوہر شناسی نے میری اور زیادہ وصلہ افزائی کی۔ خیال آیا کہ اس نام برآوردہ فاضل عصر کی رُباعیان منظر

غور و انصاف دیکھوں اور بقدر ہمت و حوصلہ جو رانہ اسرار اس نظم میں موجود ہوں اُنسے اہل زمانہ کو واقف کروں۔ یہی اور یہ میرا خیال۔ اہل فہم و ادراک میری اس یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی کی داد دیں۔

چونکہ اسوقت اختصار نویسی مجھ ہرزہ سرا کو مد نظر ہے بنا بریں علیہ چند رباعیوں کی نقل پر قناعت کی جاتی ہے۔

نصیحت

گر از پئے شہوت و ہوا خواہی رفت — از من خبرے کہ بینوا خواہی رفت
بنگر چہ کسی و از کجا آمدۂ — میدان کہ چہ میکنی کجا خواہی رفت

شہوت خواہش نفس، ہوا = ہوس" از من خبرے" یہ خلاصہ ہے از من ترا خبر برسد کا۔ کہتا ہے کہ اگر تمام عمر تو پابند ہوا و ہوس نفسانی رہے گا میری بات یاد رہے کہ اس جہان فانی سے تہیدست جانا نصیب ہوگا (لہذا) دنیا کے عیش و نشاط سے دست بردار ہو اور غور کر کہ تو کون ہو اور کہاں سے آیا ہے۔ یہ بھی جاننا چاہیے کہ تو کیا کر رہا ہے اور آخر الامر کہاں جائیگا۔

سالکانِ مسالکِ حقیقت و راہروانِ جادۂ طریقت نے جس امر کی تعلیم میں دفاتر ضخیمہ سیاہ کیے ہیں وہ مطلب اس شخص نے فقط چار مصرعوں میں ادا کیا ہے۔ اصلاحِ اعمال مع ترکِ تعلقات دنیوی کی تمہید ایک مصرع میں ہے۔ دوسرے مصرع میں اس نصیحت مشفقانہ پر عمل نہ کرنے کا وہ نتیجہ ظاہر کیا ہے جسکو ہر شخص بے عذر و حجت تسلیم کر سکتا ہے ظاہر ہے کہ جب تک نفس مبتلائے ہوا و ہوس رہیگا زادِ راہ آخرت کا ہاتھ آنا معلوم۔ مگر لذات دنیا کا ترک کرنا بھی بے تعلیم معقول ناممکن ہو تیسرے اور چوتھے مصرع میں وہ طریقہ سکھایا ہے جس پر بقدر امکان عمل کرنے سے یہ راہ دشوار گزار بہ آسانی طے ہو سکتی ہے وہ یہ کہ انسان برابر اپنی حقیقت پر غور کرتا رہے کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں اور آخرکار کہاں جانا ہے اسطرح یقیناً دنیا سے دل برداشتگی حاصل ہوگی جو سالک راہ خدا کا مقصود اصلی ہے۔

نصیحت

ابر آمد و زار بر سر سبزہ گریست — بے بادۂ گلرنگ نمی شاید زیست
این سبزہ کہ امروز تماشا گہ ماست — تا سبزۂ خاکِ ما تماشا گہ کیست

ابر آیا اور سبزۂ نو دمیدہ کے سر پر بے اختیار ہو کر رو دیا۔ اس مشاہدے سے میرے دل میں

یہ خیال آیا کہ جسطرح یہ سبزہ پیش نظر ہے اسی طرح کسی دن میری خاک سے بھی سبزہ اُگے گا اور خدا جانے کون شخص اُس سبزہ نو رستہ کا تماشا دیکھے گا (یہ تصور اور اس تصور سے جو افسوس ہوا وہ عقل کا نتیجہ تھا۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ سرمایہ مصیبت عقل ہوتی ہے۔ لہذا لطف زندگی حاصل کرنے کے واسطے بیفکری کی ضرورت ہے جو بے کیف شراب حاصل نہین ہو سکتی۔ خواہ شراب متعارف ہو خواہ بادۂ عشق الٰہی۔ لہذا جس شخص کو ایام زندگی بفارغ البالی گزارنے منظور ہون وہ مستی شراب مین زندگی بسر کرے۔ لفظ تا جو مصرع چہارم کی ابتدا مین واقع ہوا ہے اُسکے مفہوم کا مرادف کوئی لفظ اُردو مین مجھے نہین ملا۔

اخلاق

بر خود در عیش و آرز و بر بستم — در منت ہر ناکس و کس وارستم
گر صوفی مسجدم ۔ و گر راہب دہر — من دانم او چنانکہ ہستم ہستم

کہتا ہے مین نے عیش و آرام دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اب دل مین کوئی حسرت نہین پھر کیون کسی کا بندۂ احسان ہون۔ اگر صوفی مسجد یعنی پیر طریقت اہل اسلام ہون اپنے واسطے اگر ملت نصاریٰ کا پیشوا ہون اپنے لیے (لوگ اپنے اپنے قیاس کے مطابق مجھے اچھا بُرا کیون کہین) جو مین فی الواقع ہون اُسکا حال سوا علام الغیوب کے اور کوئی نہین جانتا۔ ماحصل یہ ہے کہ مجھے بُرا کہکر اپنی زبان کا خراب کرنا یا قیاساً مجھے اچھا سمجھکر میرے قول و فعل کی تقلید کون دانشمندی کی بات ہے۔

عبرت

مرغے دیدم نشستہ بر بارۂ طوس — در پیش نہادہ کلۂ کیکاوس
با کلہ ہمی گفت کہ افسوس افسوس — کو بانگ جرسہا و کجا نالۂ کوس

بارہ بیائے موحدہ قلعہ کو کہتے ہین۔ طوس و کیکاوس دو بادشاہان ایران کا نام تھا۔

ترجمہ ۔ مین نے (ایک دن) ایک طائر کو قلعہ شاہ طوس پر بیٹھا ہوا پایا۔ کیا دیکھتا ہون کہ اُس جانور مشت پر کے سامنے کیکاوس شاہ ایران کا سر رکھا ہوا ہے اور یہ مرغ ہوائی اس سے کہ رہا ہے افسوس وہ سامان شاہانہ کہان گیا یعنی وہ آواز کوس و جرس کہان ناپید ہو گئی

رندانہ

من بے مے ناب زیستن نتوانم — بے بادہ کشید بار تن نتوانم
من بندۂ آن دمم کہ ساقی گوید — یک جام دگر بگیر و من نتوانم

کہتاہے کہ بے شراب میری زندگی محال ہے۔ نہ بے نشۂ شراب مین اپنے بدن کا بار اٹھا سکتا ہون مجھے وہ وقت بہت اچھا معلوم ہوتا ہے جب ساقی باصرار وابرام مجھے جام شراب دے اور مین کہون اب مین نہین پی سکتا۔ اب معاف کر۔

عبث

دانی کہ سپیدہ دم خروس سحری — ہر لحظہ چرا ہمی کند نوحہ گری
یعنی کہ نمودند در آئینۂ صبح — کز عمر شبے گزشت و تو بیخبری

تجھے نہین معلوم کہ خروس حنائی کا صبح کے وقت نوحہ وفغان کرنا کس سبب سے ہوتا ہے۔ اس نوحہ گری کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اسکو کارکنان قضا وقدر ہر صبح یہ مطلب سمجھاتے ہین کہ ایک رات تیری عمر کی اور کم ہوگئی اور تجھے کوئی فکر نہین۔

تعلیم

رو بیخبری گزین اگر با خبری — تا از کف مستان ازل بادہ خوری
تو بیخبری۔ بیخبری کار تو نیست — ہر بیخبرے راز رسد بیخبری

اگر صاحب عقل وہوش ہے دنیا سے بیخبر ہو جا جب بیخبر ہوجائیگا اسوقت نفوس مقدسہ کے فیض سے مستفیض ہونے کی لیاقت تجھ مین پیدا ہوگی چونکہ تو ان راز و اسرار سے آگاہ نہین ہے بدینوجہ جو بیخبری میرا مقصود ہے وہ تجھے حاصل نہین ہوسکتی۔

اس رباعی مین بیخودی سے مقصود بیخودئ شوق ہے جو عارفان دل آگاہ کو عشق الٰہی مین حاصل ہوتی ہے۔

شوق بیکس

اے بادۂ ناب وا مۓ مینائی — چندان بخورم ترا من شیدائی
کز دور مرا ہر کہ بہ بیند گوید — اے خواجہ شراب از کجائی آئی

کہتاہے میرا دل چاہتا ہے کہ کثرت شراب خواری وبادہ نوشی سے مین ہمہ تن شراب ہوجاؤن یہان تک کہ جو کوئی شخص مجھے دور سے دیکھے وہ خواجہ شراب کہکر مجھسے خطاب کرے اور پوچھے کہ تو کہان سے آتا ہے۔

یہان شراب سے مراد بادۂ عشق الٰہی ہے۔ چاہتا ہے کہ شدت محبت سے خو ہمہ تن محبت ہوجاؤن۔ اور محبوب حقیقی کے ساتھ وہ اتحاد پیدا ہوجائے کہ پھر جدائی وہم وخیال مین بھی نہ گزرے مگر پاس ادب سے اپنا مطلب صراحتاً ظاہر نہین کرتا۔ کبھی بادۂ ناب کو اپنا مخاطب قرار دیتا ہے

کبھی پینے کو خواجہ شراب کے لقب سے ملقب کرتا ہے۔اس رُباعی مین۔گر زود مرا ہر کہ بینداو ازکجا می آئی ان دو جملون کا لطف وجدانی ہے کسی طرح زبان سے ادا نہین ہوسکتا۔

بے جا ہجر

نہ سوے وصال تو مرا دست رسے | نہ طاقت ہجران تو دارم نفسے
نہ زہرہ کہ باز گویم این غم بہ کسے | مشکل کارے طرفہ غمے خوش ہوسے

کہتا ہے کہ یہ میرے دست قدرت سے خارج ہے کہ تجھ تک پہونچ جاؤن۔اگر نہین پہونچ سکتا آلام جدائی کا ایک ساعت تحمل نہین کرسکتا۔یہ مجال نہین کہ دل کا حال کسی شخص کے روبرو بیان کرون۔یہ محبت عجب مشکل کام ہے اور یہ غم بھی فی الواقع نیا غم ہے اور با اینہمہ بے اختیاری یہ حسرت تقرب درحقیقت عجب حسرت ہے

شوخی

یزدان خواہم جہان دگرگون کندے | اکنون کندی تا نگرم چون کندے
یا نام من از جریدۂ بیرون کندے | یا روزی من زغیب افزون کندے

افلاس و تنگدستی سے پریشان ہوکر خیام نے یہ رُباعی نظم کی ہے۔اور مذاق حکیمانہ کے ساتھ شوخی کی داد دی ہے۔کہتا ہے کہ خدا سے میری یہ تمنا ہے کہ وہ ابھی ابھی اس دُنیا کو معدوم کرے اور ایک جہان نو پیدا ہو۔جب دُنیاے تازہ پیدا ہوگی اُسوقت مین دفتر مخلوقات مین موجود رہونگا یا میرا نام جریدۂ عالم سے خارج کیا جائیگا۔مگر مین جب تک مجھے حسب دلخواہ دولت نہ ملے زندہ نہین رہ سکتا اور نہ خدا اپنی بندگی سے مجھے آزاد کرسکتا ہے۔مجبور ہوکر خدا اسکے سوا اور کیا کرے گا کہ بے وجہ ظاہری مجھے دولت دے اور میرے رزق مین افزائش کرے۔

رحمت و رزق

خواہی کہ پسندیدۂ آنام شوی | مقبول قبول خاصہ و عام شوی
اندر پئے مومن و جہود و ترسا | بد گوے مباش تا نکو نام شوی

اگر تو چاہتا ہے کہ ہر شخص تجھے اچھا کہے تعصب کو ترک کر۔سب کو ایک نظر سے دیکھ۔بدگوئی سے باز آ خود بخود نیکنامی حاصل ہوجائے گی۔

شکایت

اے چرخ چہ کردہ ام تمارا ست بگو | پیوستہ نگندۂ مرا در تنگ و پو
نانم نہ دہی تا نہ بری آب رُخم | آبم نہ دہی تا نہ بری آب زرو

اے آسمان سچ بتا کہ تجھے میرے ساتھ باعث عداوت کیا ہے۔جبتک گلی کوچہ کی خاک نہین چھنوالیتا

مجھے روٹی نہین دیتا۔ اسی طرح جبتک میری آبرو ریزی نہین کرلیتا مجھے ایک جرعۂ آب سے بھی محروم رکھتا ہے۔

تخانہ وکعبہ خانۂ بندگیست   ناقوس زدن ترانۂ بندگیست
محراب و کلیسا و چہ تسبیح و صلیب   حقا کہ ہمہ نشانۂ بندگیست

اہل معرفت ہر جگہ کو عبادت خانۂ آلہی سمجھتے ہین۔ ناقوس کی آواز سے بھی ترانۂ توحید سمجھ مین آتا ہے۔ مسجد ہو یا یہود و نصاری کا معبد سجۂ اسلام ہو یا صلیب نصاری ہر چیز اظہار عبودیت کر رہی ہے

یہ مضمون واقعۂ ذیل سے لیا گیا ہے۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز حضرت علی مرتضی نے اثنائے سفر مین ایک مقام پر نزول فرمایا۔ اس مقام سے کسی نصرانی کا عبادت خانہ قریب تھا اور آواز ناقوس پے درپے آرہی تھی۔ جو لوگ ہمرکاب تھے حضرت ممدوح نے اُنسے پوچھا تمھے یہ ناقوس کیا کہ رہا ہے۔ عرض کیا نہین۔ فرمایا یہ کہ رہا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ حَقًّا حَقًّا صِدْقًا صِدْقًا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ حَقًّا حَقًّا

پرخون ز فراقت جگری نیست کہ نیست   شیدائے تو صاحب نظرے نیست کہ نیست
با آنکہ نہ داری سر سودای کسے   سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

کہتا ہے کہ با این ہمہ کہ تجھے کسی کی پرواہ نہین مگر جس شخص کو دیکھتا ہون بالطبع تیری طرف راغب ہے

زمانۂ حال کے حکمانے پایۂ تحقیق تک پہونچا دیا ہو کہ ہر ذرۂ مادّی مین بھی نفس ناکمل موجود ہے اس خیال سے بے تکلف سمجھتے ہین کہ عالم جمادات سے عالم انسانی تک ہر نفس رو بہ ترقی ہے یہ ترقی رفتہ رفتہ ہر نفس ناکمل کو بالطبع پایۂ کمال تک پہونچاتی رہتی ہے۔ اس خواہش تکمیل کو عمر خیام نے اس رباعی مین عشق و محبت سے تعبیر کیا ہے۔ زبان انگریزی مین اسی استدراج کو (EVOLUTION) کہتے ہین

مے خوردن و شاد بودن آئین منست   فارغ بودن ز کفر و دین۔ دین منست
گفتم بعروس دہر کابین تو چیست   گفتا دل خرم تو کابین منست

عروس دہر۔ زمانہ۔ کابین مہر۔ باقی مطلب ظاہر ہے۔

شوخی

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست — تاریک دلم نور صفائے تو کجاست
مارا تو بہشت اربہ طاعت بخشی — این مزد بود۔ لطف عطائے تو کجاست

عاصی۔ گنہگار۔ آمرزش اگر، مزد۔ اجرت

کہتا ہے میں گنہگار ہوں بندہ ہوں۔ تیری خوشنودی جو تیری صفت ذاتی ہے وہ کیوں اپنا اثر نہیں دکھاتی۔ اسیطرح اگر میرا باطن سیاہ ہو رہا ہے خیر ہو تیرا نور کیوں میرا باطن روشن نہیں کرتا (مطلب یہ کہ تیری صفت اپنا کام انجام دے میرے افعال سے کیا مطلب) اگر میں نے تیرے احکام کی تعمیل کی اسکے عوض میں تو نے مجھے بہشت دی یہ مزدوری ہوئی مجھے تری عنایت کی ضرورت ہے جو بلا عوض ہوتی ہے۔

بےبسی

کس راپس پردۂ قضا راہ نہ شد — واز سر قدر ہیچکس آگاہ نہ شد
ہفتاد و دو سال فکر کردم شب و روز — معلوم نگشت و قصہ کوتاہ نشد

آجتک کسی کو اسرار قضا و قدر پر اطلاع نہیں ہوئی۔ مجھے بھی بہتر برس اسی فکر میں گزرے مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ نہ اسرار خداوندی کی کوئی حد معلوم ہوئی نہ قصہ مختصر ہوا۔

شیخ زمانہ

نابردہ بصبح در طلب شامے چند — ننہادہ ز خویشتن بروں گامے چند
در کسوت خاص آمدہ عامے چند — بدنام کنندۂ نکونامے چند

کہتا ہے۔ ابنائے زمانہ کا یہ حال ہے کہ نہ کبھی بیداری شب کی زحمت گوارا کرتے ہیں عشق محبت الٰہی میں محو ہوتے ہیں مگر اہل کمال کا لباس زیب بدن فرما کر عوام الناس کی فریب دہی کیواسطے آمادہ رہتے ہیں۔ ان مردمان دغا پیشہ کے سبب سے وہ لوگ بھی بدنام و بے اعتبار ہو جاتے ہیں جو فی الواقع اہل دل اور صاحب کمال ہوتے ہیں۔ اس رباعی کا مصرع چہارم زبان زد خاص و عام ہے۔

توحید

اے در طلب تو عالمے در شر و شور — در پیش تو درویش و توانگر ہمہ عور
اے با ہمہ در حدیث و گوش ہمہ کر — اے با ہمہ در حضور و چشم ہمہ کور

عور ننگا۔ عین مہملہ برہنہ حدیث گفتگو

تجھ تک رسائی کی تمنا میں ہر ذرۂ کائنات تکالیف شاقہ کا سامنا کر رہا ہے تیرے نزدیک درویش و توانگر بالکل ایک حکم میں ہیں تو ہر شخص سے گفتگو کر رہا ہے مگر کوئی سننے والا نہیں۔ تو سب کے روبرو موجود ہے مگر سب نابینا ہیں۔

خاقان حسین عارف

میر مونس و سلطان عالیہ

(محاکمہ)

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۲) خیر کی مدح کریں شہ کے ثنا خواں ہو کر   مجرئی اپنی ہوا کہو میں سلیماں ہو کر

جناب خبیر نے اس مطلع کی تعریف کرکے اپنی نیک نیتی کا ثبوت دیا ہے، میں آنکا ہمخیال ہوں۔

(۳) ابر نیساں نے جو دیکھا کرم دست حسین   پائے اقدس پہ لگا لوٹنے داماں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں۔

شعر میں لفظ دست و پا کی رعایت ہے، باقی معنویت جتنی ہے اہل نظر سے پوشیدہ نہیں،

میں عرض کرتا ہوں کہ معنویت سے خدا جانے جناب خبیر کا کیا مطلب ہے شعر میں معنویت کی کمی نہیں، ابر نیساں موتی پیدا کرتا ہے، وہ حضرت کے قدموں پر دامن ہو کر لوٹنے لگا (ابر کی تشبیہ دامن سے ظاہر ہے) تو گویا جدھر حضرت نے قدم رکھا موتیوں کے ڈھیر ہو گئے، جب قدموں کا یہ تصدق ہے تو مولا اپنے ہاتھ سے جسے کچھ بخشیں اس کا احصا ہو ہی سکتا نہیں

خشکئ لعل لب شاہ کا جب بیان آیا   اشک خوں گرنے لگے لعل بدخشاں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں خشکئ لب کا لفظ گریۂ بے اختیار پر مجبور کر دینے والے کسی دوسرے لفظ کو ڈھونڈھتا ہے، میں جب نثر میں معنی کہتا ہوں تو اس نظم سے کہیں دلآویز ہوتے ہیں، یعنی جب امام کے سوکھے ہوئے ہونٹوں کی یاد آتی ہے لہو کے آنسو رونے لگتا ہوں، مگر انتخاب الفاظ کے فلسفہ سے بیخبری وہ بلا ہے کہ جس سے خدا بچائے، لعل بدخشاں نے سیدھی سادی دلفریبی سے بھی شعر کو محروم کر دیا، (انا للہ و انا الیہ راجعون) بھلا سوکھے ہوئے ہونٹوں کو اس رنگین تشبیہ سے کیا تعلق۔

میں عرض کرتا ہوں کہ شعر کے تمام الفاظ میں تناسب لازم ہے خواہ لفظی ہو خواہ معنوی، لب کو لعل سے تشبیہ دیتے ہیں، اشک خونیں کو بھی لعل سے مشابہت ہے، دوسرے مصرع میں اشک خوں کو لعل بدخشاں کہنے سے معنویت بڑھ گئی۔ اُن آنسوؤں کی قدر و منزلت و قسمت ظاہر ہوئی جو غم شبیر میں جاری ہوں، اشکوں کو لعل بدخشاں کہنے سے شعر کی دلفریبی یا تاثر میں ہرگز کمی نہیں ہوئی، بلکہ اس شاعرانہ انداز بیان سے ایک خاص ندرت پیدا ہوگئی، جو نثر میں اس لطف سے اور اتنے مختصر الفاظ میں مشکل تھی وہ یہ کہ امام کے خشک ہونٹوں کے تصور کا یہ اثر ہوا کہ اشک خوں منجمد ہو کر لعل بدخشاں بن گئے اور آنکھوں سے گرنے لگے، اسی وجہ سے شاعر نے "گرنے لگے" کہا۔ اگرچہ ظاہر بیں نگاہوں میں بجائے "گرنے لگے" کے "بہنے لگے" اشکوں کے ساتھ زیادہ موزوں معلوم ہوگا، ان خوبیوں کو نظر انداز کر کے شعر کی مذمت کرنا ظلم ہے،

(۵) کس سے دریافت کریں حال عدم اونکا کوئی پیدا نہ ہوا خاک میں پنہاں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ فاتولیسورۃ من مثلہ کا دعوی اس دریافت کے نقل پر فریاد کر رہا ہے، دیکھئے "ت" اس ت پر زبان کس ضغط میں مبتلا ہو کر رہ گئی، ہاں کلام بشر ہوتا تو جواز عامہ کی سپر آڑے آتی۔

یہ ایسا اعتراض ہے جس کا جواب سوا خاموشی کے کچھ نہیں، اور بشر کے کلام میں ت کا ثقل جائز، بیچارے میر مونس ہدف ملامت ہوں یہ کون انصاف ہے،

(۶) کہیں ملتا نہیں تصویر سکندر کا پتہ سب کا منہ دیکھتا ہے آئینہ حیراں ہوکر

خود جناب خبیر نے اس شعر کی تعریف کی ہے،

(۷) چمن دہر میں توام ہیں سدا شادی و غم کونسا گل ہے جو رو یا نہیں خنداں ہوکر

جناب خبیر کا اعتراض ہے کہ "سدا" سے نہ حسن کلام ہی کو چار چاند لگتے ہیں نہ کوئی ضرورت ہی نظر آتی ہے، پھر خنداں ہوکر رونا ہر گل سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، شعر میں کلیہ بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میں کہتا ہوں شکر ہے اس وقت سودا زندہ نہیں ورنہ جناب خبیر کو کیا کیا نہ کہتا، مونس کا پہلا مصرع اس کے ایک شعر کے پہلے مصرع سے لفظ بلفظ اڑا لیا گیا ہے، لہٰذا جناب خبیر نے مونس پر نہیں بلکہ سودا پر اعتراض کیا۔ وہ شعر یہ ہے:-

"چمن دہر میں توام ہیں سدا شادی و غم" خندۂ گل نہ رہے گریۂ شبنم سے دور

خیر یہ تو مذاق تھا، اب جناب خبیر کے اعتراضات پر غور کیجئے، سدا کا لفظ بیکار نہیں ہے اس سے شعر میں

زور پیدا ہوتا ہے، اور اس کا امتحان یہ ہے کہ مصرعہ کو نکال کر پڑھیے شعر میں وہ بات نہ رہیگی جواب ہے، دوسرے مصرع کا مطلب شاید جناب خبیر نہ سمجھے ورنہ یہ نہ فرماتے کہ خنداں ہوکر رونا ہر گل سے تعلق نہیں رکھتا، غالباً ان کا خیال شبنم کی طرف دوڑا، جس پھول میں اوس کی بوندیں ہوں اُسے گریاں کہیں ورنہ نہیں، میر مونس نے اس شعر میں پھول کے کھلنے کو ہنسنے سے اور اُسکے مرجھانے کو رونے سے مشابہ کیا ہے، کیونکہ پھول کے مرجھانے میں بسورنے کی صورت پیدا ہوتی ہے، مجھے تو یہ تشبیہ بالکل نئی اور خوبصورت معلوم ہوتی ہے،

(۸) کہتی تھی دیکھ کے زہرا کے مرقع کو قضا — یہ ورق جمع نہ پھر ہوں گے پریشاں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں، کہ کہا اور بیمثل کہا، میں تائید کرتا ہوں،

(۹) قدرداں داد بھی دیتے نہیں سبحان اللہ — کیا صلے پاتے ہیں دنیا میں سخنداں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ "دنیا کی قید باخبری کا پتہ دیتی ہے" مجھے امید ہے کہ اس تعریف میں طنز کا پہلو نہیں،

(۱۰) دی یہ سائل نے صدا لے کے علی سے خاتم — لو گدا جاتا ہے مسجد سے سلیماں ہوکر

"مضمون پامال، 'لو' کا استعمال غیر ضروری"

میری عرض ہے کہ یہ مضمون ہی نہیں بلکہ روایت کو نظم کیا ہے، ورنہ جتنے واقعات نظم ہوں وہ سب اسی زمرے میں آجائیں گے، لو کا استعمال ہرگز غیر ضروری نہیں، حرف استعجاب ہے، جو گدا کے سلیمان ہوجانے پر ضرور اس کے منہ سے نکلے گا، اس سے احسانمندی کا بھی اظہار ہوتا ہے، پہلے مصرع میں یہ ٹکڑا (لے کے) مستحق صدہزار تحسین وآفرین ہے، ۹۹ فیصدی شاعر ظاہری تناسب الفاظ کے لحاظ سے "پاکے" کہتے، مگر میر مونس نے صرف اس ایک لفظ سے پوری حدیث کی طرف توجہ دلادی، اور واقعیت کو مدنظر رکھا، جناب امیرؑ رکوع میں تھے جب سائل نے سوال کیا اور آپؑ بجائے انگشتری اتار کر دینے کے اسکی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور اس نے دست مبارک سے انگوٹھی اتا لی، لفظ "لے" سے یہ واقعہ پیش نظر ہوجاتا ہے، لفظ "پا" سے یہ بات نہیں پیدا ہوتی، اس ایک لفظ نے شعر میں محاکات پیدا کردی، یہی کمال شاعری ہے، افسوس جناب خبیر نے قدر نہیں کی،

(۱۱) شاہ فرماتے تھے کیا قہر ہے اے نہر فرات — ہم رہے جاتے ہیں پیاسے ترے مہماں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ "شعر برا نہیں" میں عرض کرتا ہوں کہ یہ شعر اس تعریف کا مستحق نہیں تھا جو سلطان العلما کے اس مطلع کی کی گئی ہے

مجرئی کہتی تھی زینب بھی گریاں ہوکر — کیوں بہن مرگئی بھائی پہ قرباں ہوکر

(۱۲) شامل آل محمدؐ ہوئے الحمد للہ پایا کیا مرتبہ سلمان نے مسلماں ہوکر

شعر صاف تو ہے مگر معنوی غلطی سے سرنگریباں، سلمان ایمان کے اس درجہ پر فائز تھے کہ شامل اہل بیت ہوئے نہ کہ مسلمان ہونے کے صلے میں، شاعر نے سلمان اور کسی نومسلم میں کوئی امتیاز نہ رکھا، (یہاں آپ نے ایک آیت قرآن شریف کی نقل کی ہے جس کا یہ ترجمہ ہے، اعراب کا قول ہے کہ ہم ایمان لائے اے (محمد) کہدو کہ یہ نہ کہو (بلکہ) یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ابھی ایمان تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا) کامل الایمان سے صحیح مفہوم ادا ہوتا، مثلاً دوسرا مصرع یوں ہو ع پائی سلماں نے شرف کامل الایماں ہوکر۔ مگر الف لام سے یہاں کچھ ثقل پیدا ہونا ضرور تھا اور اس مفہوم کو صاحب ایماں بھی پورا نہیں کرسکتا، اس لئے کہ پھر ہر مومن خواہ کسی درجہ ایمان پر فائز ہو داخل اہل بیت ہوا جاتا ہے، ایماں سلماں اور مسلماں میں صنعت ضرور رہی۔

جناب خبیر نے خود ہی اصلاح دیکر اسکا رد بھی کردیا، لہذا اس جزو کے متعلق کچھ لکھنا فضول ہے، اب نفس اعتراض سے بحث رہی" یعنی سلمان اُس درجۂ ایمان پر فائز تھے کہ شامل اہلبیت ہوئے نہ کہ مسلمان ہونیکے صلے میں۔ شاعر نے سلمان اور کسی نومسلم میں کوئی امتیاز نہیں رکھا" اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو مسلمان مرکب ہے مسلم ایمان سے یعنی جس شخص کا ایمان راسخ ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو جناب خبیر کا اعتراض یک لخت رد ہوا جاتا ہے، کیونکہ شاعر نے لفظ مسلمان کے اصطلاحی اور مجازی دونوں معنوں سے فائدہ اٹھایا، اور ایسا مضمون ادا کردیا جو اور کسی صورت سے بندھ نہیں سکتا تھا، جیسا کہ خود جناب خبیر اعتراف کرتے ہیں،

اس کے علاوہ آپ اسلام اور ایمان کے مدارج کیوں لیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا حضرت سلمان شامل اہل بیت ہوسکتے تھے، اگر مسلمان نہ ہوتے، اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو شاعر کیلئے کافی ہے، اور وہ کہہ سکتا ہے کہ ع پایا کیا مرتبہ سلماں نے مسلماں ہوکر۔ بال کی کھال کھینچنے سے کیا فائدہ،

(۱۳) دھوپ میں شہ کا جو نور رخ روشن چمکا رہ گیا مہر چراغ تہ داماں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ "نور کی رد سے رخ کی رد سے ٹکرا رہی ہے، اس عیب سے کوئی بشر خالی نہیں، مگر جب خدائے سخن کے یہاں بھی یہ عیب موجود ہو تو پھر قیامت ہے، رہا شعر کا حسن یہ تو کہنا ہی پڑیگا کہ بظاہر شعر کچھ برا نہیں معلوم ہوتا مگر حقیقت میں شعر کا مفہوم صرف اتنا ہی ہے کہ جلوۂ امام کے سامنے دھوپ میلی پڑگئی، چراغ تہ داماں کے معنی اس مقام پر صرف اتنے ہیں کہ آفتاب کی روشنی مدھم ہوگئی، مگر اس تکلف لایعنی کی کیا ضرورت۔"

ایسے اعتراضوں کی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی، جناب خبیر فرماتے ہیں کہ نور کی رے رخ کی رے سے ٹکرا رہی ہے

مگر اضافت کی دیوار بیچ میں حائل ہے نظر نہیں آتی اس کا کیا علاج ، بقیہ اعتراض کا جواب خاموشی ہے جیسا کہ میں کہیں اور عرض کر چکا،

(۱۴) وصف رخسار کیا بعد ثنائے لب شاہ ۔۔۔ جانب شہر حلب آئے بدخشاں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ تشبیہ کی کیسی مٹی خراب ہوئی ہے ، کلام میں ندرت کا پتہ نہیں خشکی ہے کہ شعر پڑھتے وقت ہونٹ چپٹے جاتے ہیں عرض کرتا ہوں کہ جناب والا یہ تشبیہ نہیں بلکہ استعارہ ہے ، اس شعر میں شوخی ہے ، آپ کے ہونٹ چپٹتے ہوں میری زبان تو چٹخارے لیتی ہے ،

(۱۵) گر پڑا شمر نے جسے چشم غضب سے دیکھا ۔۔۔ دل میں ہر موئے مژہ گڑ گیا پیکاں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ بات تو نئی تھی مگر کہی بڑے مزے سے ۔ (شکریہ)

(۱۶) خلد بھی حُر نے لیا حور بھی لی کوثر بھی ۔۔۔ بڑ گیا لوٹ میں شبیر کا مہماں ہو کر

" شعر صاف ہے دوسرے مصرع کی رنگینی سلام کے دائرہ سے بڑھ کر غزل کی حد تک پہونچ گئی ہے ، جیسا کہ وہ مرحوم اس رنگ کو اکثر برتتے تھے انکے ایک مرثیہ کی یہ بیت مشہور ہے ،

" اس رنگ کو گورا ہے یہ دل خواہ نہیں ہے ۔۔۔ ڈھلتے ہوئے جوبن کی ہمیں چاہ نہیں ہے "

یں عرض کرتا ہوں کہ شوخی و رنگینی بشرطیکہ مذاق سلیم کی حدود میں رہے ہر صنف شاعری کی جان ہے ، آپ پسند نہیں کرتے تو نہ کریں ،

،، جا بسے خاک میں یثرب کے لب نیولے ۔۔۔ سارے گھر ڈھے گئے سادات کے ویراں ہو کر

اس کے متعلق میں لکھ چکا ہوں ،

،، ہو گیا کعبۂ بطحا و مدینہ برباد ۔۔۔ بستیاں لوٹ لیں جنگل نے گلستاں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ شعر تو بہتر ہے مگر جناب شاکی کہیں گے کہ کس جنگل نے بستیاں لوٹ لیں ، کربلا کا تو ذکر نہیں جیسا کہ وہ سلطان عالیہ کے اس مصرع پر معترض تھے ع تب و دنداں پہ سر شاہ کے دیکھی جو چھڑی " مجھے ذاتی جھگڑوں سے غرض نہیں ۔

کیا شہادت کی خوشی تھی پسر زہرا کو ۔۔۔ شکر خالق کیا ہر زخم نے خنداں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں شعر اچھا ہے ۔

ذبح کے بعد بھی شہ کی نہ ہوئیں آنکھیں بند ۔۔۔ عید قرباں ہوئی معشوق پہ قرباں ہو کر

جناب خبیرؔ "دیکھئے عید قرباں یوں حلال ہوتی ہے" الفاظ کے تناسب نے شعر کو معنی سے بے نیاز کر دیا، پر یہ کونسا فلسفہ ہے، کیا عید قرباں میں ذبح ہونے سے ذبیحہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہجاتی ہیں، مرزا سودا فرماتے ہیں

ع معنی ہیں سو وہ خواب فراموش کی تعبیر

میں عرض کرتا ہوں کہ ابکی عید قرباں میں ملاحظہ فرمالیجئے کہ ذبیحہ کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں یا بند ہو جاتی ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ خود اپنے قول کی تردید کرینگے۔

(۲۱) شاہ جب کہتے تھے بتلاؤ تو تقصیر مری — سر جھکا لیتے تھے بیدرد پشیماں ہوکر

جناب خبیر۔ مضمون پامال ہے مگر خوب کہا۔

(۲۲) فوج اعداء سے کہا حرؔ نے زہے دینداری — قتل کرتے ہو مسلماں کو مسلماں ہوکر

جناب خبیر کے اعتراضات اور اپنی رائے لکھ چکا ہوں،

(۲۳) عیسئی آل محمد کی رحیمی کے نثار — دین احمد کو جلا دے گئے بیجاں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں۔ یہ شعر نہیں بیوسلے ہے (معاذ اللہ) عیسئی آل محمد نے دین احمد کو زندہ تو نہ کیا ایک پرانا آئینہ جھکر قلعی کر دی، واہ واہ واہ، اس شعر کو یوں پڑھئے تو کہیں اچھا ہو جائے،

عیسئی آل نبی کی یہ مسیحائی تھی — دین اسلام کو زندہ کیا بیجاں ہوکر

پھر رحیمی کس قدر خوبصورت لفظ ہے، اور اس موقع پر کہاں تک برمحل استعمال ہوا ہے، اس کا مزا کچھ اہل ذوق ہی اٹھا سکتے ہیں، مجھے سخت افسوس ہے کہ جناب خبیر شعر کی بلاغت اور لطافت کو نہیں سمجھے اور رعایت لفظی کے دلدادہ ہوکر ایسی اصلاح دی کہ شعر کی معنویت تشریف لے گئی، نہیں بلکہ کفر کے مرتکب ہوئے، اسلام کی تبلیغ جناب محمد مصطفےٰ پر ختم ہوگئی، ان کے بعد اسلام مردہ نہیں ہوا بلکہ انحطاط شروع ہوگیا، اسلام کوئی علیحدہ ہستی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ات النسان سے ہے، اگر اسلام کو مردہ کہیں تو یہ مطلب ہوگا کہ ایک متنفس بھی ایسا باقی نہیں رہا جس پر مسلم ہونے کا طلاق ہو، اگر ایسا کہیں تو کفر ہے، کیونکہ خود جناب امام حسین علیہ السلام (معاذ اللہ معاذ اللہ) دائرہ اسلام سے ارج ہوئے جاتے ہیں، نیز یہ اعتراض عاید ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اسلام کو زندہ نہیں کیا بلکہ مذہب نو کی بنیاد الی، کیونکہ جیسا میں نے عرض کیا مذہب کے مردہ ہو جانے سے سوا اسکے کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا کہ مذہب کا نقدان ہوگیا، اسلام کے متعلق ایسا کہنا نہ صرف خلاف واقع بلکہ کفر ہے کیونکہ امام علیہ السلام اور ان کے تابعین موجود تھے گرچہ انکی تعداد کم تھی، یہی نکات ہیں جو ایک استاد پیش نظر رکھتا ہے اور جو معمولی شاعر کو نہیں سوجھتے

میرمونس نے انہیں امور کو مدنظر رکھ کر وہ جچے تلے الفاظ استعمال کئے جسکا جواب نہیں، اسلام کی آب و تاب کم ہو گئی تھی، اسکی رونق جاتی رہی تھی امام علیہ السلام نے قربانی عظیم کر کے اسلام کو چمکا دیا، جلا اور بیجان میں جو رعایت ہے وہ بھی ملحوظ خاطر رہے، اس لفظ سے شعر کا ظاہری حسن بڑھ گیا، انتخاب الفاظ کی خوبی تعریف کی مستغنی ہے، جناب خبیر لفظ رحیمی پر معترض ہیں میں دعوے کرتا ہوں کہ اور کوئی لفظ اس مفہوم کو اس خوبی سے ادا نہیں کر سکتا، اس لفظ سے امام علیہ السلام کا کمال ایمان، ان کا استغنا اور یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے خاصۃً لوجہ العمد راہ خدا میں جان دی، انسان ہو کر شان الوہیت دکھا دی (کیونکہ رحیم صفت باری تعالیٰ ہے) ایسا صحیح لفظ ایسے موقع پر اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا، اس لفظ سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ لوگ اسلام سے متحرف ہوتے جاتے تھے، اسلام میں نفاق اور کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں،

۲۴ سینۂ شہ پر رکھا شمر نے زانو ہیہات پاس قرآں نہ کیا قائل قرآں ہو کر

اس کے متعلق میں لکھ چکا ہوں

۲۵ لاش شبیر پہ یہ دھوپ پڑی قتل کے بعد جگنے قطرۂ خوں جسم میں بیکاں ہو کر

لاش کا شین شبیر کے شین سے ٹکرا رہا ہے، یہ جائز تو ہے مگر فاتو لبور قوس مشلہ کے دھبوں کے واسطے نیر جم گئے اس مقام پر شعر سے شعریت کی روح کھینچ لیتا ہے، شاعر کا مفہوم بجائے خود معقول مگر اسلوب بیان نے وہ ستم آرائیاں کی ہیں کہ الٰہی تیری پناہ، اس محل پہ گڑ گئے یا رہ گئے بھی ہوتا تو اتنا بُرا نہ تھا

مونس نے وہ گل کھلائے ہیں وہ طلسم قائم کیا ہے جسکا جواب نہیں دل وجد کرتا ہے، فخر ہوتا ہے کہ اردو میں ایسا شاعر بھی گذرا ہے، الفاظ کا انتخاب اعجاز کی حد تک پہونچ گیا ہے، مگر سہ

غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے (غالب)

تعصب اور خوردہ گیری کا شوق آدمی کو اندھا کر دیتا ہے، اور کلام کے محاسن نظر نہیں آتے،

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ اس محل پہ گڑ گئے یا رہ گئے بھی بُرا نہ تھا۔ اب گڑ گئے کو لیجیے، گڑونے کے لئے کسی فاعل کی ضرورت ہے، وہاں بیکان خود گڑونے والا کون تھا؟ رہ گئے؟ ہائے جسم مولا میں قطرۂ خوں رہ کب گیا تھا، پیاس نے زخموں نے صدموں نے سب خون چوس لیا تھا، اور رہا سہا جب بہہ گیا جب شمر لعین نے صدر شاہ پر زانو رکھ دیے گئے کہ جناب خبیر فرماتے ہیں کہ شعر سے شعریت کی روح کھینچ لیتا ہے، میں کہتا ہوں کہ شعر میں روح پھونک رہا ہے کلیجے میں نشتر چبھو رہا ہے، زخموں سے خون بہا، جسم اقدس پر دھوپ کی گرمی سے جما اور پیکان کی

نہ صرف صورت بلکہ تیزی اور بارٹھ پیدا کر دی، یہ شاعری نہیں سحر حلال ہے، صناعی ہے کمال ہے، اعجاز ہے
ایسے شاعر کے سامنے سر ادب جھکانا چاہیئے۔

۲۷ کہتی تھی بانو بیکس کہ بتاؤ لوگو! صبر کیونکر غم اکبر میں کروں ماں ہو کر

اس شعر کے متعلق لکھ چکا ہوں۔

۲۸ (۲۸؟) تشنگی باپ کی سجاد کو سوجھی نہ کبھی جو پیا گھونٹ بھی پانی گلا تو گریاں ہو کر

معمولی شعر ہے اور سلام و مرثیہ کے لئے عام، جناب خبیر نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ خشکی کسقدر رہی۔

۲۹ لاش اکبر سے کہا ماں نے کہ مشتاق تھی میں واہ قربان گئی آئے بھی تو بیجاں ہو کر

طنزیہ لہجہ اس حالت میں ماں کے منہ پر تو بھلا نہیں معلوم ہوتا، "ہائے" ہوتا تو شعر میں جان پڑ جاتی۔ آہ بھی کچھ ایسا برا نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ہائے ہوتا یا آہ، شعر خاک میں مل جاتا، یہاں واہ سے طنز نہیں بلکہ شکایت پائی جاتی ہے اور "مشتاق" کے لحاظ سے واہ کے علاوہ کوئی لفظ چسپاں ہی نہیں ہو سکتا۔

۳۰ بانو کہتی تھی برس دن بھی تو اصغر نہ جئے ہوئے بیجاں چھ مہینے کے مری جاں ہو کر

۳۱ فاتحہ دودھ پہ بھی دے نہیں سکتی واری قید سے آئی ہے ماں بے سروساماں ہو کر

"لیجئے بانو کا واؤ تشریف لے گیا، ہر مرثیہ گو کے یہاں اسکی مثال ملیگی مگر فاتو لسورۃ من مثلہ کے دعوے اور بعض شعر ملاکر دیکھئے تو بشریت کا قائل ہونا پڑتا ہے، اگر مصرع یوں ہوتا تو یہ قباحت نہ رہتی ؎ لیلی بانو کہ برس دن بھی تو اصغر نہ جئے اللہ اکبر الوہیت کے دعوے اور عجز وہاں جہاں بشریت کے قائل بھی عاجز ہیں۔

میں عرض کرتا ہوں کہ جب ہر مرثیہ گو کے یہاں حروف کے گرنے کی مثال ملے گی تو بیچارے مونس کو کیوں ہدف ملامت بنایا جاتا ہے، آپ کو جس اصلاح پر گھمنڈ ہے مجھے ہنسی آتی ہے، علاوہ اس کے بولی کی بے تشریف لے گئی کہتی تھی سے، جو یہ مفہوم ادا ہوتا تھا کہ متواتر بین کرتی تھی غائب ہو گیا۔

۳۲ زلف اکبر کو جو دیکھا سر نیزہ پر خوں موئے سر کھول دیے ماں نے پریشاں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں۔ نیزہ پر بیٹے کی خون آلودہ زلفیں خدا کسی ماں کو نہ دکھائے، یہ منظر جیسا دلخراش ہے ظاہر ہے اور اس سے ماں کی جو حالت بھی ہو جائے بعید نہیں، مگر مصنف مرحوم نے دوسرے مصرع میں جو کچھ فرمایا ہے وہ تکلف کا مرقع تصنع کی تصویر ہے، کچھ دعائے بد تو کرنی مقصود نہ تھی اس پر لفظ پریشان خود شاہد ہے، کچھ بھی

میں نہیں آتا کہ بال کیوں کھولے گئے، ہاں زلف موسے سر پریشان یہ مناسبت ضرور جمع ہوگئی، مگر آخر اس کو کندن دکاہ برآوردن کا نتیجہ کیا۔

میں عرض کرتا ہوں کیا بالوں کا پریشان کرنا سوگ اور غم کی علامت، ماں کے حال تباہ کی تصویر نہیں ہے، اُن زلفوں کو ماں خاک وخوں میں آلودہ دیکھے جنہیں وہ کیسے چاؤ سے سنوارا کرتی تھی اور وہ اپنے موے سر پریشان نکرے

۳۳ لب شبیر پہ رکھی جو چھڑی حاکم نے لوگ رونے لگے انگشت بدنداں ہوکر

اس کے متعلق لکھ چکا

۳۴ تھا یہ اس گھر میں اندھیرا کہ غزالان حرم سر کو ٹکرانے لگے داخل زنداں ہوکر

یہاں "کو" عجز بشریت کا کلمہ پڑھ رہا ہے،

جناب خبیر کو اس نازک فرق کی خبر نہیں جو سر ٹکرانے اور سر کو ٹکرانے میں ہے، سر ٹکرانا غم کے موقع پر اور سر کو ٹکرانا اضطراب کی حالت میں استعمال ہوتا ہے،

۳۵ شمر سے کہتے تھے شہ ذبح کریگا جو مجھے ق ابھی دوڑیں گے نبی چاک گریباں ہوکر

۳۶ حشر کردے گی بپا شیر خدا کی فریاد تھرلائے گا سر فاطمہ عریاں ہوکر

قطعہ کا پہلا شعر کتنا خوبصورت ہے، اگر حضرت صلعم کا ذکر نہیں ہوتا تو میں کہتا کہ اس دوڑینگے پر شاعر کی بوکھلاہٹ ایمان لانے کے قابل ہے، چاک گریباں اور ابھی دوڑیں گے میں تصادم ہو رہا ہے، چاک گریباں تصنع کی تصویر ہے، ابھی دوڑیں گے بے ساختگی کا مرقع، پھر الفاظ کی نشست چاہتی ہے کہ یہاں ردیف کرکے چاہیئے، مگر وہبی شاعروں کی دوربلا،

جناب خبیر نے ہرزہ سرائی کی حد کردی، "چاک گریباں" تصنع کی تصویر! گویا انتہائے غم میں انسان کپڑے نہیں پھاڑتا ہے، نبی صلعم کا پارۂ جگر ذبح ہوتا ہو تو وہ دوڑیں گے نہیں (خاکم بدہن) خراماں خراماں نہایت اطمینان سے تشریف لائیں گے، اسکو بوکھلاہٹ کہنا اور مضحکہ اڑانا پست مذاقی کی دلیل ہے،

"کرکے" سے فعل ظاہر ہوتا حالانکہ شاعر کو حالت دکھانا مقصود تھی، جو ہوکر سے ظاہر ہوتی ہے، لہذا ردیف درست ہے۔

۳۷ رہبری کی جو مقدر نے تو ہم اے مونس روضۂ شاہ پہ جائیں گے خراساں ہوکر

اس کے متعلق لکھ چکا۔

جناب خبیر و جناب شاکی کے مضامین میں اکثر باتیں ایسی ہیں جنہیں نفس مطلب سے کوئی تعلق نہیں میں نے انہیں قطعاً نظرانداز کیا ہے،

سلطان عالیہ کا سلام ان کی قدرتی ذہانت و طباعی کا پورا ثبوت ہے، مگر وہ اُستادی ۔ وہ صناعی وہ سحری کہاں ہے جو میر مونس کے کلام کی شان ہے، یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ سلطان عالیہ کے سلام میں صرف ۱۰ شعر ہیں یا ۷، شعروں پر تنقید لکھی گئی ہے، اور میر مونس کے یہاں ۲۶ شعر ہیں، اگر انتخاب کیا جائے تو غالباً سلطان عالیہ سے دونے شعر میر مونس کے سلام میں ملینگے،

صحیح موازنہ دونوں کا مجموعی کلام دیکھنے سے ہو سکتا ہے، جسکی مجھے فرصت نہیں، نہ ضرورت ہے، کیا جناب خبیر ایسی جسارت فرمائیں گے؟

مرزا جعفر علیخاں اثر لکھنوی

بادل اور موج

اماں، فضائے آسمان کے بسنے والے فرشتے مجھسے کہتے ہیں، بیدار ہونیکے وقت سے دن کے ختم ہونے تک ہم صبح کی سنہری روشنی اور نقرئی چاند سے کھیلتے ہیں،

میں اُنسے دریافت کرتا ہوں "میں تم تک کسطرح پہونچوں؟" .... وہ جواب دیتے ہیں "اس دنیا کے کنارے آجاؤ اور اپنے ہاتھ آسمان کی جانب بلند کرلو، ہم تمکو بادلوں میں اٹھا لینگے"........ میں کہتا ہوں "لیکن میری ماں گھر پر میری منتظر ہوگی میں اسکو چھوڑ کر کیسے آسکتا ہوں" ...... بادل قہقہہ مارتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں،

لیکن! اماں!! میں اس سے اچھا کھیل جانتا ہوں، ......" میں بادل بنجاؤں گا اور تم ماہتاب" میں تمکو اپنے دونوں ہاتھوں سے چھپا دونگا اور مکان کی چھت آسمان کا کام دیگی۔

موجوں میں بسنے والی پریاں مجھسے کہتی ہیں ..... "ہم شب و روز نغمہ سنجی میں مصروف رہتے ہیں اور بغیر منزل مقصود جانے ہوئے سرگرم سفر"..... میں دریافت کرتا ہوں "میں تمہارے گروہ میں کسطرح شامل ہوں؟" ..... وہ کہتی ہیں کہ ساحل سمندر تک آجاؤ اور اپنی آنکھیں بند کرکے کھڑے ہو جاؤ، ہم تمکو بہا لیجائینگے"...... میں جواب دیتا ہوں "میری پیاری ماں شام کو میری منتظر رہتی ہے میں اسکو چھوڑ کر کیسے آسکتا ہوں" ..... وہ مسکرا کر رقص کرتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔

میں اسنے بہتر کھیل جانتا ہوں، میں موجیں بنجاؤنگا تم ساحل!..... میں تمہاری آغوش محبت میں آکر تموج پیدا کرونگا اور کوئی نہ جان سکیگا کہ ہم دونوں کہاں ہیں؟

(ترجمہ از ٹیگور)

تماشائی بریلوی

برادران ہنود اور فارسی شاعری

ہمارے ہندو بھائیون کو اپنی اور ادبی خصوصیات سے قطع نظر کرتے ہوے فارسی شاعری سے جو نسبت و دلبستگی حاصل رہی ہے - اُسپر ایک مستقل بحث کی ضرورت ہے جسکے لیے وقت درکار ہے - ممکن ہے کہ مین صحیح نقطۂ خیال سے اس عنوان کے تحت مین - اظہار رائے سے قاصر رہون مگر یہ کہنے مین تامل نہ کرون گا کہ باستثناے چند ہندوون مین ایسی ہستیان بھی بکثرت مل سکین گی جنکو ہندی نژاد ہونیکی حیثیت سے مسلمانون سے کسی طرح کمتر نہین کہا جا سکتا تھا -

یہ واقعہ ہے کہ کسی زبان کی ترقی و تنزل مین، دیگر اصناف فن کی طرح، حکومت کی سرپرستی کو بڑا دخل ہوتا ہے - چنانچہ فارسی زبان کا ہندوستان مین عروج ایسے ہی ارتقائی اجزا کا نتیجۂ ترکیب ہے - شاہان مغلیہ کا تسلط فارسی زبان اپنے ساتھ لیکر آیا تھا جسکا اثر ابتک سرزمین ہند کے بعض خطّون مین نمایان حیثیت رکھتا ہے - لہذا اگر یہ کہا جاے کہ برادران ہنود بھی ملکی تعلقات سے متاثر ہوتے ہو کر فارسی کی خدمت پر کمربستہ ہوگئے تو چندان غلط نہوگا -

مذکورۂ بالا تمہید اس بحث کا جزو لاینفک ہے اسلیے اسکے مبادی پر روشنی ڈالنا ناگزیر تھا اس سے زیادہ تفصیل کسی اور وقت کیلیے اُٹھا رکھتا ہون اور خوشگویان ہند کے حالات اور انکا انتخابی کلام ہدیۂ ناظرین کرتا ہون -

راجہ رام نرائن موزون | اطراف عظیم آباد کے رہنے والے اور قوم کایستھ کے سربرآوردہ ممبر تھے - انکے باپ رنگ لال بدایونی کو نواب مہابت جنگ کی سرکار مین عزت و اعتبار کی ممتاز خصوصیت میسر تھی - جب باپ نے عالم فانی کو خیرباد کہا تو موروثی خدمت

موزون کو تفویض ہوئی، رفتہ رفتہ عظیم آباد کا نظم و نسق متعلق ہونیکے علاوہ خطاب راجگی بھی عنایت ہوا، پھر کچھ مدت کے بعد بعہد نواب قاسم علی خان عالیجاہ ناظم بنگالہ معزول و محبوس کیے گئے۔ بقول بعض محققین جس وقت عالیجاہ کو ۱۸۱۰ء مین احکام انگریزی سے ہزیمت نصیب ہوئی تو عالیجاہ نے موزون کو قیدخانہ سے نکال کر دریا مین ڈال دیا۔ لکھتے ہین کہ عالم یاس مین پانی مانگا، پیالہ ہاتھ مین آیا مگر ایک قطرہ نہ پیا اور بنظر تامل دیکھکر فی البدیہہ یہ شعر کہا ؎

محروم رفت از تو لب تشنۂ حسین   اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نماند

پیالہ ایک حسرتناک آواز کے ساتھ چھوٹ کر گر پڑا۔ بالجملہ موزون اسم بامسمی موزون تھے، مبدء فیاض سے ایک حساس دل و دماغ لائے تھے اور شیخ علی حزینؒ کے شاگرد تھے ایک دیوان، ایک رسالۂ انشا انکی یادگار ہے۔

؎ چہ خوش میگفت روزی از ہجوم درد عریانے   کہ دل را چاک باید کرد گر نبود گریبانے

؎ ز طبع خویش بجز ہیچ در گرفتار است   قفس نصیب بود بلبل غزلخوان را

؎ شب کہ دل بے روی جانان ہای نار داشت   شمع ہم بر حالت او گریۂ بسیار داشت

؎ با آہ و اشک تا سر و کارم فتادہ است   آتش چو شمع در تن زارم فتادہ است

مہاراجہ رتن سنگھ بہادر زخمی بڑے ذی لیاقت و صائب الرائے انسان تھے، بریلی مین پیدا ہوئے، انکے پدر بزرگوار راے بالک رام وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کی ڈیوڑھی مین میر آتش کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ لکھنؤ مین بالک گنج انھین کے نام سے مشہور ہے۔ مہاراجہ رتن سنگھ کو دربار اودھ مین بڑا وقار حاصل تھا۔ نواب غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر شاہان اودھ نور اللہ مرقدہما کے عہد حکومت مین منشی الملوکی کی خدمت پر مامور تھے، محمد علی شاہ بادشاہ سوم ملک اودھ کے زمانہ مین منصب "دیوانی" ارزانی ہوا۔ انکا پورا خطاب فخر الدولہ دبیر الملک مہاراجہ رتن سنگھ بہادر ہوشیار جنگ تھا ۱۲۶۱ھ مین اسلام کی حقانیت پر لبیک کہا اور ۱۲۶۴ ہجری مین تین سال کے بعد انتقال کیا۔ اکثر علوم متداولہ، عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، سنسکرت وغیرہ مین

دسترس تھی۔ شعر گوئی مین جذبات نگاری کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔

؎ چو بگفتم کہ بمردم ز غمت باور نبود او را　　بحمد اللہ کہ او مرگم بچشم خویش دید آخر

؎ برار تیغ و بیک زخم کار من آسان کن　　کہ نیست حل شدنی عقدۂ کہ من دارم

؎ بخشد اگرم جان دم بسمل عجبے نیست　　آبے ست دگر خنجر آن عہد شکن را

لالہ شیورام حیا اکبرآبادی | قوم کے کائستھ اور بھٹناگر تھے۔ متصدی نواب اسد خان وزیر عالمگیر بادشاہ کے خلف الرشید سے تھے۔ حیا، ہمت، مروت و حسن خلق وغیرہ اوصاف حمیدہ مین معروف تھے، طبیعت موزون، مزاج رنگین پایا تھا، نازک خیالی و معنی آفرینی مین زیادہ توغل تھا۔ مرزا عبد القادر بیدل سے اصلاح لیتے تھے۔ ایک کتاب "گلگشت بہار ارم" بطرز چہار عنصر مرزا بیدل تصنیف کی ہے جو بجاے خود انکی کمال استعداد پر دال ہے۔ ۱۱۴۳ھ مین وفات پائی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

؎ بیاد چشم تو داریم مے پرستیہا　　رسانده ایم بگردون دماغ ہستیہا

؎ جز سر مجنون و دست گلرخان سنگی نداشت　　امتیانے بود در ایام پیشین سنگ را

؎ در بیابانیکہ ما داریم صبر از تشنگی　　سبنہ مالد بر زمین چون سایہ ابر از تشنگی

لالہ لچھمن لال بہجت | قصبہ بلگرام کے رہنے والے تھے۔ ذہانت، رطباعی، خوش فکری کے ماسوا شیرین کلامی سے کافی بہرہ تھا، عوض رائے مسرت سے تانیوری سے مشورہ کرتے تھے۔

؎ گر بود صبر رسد درد بدرمان روزی　　حیف صد حیف کہ من [illegible]

؎ بتعظیم رقیبان تا بکے ہر پا برخیزم　　ہمان بہتر کہ من از بزم او یکبار برخیزم

بخشی کنج منوہر لال توش | دیوان دولت اسے کے خلف الرشید اور اپنے خاندان کے مایہ ناز تھے۔ گو انکے آبا و اجداد قنوج کے باشندے تھے، مگر یہ خود بھوپال مین پیدا ہوئے اور یہین کی آب و ہوا مین نشو و نما پائی۔ سن تمیز کو پہونچ کر تحصیل علم سے فارغ ہوے تو ریاست نے قدر افزائی کی، اور وقتاً فوقتاً عہدہاے جلیلہ پر ترقی دی۔ ادائے نواب قدسیہ بیگم صاحبہ کے زمانہ ولیعہدی مین مختار ایسا [illegible] اور

پالکی، مالائے مروارید، فیل، خلعت فاخرہ وغیرہ خاص مراعات شاہجہانی سے سرفراز ہوتے رہے، پھر نواب سکندر بیگم صاحبہ مرحومہ نے انکو جوہر قابل پاکر ضلع مشرق کا ناظم کر دیا، اور یوماً فیوماً اعتماد و امتیاز مین اضافہ فرماتی رہین۔

بالجملہ ۱۲ سال کی عمر مین تقریباً ہر قسم کے تجربات و شاندار معلومات مین طاق ہوگئے دور شاہجہانی گذرا تو عہد سلطانی نے ہاتھون ہاتھ لیا، قابلیت کی کہان قدر نہین پھر عہد سلطانی تو گویا ایسی باکمال ہستیون کا پہلے ہی سے متلاشی تھا، صدر نشین ہوتے ہی شاہزادون کے اتالیق قرار پائے اور میر منشی خاص کی خدمت بھی انھین سے متعلق ہوئی بخشی صاحب مرحوم جامع کمالات بزرگ تھے نہایت منکسر المزاج اور سلیم الطبع، جس سے ملتے تھے، باوجود اعزاز و جاہ، بے تکلف ملتے تھے۔ علوم ادب مین مولوی عبداللہ صاحب مفتی و مولوی احمد گل صاحب نائب مفتی کے شاگرد تھے، نثر فارسی مین نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم سے فخر تلمذ حاصل تھا۔ بڑے مقبول انشا پرداز تھے، انکی فارسی نثر کا اچھے اچھے مضمون نگارون نے لوہا مانا تھا، عبارت پاکیزہ، ترکیبین دلنشین، بندش شستہ، خیالات بلند، الفاظ شگفتہ، معانی سیراب انکی خصوصیات ہین۔

وفات کے سات آٹھ سال پہلے سے رئیسہ عالیہ دام اقبالہا کے کانفیڈنشل سکرٹری تھے۔ اور تا دم آخر اسی عہدہ پر فائز رہے۔ افسوس ہے کہ بخشی صاحب اکہتر سال کی عمر مین بتاریخ ۹ ستمبر سنہ ۱۹ء ھ رہگرائے عالم فانی ہوے۔ مرحوم کی شاعری کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہوگا۔

؎ چون نگہداریم مہ در دل عشق پنہان ترا	اشک بجز و میچکد از دیدہ باران ترا
؎ تو وحریف و دلم سوختن بحسرت چند	اگر نہ وصل بیک بوسہ میتوان دریاب
؎ دل کہ عرفی برد طرز کلامش نگر	جان کہ بہ تن درد مد لطف پیامش نگر
؎ نام مسیحا مبر جنبش لعلش ببین	حرف ز محشر مزن طرز خرامش نگر
؎ یاران بگمیند و سے عشق رسا تر	راز نگہ بدل ہست ز افواہ نگہدار
؎ جور و بیداد گری شیوہ محبوبان ست	لیک ہم مہربانند از جفا پا بستی

۵　این زمانیکہ سر تست مرا بر زانو　　　فرصتت باد بفرما چہ مرا بایستی

منشی ہرگوپال تفتہ | قوم کے برہمن اور مرزا غالب کے شاگرد رشید تھے - انکی شاعری کا کیا کہنا، آخر اسی باغ کے پھول تھے جسکی نکہت بیز ہواؤں نے ایران تک کو مہکا دیا تھا - پھر خود بھی قدرت سے نکتہ رس دماغ درد مند دل ساتھ لائے تھے، راتدن اُستاد سے صحبت رہتی تھی، آپ جو کچھ کہتے تھے خوب کہتے تھے - اسپر اصلاح سونے پر سہاگہ کا کام کرتی تھی - انکی تلاش، بلند فکری، انتہا درجہ کی پرگوئی، پھر تخیل کی نزاکت، جذبات شعر کی خصوصیت اہل ذوق سے پوشیدہ نہیں - ہائے کیا زمانہ تھا اور کیسے لوگ تھے اب تو جو دم گزرتا ہے غنیمت ہے، ایک وہ وقت تھا جب تفتہ جیسے طالب اور غالب جیسے باکمال اُستاد بے دامون مل جاتے تھے، ایک یہ وقت ہے کہ اگر اتفاق سے کوئی ماہر فن مل بھی جائے تو قدردانی معلوم حضرت تفتہ کے سوانح زندگی نہایت تاریکی مین ہین تفصیلی حالات دستیاب نہو سکے اگر بعد میں مزید کچھ اور معلومات بہم پہونچین تو انشاء اللہ جداگانہ نذر زمانہ ہوگی - انکے پانچ دیوان ہین اور تقریباً ہر دیوان مین تیرہ ہزار شعر تلاش کرنیوالا کہان تک تلاش کرے اور لطف اُٹھانے والا کب تک لطف اندوز ہو - ہائے کیا کہتے تھے -

۵　حسرت ہلاک بیکسئی آنکہ بر درت　　　با جان خستہ آمد و با چشم تر گذشت

۵　بہ بختیم ز خویش نہ تنہا برد مرا　　　خواب ار شوم ز چشم تو شبہا برد مرا

۵　دردے کہ جان ما طلب آرزوئے ماست　　　مرگے کہ روبما بنماید شفائے ماست

۵　ما نہ تنہا دیدہ پر نم کردہ ایم　　　انچہ نتوان کرد آنہم کردہ ایم

　　داردا از خود رفتنہا عالمے　　　رفتہ ایم و سیر عالم کردہ ایم

۵　اے زخم بو ہمت لب خندان کیستی　　　اے داغ بوئیت گل بستان کیستی

۵　تیغ اُفتاد از کف قاتل　　　زندگانی و بال گردن کیست

　　میدود چپار سو نمیدانم　　　برق گرم تلاش خرمن کیست

راجہ گنگا پرشاد بدر　لکھنؤ کے مہذب و سنجیدہ کایستہ تھے، انکے باپ دادا سرکار اودھ مین

خدمات جلیلہ پر سرفراز تھے ۔ یہ خود انقلاب عظیم کے بعد واجد علی شاہ خاتم السلاطین اودھ کے حضور مین دفتر خاص کے سررشتہ دار ہو گئے سیاق دسیاق مین ماہر محاورات وسلاست مین کامل تھے، شعر گوئی مین گل محمد خان ناطق سے فیض پایا تھا۔

؎ ازہجوم داغ بر دل گلستان داریم ما　　　نے غم گلچین نہ اندوہ خزان داریم ما

؎ از خم طرۂ اُش معاذ اللہ　　　من و اندیشۂ رہائیہا

؎ سر در ہوائے زلف معنبر نہادہ ایم　　　یارب عجب سریست کہ در سر نہادہ ایم

؎ میکشان مژدہ کہ از کعبہ بہ میخانہ شدم　　　سبحہ بگسستم وہم مشرب پیمانہ شدم

لالہ مٹھو لال مرشد | الہ آباد کے خوشگو شاعر اور شاہ ایم الہ آبادی کے نظر کردہ تھے، سلاست وپاکیزہ خیالی انکے کلام سے ہویدا ہے، تلاش بھی قابل داد ہے سنہ وفات معلوم نہوا۔

؎ چہ اندیشہ از شہر و باز ار داری　　　چو فرہاد گر عمرہا کار داری
مدارید چشم ترحم ز چشمش　　　نباید ز بیمار بیمار داری

؎ تشنۂ خون عزیزان تیغ جلاد من است　　　بخت اگر یاری کند بیداد و داد من است

؎ دل را ز بند زلف تو آزاد میکند　　　مشاطہ را ببین کہ چہ بیداد میکند

؎ اسرار نہان مرشد از دل بلب ما　　　ہیہات کہ شد مہر لب ما ادب ما

لالہ درگا پرشاد مدہوش | بڑے خوش اخلاق اور نیک مزاج شخص تھے، دراصل دہلی کے باشندے تھے ۔ انکے دادا راجہ رام رتن محمد شاہ بادشاہ کے معتمد ملازم تھے اور باپ بجے نرائن، شاہ عالم بادشاہ کے اراکین سلطنت مین شامل تھے ۔ مدہوش نے جب ہوش سنبھالا تو تعلیم وغیرہ کی طرف توجہ ہوئی اور اسی سلسلہ مین کانپور کو وطن بنانا پڑا، قاضی محمد صادق اختر کے دوست تھے انھین سے اصلاح بھی لیتے تھے، زندگی بکمال فراغت بسر کی، کبھی زمانہ کی گردش نے شکایت کا موقع نہ دیا [illegible]ھ مین دنیا کو خیرباد کہا شعر خوب کہتے تھے ۔

؎ از شکم بسکہ خون می آید از ہم کلام　　　آرزوے دیدہ شاید انتہاے گریہ است
دوش کز طوفان اشکم تن غریق آب بود　　　حلقۂ چشم درو چون حلقۂ گرداب بود

حشر برپا گشت بیداری نصیب ما نشد ‏ ‏ ‏ ‏ زرنت شکینش مگر زنجیر پائے خواب بود

سہ شکستہ پائی من دستگیر شد آخر ‏ ‏ ‏ ‏ نیافتم چو بجز دتاب جستجوے ترا

ہیرالال عرف شیام سندر سرشار قصبہ کاکوری کے رہنے والے تھے، سیاق سباق، نظم فارسی بھاشا اُردو وغیرہ فنون مین خاصے ماہر تھے، ایک مدت تک سررشتہ بخشیگری دربار اودھ مین ملازم رہے، پھر چاشنی معرفت سے آشنا ہوکر دنیاوی تعلقات سے منھ موڑ لیا، بقیہ زندگی عبادت و ریاضت مین بسر کی سنہ ۱۲۸۳ھ مین انتقال کیا۔ ایک دیوان و مثنوی انکی یادگار ہے۔

بشگفت گل کہ تا چو رخ او شود نشد ‏ ‏ ‏ ‏ گردید آب تا عرق او شود نشد

ہر چند جلوہ کرد بصد رنگ بر فلک ‏ ‏ ‏ ‏ قوس قزح مشابہ ابرو شود نشد

لالہ اندرمن کنول رام ولد کنورسین کے فرزند تھے۔ اورنگ آباد ضلع علی گڑھ مین پیدا ہوے۔ علوم ادبیہ کا مذاق اچھا تھا، جو کچھ پڑھا شوق سے پڑھا، فارسی مین شیخ نظام الدین سکندرآبادی سے استفادہ کیا، سخن سنجی و موزون طبعی مین خوب شہرت پائی۔ پہلے شکیب تخلص کرتے تھے، پھر اپنا نام ہی بجاے تخلص کے اختیار کیا، اگرچہ آنکھین عین جوانی مین بے نور ہوگئی تھین، لیکن حافظہ اتنا قوی تھا کہ اپنی ساری نظم و نثر نوک زبان تھی جسین قلی خان مولف تذکرہ نشتر عشق سے محبانہ تعلقات تھے، مولف مذکور نے اپنی کتاب مین اندرمن کے بہت سے اشعار و حالات لکھے ہین۔

سہ صد جلوہ در کرشمہ آن ماہ پارہ ہست ‏ ‏ ‏ ‏ این ماہ نو زابروے اویک شارہ ہست

سہ تا بحسن نمکینش نظر افتادمرا ‏ ‏ ‏ ‏ نمکے تازہ بزخم جگر افتادمرا

تا شدم محو لب و زلف و رخ رعنائے او ‏ ‏ ‏ ‏ از کلامم شکر و مشک و گلاب آید برون

غالباً اتنی مثالین ایک قیقدرس نگاہ کیلیے تحقیق حق کا کافی ذریعہ ہوسکتی ہین اسلیے اب مزید شہادتونکی ضرورت نہین، جہان تک میرا خیال ہے، مین مذکورہ بالا شاعرونمین فارسیت کا وہی انداز نمایان دیکھتا ہون جو عام نقطۂ خیال سے، ہندوستان کے عام مسلمان شاعرونکا مایۂ فخر ہو، ان چند مخصوص نظیرون مین ایسی ہین جو اس کلیہ سے خارج ہین لیکن وہ وہی ہین جنکا کلام اہل زبان کی طرز سے مستغنی ہو

دبو الفضل محمد زکریا مائل تھانوی

ہندوستانی

(۱)

خانصاحب کو رنگ مین شرابور دیکھکر اُنکا ملازم غفور بولا "اے حضور یہ رنگ کیسا؟"

خانصاحب نے جواب دیا "بھئی کیا کہوں کشوری لال کے یہاں بیٹھا ہوا تھا وہاں ایک صاحب نے ناواقفیت کی وجہ سے مجھپر بھی یہ عنایت کردی"

غفور "یہ کون مردود تھا۔ خدا کی قسم اگر بابو کشوری لال کے گھر کی بات نہ ہوتی تو ابھی جا کے ٹانگین چیر ڈالتا مردک کی۔ وہ بھی کیا یاد کرتا کہ کسی کے ساتھ ہولی کھیلی تھی"

خانصاحب نے کہا "ارے بھئی اُنکو معلوم ہوتا کہ مین مسلمان ہون تو وہ کبھی ایسی جرأت نہ کرتے۔ کشوری لال نے بعد کو اُنھین بہت قائل معقول کیا۔ وہ بھی بڑے شرمندہ ہوئے، معافی دانی مانگنے لگے۔

غفور "تو حضور غسل کر کے کپڑے بدل لین"

"ہان غسل کر ڈالون گا" یہ کہتے ہوئے خانصاحب مکان کے اندر چلے گئے۔ مکان مین پہونچتے ہی پہلے بیوی سے مڈبھیڑ ہوئی۔ خانصاحب کو اس رنگ مین دیکھ کے جھنجلا کر بولین "اوئی آج یہ کیا شکل بنائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوون کی صحبت بیٹھکر ہولی بھی کھیلنے لگے۔

خان صاحب "معاذ اللہ تم بھی کیا باتین کرتی ہو۔

— "تو آخر یہ صورت کیسے بنی؟

— "بابو کشوری لال کے یہان بیٹھا تھا ایک صاحب نے اورون پر رنگ چھوڑا نادانستگی سے مجھپر بھی پڑ گیا۔ لوگ ہان ہان کرتے ہی رہے مگر اُنھون نے کچھ خیال نہ کیا۔ جب اُنھین معلوم ہوا کہ مین مسلمان ہون تو بیچارے بہت خفیف ہوئے

عذرمعذرت کرنے لگے۔

—— "تو تمھیں آجکل ایسی جگہ جانا ہی کیا ضرور تھا۔ ہولی کے دنون مین تو ہندؤون پر شیطان سوار رہتا ہے"

—— "شیطان سوار رہتا ہے گنوارون پر اور غیر تعلیم یافتہ لوگون پر۔ یہ تو ایک ایک اتفاقیہ بات ہے۔

—— "کشوری لال کے گھر مین مجھے ان دنون کئی مرتبہ بلایا مگر مین اسی خوف سے نہین گئی۔ وہ بیچاری تو ہلوگون کی مذہبی باتون سے واقف ہین مگر انکے یہان اِدھر اُدھر کی مستانیان جمع ہوتی ہین وہ اتنا اودھم مچاتی ہین کہ توبہ ہی بھلی۔ اپنے آگے کسی کی نہین سنتین"

—— "ان لوگون کا تو تہوار ہے۔ انکے یہان تو رنگ کھیلنا لازمی امر ہے"

—— "اے تو انکے یہان ہوا کرے ہمارے یہان تو نہین ہے۔ خیر جو ہو ا سو ہوا۔ اب غسل کر ڈالو۔ کپڑے تو برباد ہی ہو گئے۔ یہ رنگ اب بھلا کیا چھوٹے گا۔

—— "کچا ہوگا تو چھوٹ جائیگا۔

یہ کہکر خانصاحب کپڑے بدلنے کے لیے اپنے کمرے مین چلے گئے۔ خانصاحب کی شرافت اور وضعداری کے سب قائل تھے۔ انکے صلح کل مزاج نے کیا ہندو کیا مسلمان سب کو انکا خیرخواہ بنا رکھا تھا۔ خصوصاً بابو کشوری لال تو خانصاحب کے برتاؤ سے اسقدر خوش تھے کہ خانصاحب کو اپنا سچا دوست سمجھتے تھے اور اکثر اپنے دوستون سے کہا کرتے تھے "اگر آج تک مجھے کوئی بے تعصب شخص ملا ہے تو وہ ہمارے محلہ کے عباس علی خان ہین۔ یہ غیر ممکن تھا کہ کوئی ہندو خانصاحب کو برا کہے اور بابو کشوری لال چپ چاپ سنا کرین۔ اکثر ایسا اتفاق بھی ہوا ہے کہ خانصاحب کے لیے کشوری لال ان لوگون سے جھگڑ پڑے جنکی رائے کے آگے وہ ہمیشہ سرتسلیم خم کرتے تھے۔ جب خانصاحب کو انکے اسطرح لڑنے جھگڑنے کی خبر ملتی تھی تو وہ کسی قدر تبسم آمیز ناراضگی سے کہتے تھے "بھئی کشوری لال تمھاری یہ عادت مجھے نہایت ناپسند ہے

تم خواہ مخواہ میرے لیے لڑتے پھرتے ہو۔ آخر تمھیں اس لڑائی جھگڑے سے ملتا کیا ہے؟ بلا وجہ کسی سے دشمنی پیدا کرنا۔ یہ کونسی دانشمندی کی بات ہے۔ کشوری لال اسکے جواب میں جوش کے ساتھ کہا کرتے تھے۔ خانصاحب آپ کی کوئی شخص برائی کرے اور میں خاموش سنا کروں۔ مجھسے تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مجھے ان لوگوں کی بات پر سخت غصہ آتا ہے جنکو آپ کی بابت کچھ بھی واقفیت نہیں اور پھر خواہ مخواہ آپکی ذات پر حملہ کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔

خانصاحب ہنسکر کہتے تھے۔ بھئی تمھارا لڑکپن نہیں جاتا یہ افسوس کی بات ہے ارے میاں کسی کے حملہ کرنے سے ہوتا ہی کیا ہے۔ میں تو جیسا ہوں خدا کے فضل و کرم سے ویسا ہی رہوں گا۔ لوگ اپنا دل خوش کرتے ہیں۔ کرنے دو۔ اگر میری برائی کرنے سے کسی کا دل خوش ہوتا ہو۔ کسی کو نفع پہونچتا ہو تو کیا مضائقہ ہے مگر تمھیں میں یہ مشورہ نہیں دیتا کہ تم میرے لیے تمام زمانہ سے دشمنی مول لیتے پھرو۔

کشوری لال لاجواب ہو کر کہ دیا کرتے تھے۔ آپ کا فرمانا بجا و درست ہے مگر کروں میری طبیعت نہیں مانتی۔

کشوری لال کا مکان خانصاحب کے مکان سے قریب ہی تھا اسلیے فرصت کے وقت کبھی خانصاحب کشوری لال کے یہاں اور کبھی کشوری لال خانصاحب کے پاس جا بیٹھتے تھے۔ دونوں گھروں کی مستورات میں بھی سلسلۂ آمد و رفت جاری رہتا تھا شادی و غمی میں دونوں جانب سے شرکت ہوتی تھی۔ ہولی دیوالی میں کشوری لال کے یہاں سے خانصاحب کے یہاں کھانے پینے کی چیزیں بھی جایا کرتی تھیں۔ خانصاحب کے صاحبزادے بشیر احمد خان علی گڑھ کالج میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس سال فورتھ ایر کا امتحان دیکر مکان پر آئے ہوئے تھے۔ انھیں خانصاحب کا ہندوؤں کے ساتھ اس بے تکلفی سے ملنا جلنا بہت ناگوار گذرتا تھا انھوں نے خانصاحب سے اس بات کی شکایت بھی کی تھی مگر خانصاحب ہمیشہ انکی بات کو ہنسکر ٹال دیا کرتے تھے۔

(۲)

بشیر احمد خان اپنے ایک دوست کی ملاقات کو گئے ہوے تھے وہان سے وہ اسوقت لوٹے جبکہ خانصاحب غسل کر رہے تھے انکے دروازہ پر قدم رکھتے ہی غفور نے کہا "چھوٹے حضور - آج تو بڑے حضور نے انتہا کر دی - ہولی کھیل کر آئے ہین -

بشیر احمد چونک کر بولے "کیا کہا - ہولی کھیل کر آئے ہین ؟"

غفور "حضور خود جا کر دیکھ لیجئے - غلط نکلے تو چور کی سزا وہ میری سزا - اسوقت آپ موجود ہوتے تو تماشا دیکھتے

بشیر احمد "مجھے ایسی حرکتین پسند نہین - مین مذہب کے معاملہ مین بہت سخت ہون"

فتنہ پرداز غفور نے موقع مناسب سمجھ کے بشیر احمد کو بھڑکانے کے لیے کہا خیر جانے دیجئے جو ہوا سو ہوا -

—— "مجھے انکی سمجھ پر افسوس آتا ہے"

—— "تو خدا کے لیے جاتے ہی نہ الجھ پڑیئے گا ورنہ بڑے حضور سمجھ جاوینگے کہ غفور نے کچا چٹھا جڑ دیا - آپ اسوقت تو لڑ بھڑ کر ایک ہو جاوینگے مفت مین مجھ غریب کے ماتھے جائے گی - بشیر احمد نے اسکا کچھ جواب نہ دیا اور غصہ مین بھرے ہوے اندر پہونچے خانصاحب غسل کرکے تولیہ سے بدن پونچھ رہے تھے - بشیر احمد نے غفور کے خیال سے غصہ کو ضبط کرکے بہ نرمی پوچھا - آج یہ بیوقت غسل کیسا ؟

خانصاحب بشیر احمد کی خصلت اور انکے خیالات سے خوب واقف تھے اپنے بچھڑے کے دانت کون نہین پہچانتا - بشیر احمد کے سوال سے انکا دل دھڑکنے لگا دل کڑا کرکے ہنس دیے اور صرف اتنا کہا - کیا کہین بس ایک اتفاقیہ ضرورت پیش آگئی -

بشیر احمد نے ذرا تند لہجے مین کہا - اتفاق کیسا کچھ معلوم بھی تو ہو ؟

—— "کیا بتائین - فائدہ کیا جو ہوا سو ہوا -

بشیر احمد کی والدہ دالان مین بیٹھی پان بنا رہی تھین - انھون نے وہین سے کہا ارے تو اب چھپانے سے کیا فائدہ - بتلا کیون نہین دیتے - تم تو ایسے چھپاتے ہو

نہ جیسے قصداً ہولی کھیل کر آئے ہو۔

خانصاحب کچھ ناراض ہوکر بولے۔تمھاری عقل کو تو گھن لگ گیا ہے بھلا مین قصداً ہولی کھیلون گا؟ کہتے بھی شرم نہین آتی۔ نوصاحب اس بڑھاپے مین ہولی کھیلون گا۔ توبہ توبہ۔

بشیر احمد اپنے غصہ کی باگین ڈھیلی کرکے بولے۔ تو یہ کہیے آج آپنے ہولی بھی کھیل ڈالی۔

خانصاحب گھبرا کر بولے۔بیٹا تم بھی انکی باتون مین آ گئے۔عورتین تو ناقص العقل ہوتی ہی ہین۔کیا تمھین مجھ سے اُمید ہے کہ مین ہولی کھیلون گا؟

—"ابا جان۔قصور معاف۔ آپ کے مزاج سے یہ بات کچھ بعید نہین"

—"لاحول ولاقوۃ۔کیا کفر بکتے ہو"

—"چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔جب آپ ہی کفر کے حامی ہو رہے ہین تو مین اگر کفر بکون تو کیا گناہ ہے؟

—"بھئی پوری بات بھی سنوگے یا اپنی ہی کہے جاؤگے۔کشوری لال کے یہان مین بیٹھا ہوا تھا۔وہان انکے ایک دوست آئے۔ان بیچارون کو یہ معلوم نہ تھا کہ مین مسلمان ہون۔دھوکے مین مجھپر بھی رنگ ڈال دیا۔اب تمھین بتاؤ اسمین میرا کیا قصور۔قصور تو انکا بھی نہین۔انھین میرے مسلمان ہونے کا علم ہوتا تو ایسا کیون کرتے۔

—"قصور سراسر آپ کا ہے۔آپ اپنی وضع ایسی کیون رکھتے ہین جس سے دھوکا ہوا۔ ابا جان اُس روز میرے دوست احمد مرزا آئے تھے اُنھون نے بھی دبی زبان سے کہا تھا بھئی بشیر برا نہ ماننا تمھارے والد صاحب آدھے ہندو ہین۔ اللہ جانتا ہی اُسوقت مین شرم کے مارے عرق عرق ہوگیا۔میرے منھ سے جواب نہ نکلا۔اور جواب ہو ہی کیا سکتا تھا۔انکی آنکھون کے سامنے تو مثال موجود تھی۔اور ایک احمد مرزا ہی پر کیا۔جو سچا مسلمان دیکھتا ہے وہی یہ بات کہتا ہے۔چھوٹے چچا بھی بارہا یہی بات کہہ چکے ہین۔کئی بار اُنسے اور ابا جان سے اسی بات پر بحث ومباحثہ بھی ہو چکا ہے۔

خانصاحب بولے۔ تمھارے چھوٹے چچا مین تو تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہے اور مجھے تعصب سے نفرت ہے۔ میرا تو اُصول یہ ہے کہ ہندو مسلمانون کو اس طرح رہنا چاہیے گویا دونون بھائی بھائی ہین، رہا مذہب، اُسکے متعلق یہ کافی ہے کہ عیسی بدین خود۔ موسی بدین خود۔

—"سبحان اللہ، کیا اچھا اُصول ہے"۔

خانصاحب چوکی سے اُتر آئے اور اپنا کرتہ پہنتے ہوے بولے۔ اب آجکل جبکہ ہندو مسلم کے اتحاد کا سوال اس زور شور سے چھڑا ہوا ہے اور ہمارے و نیز ہندوون کے بڑے بڑے علما اور لیڈر اسکے حامی ہین تب تم اس اُصول کو غلط نہین کہ سکتے۔

—"مین کہتا ہون سب فضول ہے۔ ہندو مسلم یونیٹی کا سوال ایک ایسا سوال ہے جو کبھی حل نہین ہو سکتا۔ این خیال است و محال است و جنون۔ اسلام کبھی کفر کا شریک نہین ہو سکتا۔

—"اگر ہملوگون کو ہندوستان مین رہکر آزادی حاصل کرنا ہے تو ایسا ضرور کرنا پڑے گا۔

—"مین پوچھتا ہون کہ کیا ہندو آپ کی شرکت تسلیم کرینگے؟ ہندو مسلم یونیٹی کے سوال مین سب سے زیادہ الجھن ہندوُون کی جانب سے پیدا کیجاتی ہے ذرا غور تو کیجیے کہ ہملوگ تو ہندوون کے گھر کا پکا ہوا کھانا کھالین اور وہ ہمارے چھوئے ہوئے برتن مین پانی تک نہ پیین۔ ابھی اُس روز ریل مین جس برتھ (سیٹ) پر مین بیٹھا ہوا تھا اُسپر ایک ہندو بھی بیٹھے ہوے تھے۔ اُنھون نے اٹاوہ کے اسٹیشن پر پوریان خریدین۔ اوپر کے برتھ پر میری شیروانی رکھی تھی اُسکا ایک کونہ لٹکا ہوا تھا اتفاقاً اُنکی بداحتیاطی کی وجہ سے شیروانی کا کونہ پوریون کے دونے سے چھو گیا بس اُنھون نے فوراً پوریان پھینکدین۔ دوسری خریدین۔ بخدا میری آنکھون مین خون اُتر آیا۔ مین نے اُسی وقت یہ عہد کر لیا کہ مین بھی کبھی کسی ہندو کی چھوئی ہوئی چیز نہ کھاؤن گا۔ اگر کھاؤن گا تو صرف اُس ہندو کی چیز جسکو میری چھوئی چیز

کھانے سے پرہیز ہوگا۔ جو لوگ ہملوگون سے اتنی نفرت کرتے ہون اُنسے ہم کسطرح ملسکتے ہین
بشیر احمد کی والدہ بولین بیٹا یہ بات تو تمنے خوب کہی سچ کہون مجھے بھی یہ بات بڑی ناگوار گزرتی ہے۔ مین جب کشوری لال کے یہان جاتی ہون اور وہ کوئی چیز دیتی ہین تو اسطرح جیسے اپنے حساب کسی مہترانی کو دے رہی ہین۔ دورسے۔ کچھ کھلاوینگی تو الگ ایک کونے مین بٹھاکر۔ مجھے بڑی شرم معلوم ہوتی ہے۔ مگر کیا کرون ضبط کرتی ہون۔ موئی آنکھون کی مروت سے سب سہنا پڑتا ہے۔ یہ سوچتی ہون کہ ان لوگون کے یہان ایسا ہی دستور ہے یہ بیچاری کیا کرین۔

بشیر نے کہا میرے کہنے کا اور کیا مطلب ہے۔ مین بھی تو یہی کہتا ہون۔ ہملوگ اپنا قاعدہ کیون چھوڑین۔ تالی دونون ہاتھون سے بجتی ہے۔

خانصاحب اسموقع پر لاجواب ہوگئے۔ فطرت انسانی کے مطابق اُنھین دل مین یہ بات قبول کرنی پڑی۔ اُنھون نے اسکی سچائی کو محسوس کیا۔ بولے۔ تمھارے دلائل ٹھیک ہین مگر چارہ ہی کیا ہے۔ یہ بات تو زمانۂ سلف سے چلی آرہی ہے۔ کوئی نئی بات نہین اسے وہ لوگ کیسے ترک کرسکتے ہین۔

بشیر۔ تو معاف کیجیے۔ ہمارے یہان بھی جو بات سلف سے چلی آرہی ہے اُسے ہم بھی ترک نہین کرسکتے۔

بشیر کی والدہ بولین۔ اے تو اب اس بحث مباحثہ سے کیا حاصل۔ محنت رمفت) کی ٹھائین ٹھائین۔ بشیر بیٹا جاؤ تم کپڑے بدلو۔ مجھے ان باتون سے نفرت ہے۔ ایک بات کو لیکے گھنٹون رٹنا۔ جو ہوا سو ہوا۔ گزشتہ را صلواۃ۔

بشیر۔ ہان گزشتہ را صلواۃ مگر آیندہ را احتیاط۔ اسکا بھی خیال رہے۔ یہ کہکر بشیر اپنے کمرے مین چلے گئے۔

(۳)

—— "حضور۔ بابو کشوری لال کے یہان سے شیرینی آئی ہے"

خانصاحب گھر مین تھے نہین۔ بشیر احمد غفور کی بات سُنتے ہی باہر نکل آئے اور

غفور سے بولے - کون لایا ہے؟

—" انکا ملازم - دروازہ پر خوان لیے کھڑا ہے - اندر سے کوئی برتن منگوا دیجئے تو اسمین لے لون - اچھا آپ کیون تکلیف کرینگے مین ہی ماما کو آواز دیے لیتا ہون

یہ کہکر غفور زنانی ڈیوڑھی کی طرف بڑھا - بشیر احمد بول اُٹھے - رہنے دو ماما کو آواز دینے کی کوئی ضرورت نہین - واپس کر دو -

غفور نے حیرت زدہ ہوکر بولا - واپس کر دون؟

—" ہان واپس کر دو "

—" کیون؟ "

بشیر احمد چین بجبین ہوکر بولے " جو مین کہتا ہون وہ کرو "

—" غلام کی کیا مجال جو حضور کے حکم سے انحراف کرے مگر بات صرف اتنی ہے کہ بڑے حضور سنین گے تو سخت ناراض ہونگے "

—" اُسکی ذمہ داری مجھپر ہے تم تو میرے حکم کی تعمیل کر رہے ہو -

—" مجھے حکم کی تعمیل مین کوئی عذر نہین مگر حضور اچھی طرح اسپر غور کرلین بڑے حضور کی اور بابو کشوری لال کی ——————!

—" ہان ہان یہ سب مجھے معلوم ہے مگر کوئی پروا نہین - واپس کر دو -

—" جیسی حضور کی مرضی -

یہ کہکر غفور چلا گیا - تھوڑی دیر بعد واپس آکر بولا - واپس کر دی مگر گستاخی معاف - حضور نے آج بڑا غضب کیا - بابو کشوری لال کو بڑا صدمہ ہوگا -

—" ہونے دو - یہ لوگ اسی قابل ہین - ہمارا اور اِن لوگون کا میل کیا؟

—" یہ تو حضور ایک بار پھر کہین - رات اور دن کا بھی کہین میل ہوا ہے سیاہی اور سفیدی کبھی ایک ہو سکتی ہین؟

—" ابا جان ہندون سے شیر و شکر ہونا چاہتے ہین مگر مین یہ کہتا ہون کہ یہ بات غیر ممکن ہے "

——"کیا بات کہی ہے حضور نے۔ واللہ قسم ہے دادی جان کی یہی بات بارہا میرے دل میں آئی۔ مگر حضور زبان پر لانے کی جرأت نہوئی۔ کاہے سے کہ حضور میری بساط کیا۔ ٹکے کا آدمی۔ حضور کی جوتیوں کے صدقے میں آج سیر آٹے سے لگا ہوا ہوں۔ پڑھا لکھا بھی کچھ نہیں۔ خدا بخشے ابا جان نے بہتیرا چاہا۔ لاکھ لاکھ کوشش کی مگر نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا۔ گھر سے بستہ بغل میں داب اسکول کے لیے چلے اور پریٹ (پریڈ) پر آ کر ڈٹ گئے۔ دن بھر گلی ڈنڈا کھیلا۔ کنکوے اڑائے۔ شام ہوئی اور گھر جا پہونچے۔ سو حضور جیسا کیا ویسا بھگت رہے ہیں۔ مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے حضور کی جوتیوں کے طفیل میں روٹی کپڑا ملا جاتا ہے مگر دیکھئے آج بڑے حضور کی اور آپ کی کیسے نپٹے۔ قسم قرآن کی سنتے ہی آگ بگولا ہو جائینگے۔۔

——"دیکھا جائیگا"

یہ کہکر بشیر احمد مکان کے اندر چلے گئے۔

دو گھنٹہ بعد جب خانصاحب واپس آئے تو انھیں معلوم ہوا کہ کشوری لال کے یہاں سے شیرینی آئی تھی وہ بشیر احمد نے واپس کر دی۔ سنتے ہی خانصاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ بولے کسکے حکم سے واپس کی گئی۔ بشیر احمد نے سامنے آکر کہا "یہ گستاخی مجھسے سرزد ہوئی ہے"

خانصاحب "تمنے ایسا کیوں کیا؟"

——"اسلیے کہ میں انسے کسی طرح کا تعلق رکھنا نہیں چاہتا اور آپ سے بھی ایسی ہی استدعا کرتا ہوں"

خانصاحب "تو تمھارا منشا مجھے ضعیفی میں روسیاہ بنانے کا ہے"

——"ہرگز نہیں۔ خدا نہ کرے"

——"کیوں نہیں۔ کشوری لال اپنے دل میں کیا کہیں گے اور جو کوئی سنے گا وہ کیا کہے گا؟

——"زمانے کے کہنے کی پروا کرنا فضول بات ہے۔ البتہ کشوری لال کی ناخوشی کا

مین ذمہ دار ہون۔ جب کچھ کہین تو آپ سارا الزام میرے سر ڈال دیجیے گا۔ مین اُنسے گفتگو کر لونگا۔ اگر اسکے بعد بھی وہ میری اس حرکت کو نامناسب بتا دین تو مین قصور وار "

خانصاحب کا غصہ اس دلیل کے سامنے جو نہایت ادب اور نرمی کے ساتھ پیش کی گئی تھی بیکار ہو گیا۔ اُنھون نے سوچا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا۔ بشیر بھی کوئی نا سمجھ بچہ نہین، تعلیمیافتہ ہے۔ میری رُسوائی نہ چاہیے گا۔ ضرور اُسنے کوئی بچاؤ کا پہلو سوچ رکھا ہوگا۔ ظاہرا پہلو تو یہی ہے کہ اُسنے بھی وہی بات کہی گا جو مجھسے کہی تھی۔ خیر۔ ہرچہ بادا باد۔

یہ سوچکر بزرگانہ لہجے مین کہا۔

کچھ بھی ہو تمھاری یہ ناشایستہ حرکت مجھے نہایت ناگوار گذری ہے۔ اگر تم اپنی گفتگو سے بابو کشوری لال کا دل میری جانب سے صاف نہ کر سکے تو مجھے سخت صدمہ ہوگا۔

یہ کہکر خانصاحب اپنے کمرے مین چلے گئے۔

شام کو بابو کشوری لال خانصاحب کے پاس دوڑے آئے اور آتے ہی کہا۔

اجی خانصاحب یہ کیا بات ہے؟ آپ نے آج شیرینی کیون واپس کر دی؟ یہ معاملہ کیا ہے؟ مجھسے کیا خطا سرزد ہوئی؟ مین اُسی وقت سے ایک اُلجھن مین ہون، کچھ سمجھ مین نہین آتی۔

خانصاحب مجبور ہوکر بولے۔ بھئی کشوری لال تنہا مین مکان پر موجود نہ تھا میری عدم موجودگی مین بشیر سے یہ گستاخی سرزد ہوئی۔ خدا جانے کیون۔ اِسکی جوابدہی اُسی کے ذمہ ہے۔ بیٹھو مین اُسے بھی بلوا تا ہون۔ (غفور کو آواز دے کر) غفور۔ ذرا بشیر کو بلا لینا۔ کیا کہون مجھے بھی بڑا استعجاب ہوا اور غصہ بھی بہت آیا۔ مگر بشیر نے کہا کہ وہ تمھین مطمئن کر دے گا۔ اس لحاظ سے غصہ کو ضبط کیے بیٹھا ہون۔ کیا کرون۔ برابر کا بیٹا ہے اور تعلیمیافتہ۔ اُسکی بھی سُن لینا مناسب ہے دیکھو کیا کہتا ہے"

کشوری لال نے کہا۔ صاحبزادے مجھسے اتنے ناراض کیون ہو گئے۔ مجھسے تو

تو انکی شان مین کبھی ــــــ

کشوری لال کی بات ختم ہونےکے پہلے ہی بشیر آ گئے۔

بشیر کو دیکھتے ہی خانصاحب نے کہا۔بھئی بشیر کشوری لال شکایت کر رہے ہین اور انکی شکایت میرے سر آنکھون پر۔مگر، اسہ باد صبا این ہمہ آوردہ تست ۔

بشیر نے کشوری لال کو مخاطب کرکے کہا۔ بلاشک اسمین اباجان کا ذرا بھی قصور نہین۔قصور جو کچھ ہے وہ میرا ہے۔مین نے اباجان کی عدم موجودگی مین شیرینی واپس کر دی۔

کشوری لال نے کہا۔"مگر اسکی وجہ؟

بشیر۔بہت بڑی وجہ تو یہ ہے کہ جب آپ ہمارے گھر کی اور ہماری چھوئی ہوئی چیز نہین کھاتے تو ہم آپ کی اور آپ کی چھوئی ہوئی چیز کیون کھائین۔

کشوری لال کو ایسا جواب ملنے کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔کچھ لمحہ تک وہ سکتہ کی حالت مین رہے۔سمجھ مین نہ آتا تھا کہ اسکا کیا جواب دیا جاوے۔آخرکار سنبھل کر بولے یہ تو کوئی نئی بات نہین ہے۔

بشیر۔یہ کوئی دلیل نہین ہے۔اتحاد اور میل کی پہلی بات یہ ہے کہ وقت مقررہ پر آپ ہمین اپنے ہاتھ سے کھلا سکین اور ہم آپ کو۔جب آپ ہمارے ہاتھ کا چھوا ہوا پانی بھی نہین پی سکتے تو پھر الفت اور محبت کا کیا ذکر؟ ہم اس توہین کو کبھی برداشت نہین کر سکتے کہ ایک جانب تو آپ یہ کہتے پھرین کہ خانصاحب کو ہم حقیقی بھائی کے مانند سمجھتے ہین اور دوسری جانب یہ کہ اگر خانصاحب کا کوئی کپڑا آپ کے کسی کھانے کی چیز سے چھو جائے تو آپ اسے نالی مین پھینکدین۔

کشوری لال "۔آپ تو مذہبی باتون پر آ گئے"

بشیر "مذہب کو بالائے طاق رکھدیجئے۔ملکی معاملات کے نقطہ نظر سے اسپر غور کیجئے یہ زمانہ ترقی کا ہے۔ہمکو چاہیے کہ ہم زمانہ کی روش پر چل کر اپنی ہستی قائم رکھنے کی کوشش کرین اور دوسری قومون کے سامنے ممتاز بنین۔پرانی لکیرین پیٹنے

سے اب کام نہین چل سکتا۔ کیا آپ بتلا سکتے ہین کہ اگر ہمکو برٹش قوم کی غلامی سے نجات مل گئی تو ہندو مسلمانون کے یا مسلمان ہندو ون کے ماتحت ہوکر رہ سکتے ہین۔ مین تو کہتا ہون کہ اب یہ غیر ممکن ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر آج ہم آزاد ہو جائین تو مسلمان اور ہندوؤن مین مذہبی تعصب اور چھوا چھوت کے ایسے جھگڑے اٹھ کھڑے ہونگے کہ ہم ایک بلا سے نکلکر دوسری بلا مین پھنس جاوینگے جو پہلی بلا سے زیادہ مہلک ہوگی۔

کشوری لال "بندہ پرور آپ ہملوگون پر جو الزام رکھتے ہین وہی الزام آپ پر بھی آتا ہے کیا آپ ٹھنڈے دل سے کہ سکتے ہین کہ آپ لوگ ہمکو اسی نظر سے دیکھتے ہین جس نظر سے ایک مسلمان کو دیکھتے ہین۔ فرض کر لیجئے کہ آج مین آپ کے ساتھ ہم پیالہ وہم نوالہ ہو جاؤن تو کیا آپ کے دل سے یہ خیال جاتا رہے گا کہ مین کافر ہون۔ آپ لوگ گائے کی قربانی کرتے ہین اس سے ہملوگون کو کسقدر روحانی تکلیف پہونچتی ہے۔ کیا آپ اسے ہمیشہ کے لیے خیرباد کہ سکتے ہین؟"

—— یہ تو مذہبی بات ہوئی۔ ملکی بات یہ ہے کہ آپ ہندوستان مین پیدا ہوے ہندوستان مین رہتے ہین لیکن آپ کی ملکی دلچسپی ٹرکی کے ساتھ رہتی ہے۔ اگر ہندوستان آج آزاد ہو جائے اور کل ٹرکی ہندوستان پر قبضہ کرنے کی نیت سے اسپر حملہ کرے تو کیا آپ ہندوون کے ساتھ متفق ہوکر اور ہندوستان کو پنجے سے بچانے کی کوشش کرینگے؟

کشوری لال کے ان سوالات سے بشیر احمد چکرا گئے۔ انکو معلوم ہو گیا کہ کشوری لال کو غلطی سے انھون نے ملائم چارہ سمجھ رکھا تھا۔ کچھ دیر تک دم بخود رہنے کے بعد بولے۔ "اسمین کوئی شک نہین کہ سارا قصور آپ ہی کی جانب نہین ہے کچھ ہملوگونکی بھی خطا ہے"

کشوری لال۔ اب آپ راستہ پر آئے جناب سچ بات تو یہ ہے کہ آپ لوگونکو اسوقت ہمپر الزام رکھنے کا حق حاصل ہوگا جب آپ اپنے دل سے ان باتون کا خیال دور کر دینگے کسی خاص حد تک مذہبی اختلاف برا نہین ہے آپ لوگون مین بھی ۷۲ فرقے ہین اور ہر ایک انمین سے اپنی فضیلت کا دعویدار ہے۔ ہملوگون مین بھی سیکڑون مت ہین۔ عیسائیون مین بھی رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کا جھگڑا ہے مگر

اسلئے کوئی نقصان نہین پہونچ سکتا۔ سوال تو یہ ہے کہ آپ اپنے کو ہندوستانی سمجھین۔ ہندوستان کے ہر ایک آدمی کو چاہے وہ کسی مذہب کا ہو اپنا بھائی سمجھین اور اُسکی جان و مال کی حفاظت کے لیے آپ زمانہ بھر کے مقابلہ مین کھڑے ہو سکین اُسکے حقوق بھی اتنے ہی ہون جتنے آپ کے ہین اسکی بہبودی کو آپ اپنی بہبودی سمجھین اُسکی عزت و آبرو کو آپ اپنی عزت و آبرو سمجھین۔ ہندوستان کو آپ اپنا ملک و اپنی چیز سمجھین جس روز آپ ان سب باتون پر دل سے عمل کرنے لگین گے اُسدن ہملوگ بھی آپ کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا اپنے فخر کی بات سمجھین گے اور اگر صرف یہ کہین کہ آپ ہمارے گھر کا کھا لیتے ہین اسیلئے ہم بھی آپ کے گھر کا پکا ہوا کھالین تو بندہ پرور یہ بات ناممکن ہے۔ آپ کا جی چاہے کھائیے جی چاہے نہ کھائیے۔ بلکہ ہم صرف چھوا ہوا ہی نہین کھاتے۔ آپ اگر ہملوگون کا سایہ پڑجانے تب بھی نہ کھائیے ہم خوش ہمارا خدا خوش۔ جب آپ اپنا طرز عمل نہین بدلتے تو ہم کیون بدلین۔ جب آپ پرانی لکیر نہین چھوڑتے تو ہم کیون چھوڑین۔

بشیر احمد بہت شرمائے۔ گئے تھے نماز بخشوانے اُلٹے روزے گلے پڑے۔ بڑی دیر تک سر گریبان مین ڈالے کچھ سوچتے رہے اسکے بعد سر اُٹھا کر بولے۔ اگر مین بذات خاص ان سب باتون کا اطمینان دلا دون تو؟

کشوری لال:۔ اگر آپ مجھے یہ یقین دلا دین کہ آج سے آپ ہندوستان اور ہندوستانیکو اُسی نظر سے دیکھنے لگے جس نظر سے کہ مین یا کوئی بھی سچا ہندوستانی دیکھ سکتا ہے تو مین آپ کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے تیار ہون۔

بشیر:۔ مین اسکے لیے تیار ہون،،

یہ کہکر بشیر اُٹھکر اپنے کمرے مین گئے اور قرآن شریف کی ایک جلد لے آئے۔

قرآن شریف کی جلد کشوری لال کو دکھا کر بولے:۔ اس سے آپ کو یقین ہو جاویگا،،

کشوری لال:۔ بلا شک،،

بشیر احمد نے قرآن شریف ہاتھ مین لیکر کہا۔ مین قرآن شریف کو گواہ کر کے قسم

کھاتا ہون کہ آج سے مین اپنے کو ہندوستانی سمجھون گا۔ ہندوستانیون کو دنیا کی تمام دیگر اقوامون پر چاہے وہ ترک ہون چاہے عرب ہمیشہ ترجیح دونگا اور ہمیشہ انکی جان و مال کی حفاظت مین دوسری قومون کے مقابلہ مین کھڑے ہونیکے لیے تیار رہونگا گاے کی قربانی نہ کرونگا اور ان تمام باتون پر تہ دل سے عمل کرونگا جو ایک سچے ہندوستانی کے لیے لازمی ہین۔ کہیے اب آپ کو یقین آگیا۔

کشوری لال۔ بیشک۔ اب آپ دسترخوان بھجوائیے مین آپکے ساتھ کھانا کھاؤنگا

فوراً دسترخوان بھجوایا گیا۔ خانصاحب۔ بشیر احمد اور کشوری لال نے ساتھ ساتھ بیٹھکر کھانا کھایا۔ اسوقت ان تینون مین نہ کوئی ہندو تھا نہ مسلمان۔ بلکہ تینون ہندوستانی تھے جو عملی طور پر اپنے ہندوستانی ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔

بشمبھر ناتھ کوشک

چمپا

فرض کرو اگر مین بطور مذاق اونچے اونچے درختونکی شاخون پر چمپا کے پھول کی صورت اختیار کر لون، اور ہوا مین جنبش کرتا ہوا قہقہہ لگاؤن اور سبز پتون پر رقص کرون تو کیا امان جان تم مجھے پہچان لوگی۔

تم باواز بلند پکاروگی۔ "بچے تم کہان ہو" مین دل ہی دل مین ہنسونگا اور خاموش رہونگا۔ مین شرارتاً اپنی پتیون کو منتشر کرونگا اور تمکو کام کرتے ہوئے دیکھونگا۔

جب تم غسل کے بعد بھیگے ہوے بال شانون پر پریشان کیے ہوے چمپا کے درخت سے گزر کر صحن مین پرستش کرنے جاؤگی تو تمھین پھول کی دل آویز خوشبو محسوس ہوگی لیکن کیا تم یہ معلوم کر سکوگی کہ یہ خوشبو میری ہے۔

دوپہر کے وقت جب کھانے سے فارغ ہوکر، تم کھڑکی مین بیٹھکر رامائن پڑھوگی اور درخت کا سایہ تمھاری زلف اور آغوش مین پڑے گا اور مین تمھاری کتاب کے صفحے پر سایہ فگن ہونگا، تو کیا تم خیال کروگی کہ یہ مختصر سا سایہ میرے بچے کا ہے!

شام کے وقت جب تم چراغ لیے گئوشالہ مین جاؤگی، پھر مین فی الفور اتر جاؤنگا اور از سر نو بچہ بنکر تمسے کہانی کہنے کی ضد کرون گا، (تم کہوگی) "نٹ کھٹ شریر بچے تم کہان تھے"

امان! مین نہ بتاؤن گا کہ اسوقت مجھ مین اور تم مین کیا گفتگو ہوگی۔

تماشائی بریلوی

ترجمہ از ٹیگور

تنقید کتب

اسوۂ صحابہؓ

مولانا عبدالسّلام صاحب ندوی اپنی بینظیر علمی اور ادبی قابلیت کے سبب سے محتاج تعارف نہین۔ موصوف اپنے استاد علامہ شبلی مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہین۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ اس کوشش مین کہان تک کامیاب ہوے ہین۔ انکی تصانیف مین تحقیق وتدقیق کا وہی رنگ نمایان رہتا ہے، جو شبلی مرحوم کی پُراثر و دلکش تحریرونکا خاص حصہ تھا علامۂ مرحوم کا خیال تھا کہ پیغمبر علیہ السلام، صحابہ کرام، اور ازواج مطہرات کی سیرتین الگ الگ قلمبند کیجائین لیکن اگر موت بھی ان کا رہاے نمایان کی اہمیت کو محسوس کرتی اور مولانا ے مرحوم کچھ دنون اور ہم سے جدا نہوتے تو یہ کام خدا جانے کس خوبی سے انجام پاتے۔ تاہم مولوی عبدالسلام صاحب جس خوش اسلوبی سے اس فرض کو ادا کر رہے ہین وہ مستحق ستائش ہے۔

اسوۂ صحابہ مولانا ے موصوف کا پہلا کارنامہ نہین لیکن تحقیق وتالیف کے لحاظ سے اپنے رنگ کی بینظیر کتاب ہے۔ مذہبی معلومات، اسلامی روایات کا اس سے بہتر ذخیرہ اردو مین ملنا دشوار ہے، ممکن ہے کہ بعض حضرات اس راے سے متفق نہون اور اُنکے نزدیک اُسوۂ صحابہ کے مضامین مذہبی کتابون کے اقتباسات سے زیادہ وقعت نہ رکھتے ہون لیکن بکھرے ہوے موتیون کو ایک لڑی مین پرونا اور منتشر اجزا کو ایک سلسلہ مین منتظم کرنا کیا کوئی معمولی بات ہے۔

علم کی قدر ہمیشہ عمل سے ہوتی ہے، علمی تصنیفات مین اگر عملی نمونے بھی موجود ہون تو اسکی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے، اُسوۂ صحابہ صرف علمی کتاب نہین بلکہ اسمین صحابۂ کرام کے

لہ ملنے کا پتہ۔ منیجر دار المصنفین اعظم گڑھ

عملی کارنامے بھی موجود ہین جو انسانی زندگی کے لیے شمع ہدایت بن سکتے ہین، عموماً مذہبی کتابون مین جو خشکی ہوتی ہے، اُسوۂ صحابہ مین اسکی جھلک بھی موجود نہین۔ کیونکہ واقعات نے ہر روایت مین افسانے کا رنگ پیدا کر دیا ہے، اسکے علاوہ مولانا عبد السلام کی پاکیزہ تحریر نے اور بھی دلچسپ بنا دیا ہے۔ مولانائے موصوف اُردو کے ایک مستقل ادیب ہین، انکی تحریرون مین ادب کا رنگ غالب رہتا ہے۔

ممکن ہے اُسوۂ صحابہ مین ادبی حیثیت سے کچھ فروگذاشتن موجود ہون لیکن وہ نفس مضمون کی عمدگی اور کتاب کی ضخامت کے لحاظ سے چندان قابل گرفت نہونگی۔ ہان محاورے کی غلطی البتہ ناقابل عفو ہے مثلاً صفحہ ۲۳۲ پر بسلسلۂ اعتراف گناہ، یہ عبارت موجود ہے، "یا رسول اللہ مین تو جل بھنا"، ہم مانتے ہین کہ مولانا کو زبان اور بیان پر پورا قابو حاصل ہے۔ تاہم جل بھنا کسی طرح فصیح نہین کہا جا سکتا۔

تاریخی حیثیت سے اُسوۂ صحابہ، ایک مستند مذہبی تاریخ ہے۔ کیونکہ ہر واقعہ کی تصدیق مین اُس کتاب کا حوالہ دیا ہے جس سے وہ روایت ماخوذ ہے، اسکا پہلا حصہ ۴۴۴ صفحہ پر شایع ہوا ہے جسمین متعدد عنوانات کی تحت مین صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کے عقاید، عبادات اخلاق حسن معاشرت وغیرہ کی دلچسپ و قابل تقلید مثالین پیش کی گئی ہین۔

کاغذ نفیس، کتابت و طباعت نظر فریب، قیمت دار المصنفین اعظم گڑھ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

رسائل عماد الملک[1]

نواب عماد الملک بہادر سی ایس آئی (مولوی سید حسن بلگرامی) کے علمی، ادبی، تاریخی زرعی مضامین کا مجموعہ، رسائل عماد الملک کے نام سے شایع ہوا ہے۔ ان مضامین کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نواب صاحب موصوف کو فطرت نے کیسا دل و دماغ عطا فرمایا ہے۔ آپ کا تجر علمی محتاج تعریف نہین، عربی، فارسی، انگریزی پر یکسان قدرت رکھتے ہین۔ نظر اتنی وسیع ہے کہ دقیق سے دقیق مسئلے کی تہ تک پہونچ جانا معمولی سی بات

[1] ملنے کا پتہ۔ الیاس قریشی وکیل ہائی کورٹ افضل گنج حیدر آباد دکن

ہے، انشاپردازی کا یہ عالم ہے کہ جس موضوع پر قلم اُٹھایا تحقیق وتدقیق کا دریا بہادیا۔ دیسی زبان مین علمی مصطلحات، کے عنوان سے جو بسوط مضمون تحریر فرمایا ہے اُسکے مطالعہ سے نواب صاحب موصوف کے ذوق ادب کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس مضمون مین آج سے پچاس برس پہلے آپ جن خیالات کا اظہار فرماچکے ہین وہ آج بھی حامیان اُردو کے لیے سرمایۂ ناز ہین۔ ابن رشد اور اُسکے ہمعصرون پر جو مضمون لکھا ہے وہ تاریخی وعلمی حیثیت سے قابل قدر ہے۔ زرعی مضامین بھی دلچسپ اور مفید ہین۔

شروع مین جناب الیاس قریشی کا مختصر سادیباچہ اور تذکرۂ مصنف کے عنوان سے جناب عبدالماجد صاحب بی، اے کا زبردست مضمون ہے، اسکے بعد اصل کتاب کے مضامین شروع ہوے ہین۔

کاغذ نفیس، کتابت وطباعت دیدہ زیب، ضخامت چارسو صفحہ، قیمت للعہ

صبح وطن

اس دور ارتقا مین اب اُن فرضی ومخرب اخلاق افسانون کی ضرورت نہین جو اندراُن کے پھل سے زیادہ وقعت نہین رکھتے، جنھین سُن سن کے بچون کے اخلاق خراب ہوگئے۔ جوانون کی زندگیان تباہ ہوگئین اور امرا کی خوابگاہین اُجڑ گئین۔ اس زمانہ مین اُن افسانون کی ضرورت ہے جنکے مطالعہ سے اخلاق درست ہون، جو خوابیدہ قوتون کو جگائین اور پژمردہ روحون کو معراج ترقی پر پہونچانے کی کوشش کرین۔ صبح وطن اسی قسم کے افسانون کا مجموعہ ہے، جسکے مصنف پنجاب کے مشہور افسانہ نویس مہاشہ سدرشن صاحب ہین۔ اس کتاب کا ہر افسانہ دلچسپ ہونیکے علاوہ اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، سیاسی، ہر حیثیت سے ملک اور قوم کے لیے مفید ہے۔

مہاشہ سدرشن کو جذبات ومناظر کی مصوری مین کمال حاصل ہے، افسانون مین رنگینی و دلکشی بھی بہت کچھ پیدا کرتے ہین، لیکن اکثر زبان وبیان کا معنوی تعلق قائم نہین رہتا اور زبان کی خامیان تحریر کی قدر وقیمت گھٹادیتی ہین۔

صبح اُمید مین زبان کی غلطیان اکثر ملتی ہین بعض بعض جگہ تو ایسی فروگزاشتین موجود ہین

کہ تعجب ہوتا ہے ہم چند غلطیاں مشتے نمونہ از خروارے، کے طور پر پیش کرتے ہیں ممکن ہے کہ ہماری کوشش مفید ثابت ہو اور مہاشہ سدرشن اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔

امرا نے سلامیں کیں، میں نے بیرم دیو سے ملنا ہے، اس پر اپنی روح چھڑک رہی تھی، فضول فکر لگانے سے فائدہ۔

جن الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے اُنکا استعمال اس طرح قطعاً غلط ہے۔ اگرچہ اس قسم کی لغزشیں زیادہ قابل توجہ نہیں۔ کیونکہ مہاشہ سدرشن پنجاب کے رہنے والے ہیں اور انھیں زباندانی کا دعوی بھی نہیں ہو سکتا، تاہم آیندہ انھیں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

نفس مضمون اور کاغذ، کتابت، طباعت کے لحاظ سے کتاب قابل قدر ہے۔ قیمت فی جلد عہ، جلد سنہری ۱۲؍

آنریری مجسٹریٹ[1]

یہ مختصر سا مذاقیہ ڈراما بھی مہاشہ سدرشن کے زور قلم کا نتیجہ ہے جسمیں آنریری مجسٹریٹوں کی نااہلیت کی تصویر کھینچی گئی ہے، اور اُنکے انتخاب اور ادائے فرض پر تبصرہ کیا گیا ہے، مگر آنریری مجسٹریٹوں کے نام ایسے تجویز کیے گئے ہیں جنھیں سنجیدہ ظرافت مشکل سے اپنے دامن میں جگہ دیسکتی ہے، اسکے علاوہ واقعات میں بھی مبالغہ کی شان پیدا ہو گئی ہے۔ کاش مہاشہ سدرشن نے تحریر سے پہلے مذاق سلیم سے مشورہ کر لیا ہوتا۔ قیمت ۳؍

اعجاز

یہ ادبی رسالہ شہر جالندھر سے جناب گرامی کی نگرانی اور جناب حفیظ جالندھری کی ایڈیٹری میں تین جزو پر ماہ بماہ شایع ہوتا ہے۔ ابتک اسکے تین پرچے شایع ہو چکے ہیں۔ مضامین کے لحاظ سے ہر پرچہ قابل قدر ہے۔ اعجاز کے قلمی معاونین میں ہندوستان کے مشاہیر ارباب قلم شامل ہیں۔ اگر جناب حفیظ کی کوششیں سرگرم کار رہیں تو انشاءاللہ اعجاز اُردو ادب کا بہترین رسالہ ثابت ہوگا۔

کاغذ عمدہ۔ مگر کتابت و طباعت قابل شکایت ہے۔ اگرچہ پہلے پرچے کے مقابلہ میں دوسرے

---

[1] دونوں کتابیں میسرز رام کیشابک ڈپو لاہور سے مل سکتی ہیں۔

اور تیسرے پرچہ کی شان طباعت بلند ہے تاہم ابھی بہت کچھ توجہ کی ضرورت ہے۔ قیمت سالانہ چار روپیہ شائقین ادب منیجر رسالہ اعجاز بازار شیخان شہر جالندھر سے طلب فرمائیں۔

بحر امید

ڈاکٹر شیام نرائن صاحب ایچ۔ بی۔ بی۔ سی علاج الغسل کے ایک ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر ہیں، اور ۱۹۰۵ء سے اپنی معلومات حکیمانہ اور بیش بہا تجربات سے ملک کو فائدہ پہونچا رہے ہیں

اگرچہ علاج الغسل کا موجد ایک یورپین ہے لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے مسلسل تجربات سے اسمین ایک نئی روح پھونک دی ہے، چنانچہ اس کتاب میں ڈاکٹر موصوف نے اپنے تجربات کی بنا پر، مختلف عنوانات کی تحت مین تشخیص امراض اور ازالۂ مواد فاسد کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے، اور طریقہ علاج کو آسان بنانے کے لیے جابجا تصویرین بھی دیدی ہین تاکہ سیکھنے والون کے لیے نقص علاج کا احتمال باقی نہ رہے۔

بلاشبہہ یہ کتاب قابل قدر ہے کاش مضامین کی طرح کاغذ بھی اچھا ہوتا۔ کتابت طباعت معمولی۔ قیمت تین روپیے۔

چمپا

چمپا اُن افسانون کا مجموعہ ہے جو اسیر جفا مولانا سالک کے سحر طراز قلم سے نکلکر وقتاً فوقتاً ادبی رسائل مین شایع ہو چکے ہین۔

مولانا سالک دنیاے علم ادب مین کسی مزید تعارف کے محتاج نہین۔ آپ کو جسطرح جذبات عالیہ کی مصوری مین ید طولیٰ حاصل ہے اسی طرح مناظر قدرت کی عکاسی مین بھی مہارت تامہ رکھتے ہین۔ آپکے بیان مین تاثیر اور تاثیر مین دلکشی ہوتی ہے، نظم ہو یا نثر، ادبی رنگ ہو یا سیاسی، ہر صنف مین آپ کو کمال حاصل ہے۔

دار الاشاعت پنجاب لاہور تو اپنے ادبی فرض سے سبکدوش ہوگئی۔ یعنی آسنے بکھرے ہوے موتیون کو رشتہ اشاعت مین پرو کر پبلک کے سامنے پیش کر دیا۔ اب ارباب ذوق کا فرض ہے کہ ان افسانون کی قدر کرین۔ یہ اس نغمۂ آفرین بلبل کے ترانے ہین جسکے نغمے آجکل قفس کے لیے وقف ہین اور جسکے چہچہون سے مدتون دنیاے ادب اپنا دل بہلا چکی ہے چمپا علاوہ باطنی خوبیونکے ظاہری حسن وجمال سے بھی آراستہ ہے کاغذ عمدہ، کتابت طباعت دیدہ زیب قیمت عہ دار الاشاعت پنجاب لاہور سے مل سکتی ہے۔

اعظمی

ملنے کا پتہ۔ ڈاکٹر شیام نرائن ایچ۔ بی۔ سی میرٹھ

نعت

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود
جز اینکہ لطف خلش ہائے نالہ ہائے بے سود

مگر یہ لطف بھی ہو کچھ حجاب کے دم سے
جو اٹھ گیا کہیں پردہ تو پھر زیان ہے نہ سود

کہو یہ عشق سے چھیڑے تو ساز ہستی کو
ہر ایک پردہ میں ہے نغمۂ ہو الموجود

یہ کون سامنے ہے؟ صاف کہہ نہیں سکتے
بڑے غضب کی ہے نیرنگی طلسم نمود

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا کہ ترا حسن ہو گیا محدود

جو عرض ہے اسے اشعار کیوں نہ مرے
اچھل رہے ہیں جگر پارہ ہائے خون آلود

ہلائے عشق نہ یوں کائنات عالم کو
یہ ذرے دیکھ نہ اٹھیں سب شرار مقصود

نہ میرے ذوق طلب کو ہے مدعا سے غرض
نہ گام شوق کو پروائے منزل مقصود

مرا وجود ہی خود انقیاد و طاعت ہے
کہ سینے سینے میں ساری ہے اک جبین سجود

جو اس کے شوق میں یوں محو آفتاب ہوا
عجب بلا تھا یہ شبنم کا قطرۂ بے بود

چلوں میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں
مدین جو اہل شریعت جبین کو دون سجود

وہ راز خلقت ہستی۔ وہ معنی کونین
وہ جان حسن ازل وہ بہار صبح وجود

وہ آفتاب حرم۔ نازمین گنج حرا
وہ دل کا نور۔ وہ ارباب درد کا مقصود

وہ سرور دو جہان۔ وہ محمد عربی
یہ روح اعظم و پاکش درود نامحدود

ضیائے حسن کا ادنیٰ سا یہ کرشمہ ہے
چمک گئی ہے شبستان غیب در بزم شہود

نگاہ نازمیں پنہاں میں نکتہ ہائے فنا
چھپا ہے حجرا پردہ میں رمز لاموجود

وہ مست شاہدِ رعنا۔ نگاہ سحر طراز — وہ جامِ نیم شبی۔ نرگسِ خمار آلود
کچھ اس ادا سے مرا اسنے مدعا پوچھا — ڈھلک پڑا مری آنکھوں سے گوہرِ مقصود
ذرا خبر نہ رہی ہوش و عقل و ایمان کی — یہ شعر پڑھکے دہیں ڈالدی جبینِ سجود

چو بعد خاک شدن یا زیان بود یا سود
(حاجت رومی) بہ نقد خاک شوم بنگرم چہ خواہد بود

اصغر از گونڈہ

گوہرِ منظوم

دلوں میں راہ تو کر رشتۂ گہر کی طرح — ملے گی دیدۂ مردم میں جا نظر کی طرح
رہیگا باغ جہاں میں نہ گل نہ رنگ نہ بو — رہے گی شئے نہ کوئی نخلِ بارور کی طرح
کبھی نہ تیغ حوادث سے ڈر۔ بھلائی کر — کہ آڑے آئیگی نیکی تری سپر کی طرح
نہونگے مندمل ایسے وہ ہونگے کاری زخم — چبھے گی نوک زباں کی جو نیشتر کی طرح
تو مایہ دار اگر ہے تو سرنگوں ہو جا — شعار اپنا بنا نخلِ بارور کی طرح
بشر نہ شر کے لیے ہے نہ شر بشر کے لیے — نہ ہو جہان میں بدنام لفظِ شر کی طرح
پہنچ سکے گا تری ذات سے جہاں کو فیض — ہو تجھ میں نورِ صداقت اگر سحر کی طرح
ضرر ہو اس سے تو ہو نفع اس سے صد افسوس — بشر ہو اور نہ ہو نخلِ بارور کی طرح
کرو گے قدر سنو گے جو قصۂ یعقوب — نہیں شفیق پسر پر کوئی پدر کی طرح
بنو سحابِ کرم۔ بحرِ جود۔ کانِ عطا — ہر اک کو فائدہ پہونچاؤ بحر و بر کی طرح
عزیز بنکے رہو چار دانگ عالم میں — زمرد و گہر و لعل و سیم و زر کی طرح

ذہینؔ! ہے درِ حق سب کا کعبۂ مقصود
پڑے رہو تم اسی در پہ سنگِ در کی طرح

سید غلام مصطفےٰ ذہینؔ

نغمۂ مغموم

آج پرانے مسودون مین ہمین سُرور مرحوم کی ایک غیر مطبوعہ نظم کا مسودہ مل گیا جسکو دیکھکر بزم سُرور کے چھلکتے ہوے ساغر یاد آگئے اور گزشتہ بزم آرائیون کی ایک دُھندلی سی تصویر آنکھون مین پھر گئی، ہم ناظرین زمانہ کی ضیافت طبع کے لیے یہ بادۂ کہن پیش کرتے ہین

وہ ایذا سے خلش ہو آہ میرے قلب مضطر پر
نظر آتا ہو اک قطرہ لہو کا نوک نشتر پر
شب غم مین گرین کچھ آہ ایسی بجلیان سر پر
گمان نبض رگ شعلہ کا ہے ہر تار بستر پر
شرار جستہ کا دھوکا ہو مجھکو جسم لاغر پر

تب سوز درون نے دل مین ڈالے سیکڑون چھالے
جگر کے اُڑ رہے ہین نالۂ سوزان سے پرکالے
پریشان رخ پہ گیسو ہین کہ لہراتے ہین دو کالے
شب غم مین کہان آنکھون مین وہ سُرمہ کے دنبالے
برستی ہے اُداسی ہجر مین اب دیدۂ تر پر

چبھوتا ہو مرے پہلو مین رہ رہ کر کوئی نشتر
ٹپکتا ہو کلیجہ چشم تر سے اشک خون ہوکر
برنگ لالہ داغون سے شگفتہ ہے دل مضطر
دوپٹے کا کہان اب سُرخ آنچل روش نازک پر
کر دھبے جابجا اب اشک گلگون کے ہین چادر پر

وہ نقشہ اب کہان اگلا سا شان دلربائی کا
وہ عالم قد رعنا مین کہان رنگین ادائی کا
گلہ کس سے کرون مین بخت بد کی نارسائی کا
نہ پوچھو مجھ سے کچھ عالم خلش ہاے جدائی کا
بدلتی ہون شب غم کروٹین مین نوک نشتر پر

در و دیوار سے سر پھوڑتی ہون کنج عزلت مین
تڑپتی لوٹتی ہون رات بھر آغوش حسرت مین
سیہ روزی ازل سے ہو ودیعت میری قسمت مین
اُداسی گھر پہ ایسی چھا رہی ہو شام فرقت مین
گمان حلقۂ ماتم ہے مجھکو حلقۂ در پر

کوئی کالی بلا ہے یا پریشان رخ پہ ہین گیسو
قضا کے نیمچے دو، شام غم مین ہین مگر ابرو

نہ آنکھوں مین وہ جادو ہی، نہ اب وہ غمزۂ دلجو | رواں ہین چپکے چپکے عارضِ گلگون پہ یون آنسو
چمن مین جسطرح شبنم کے قطرے ہون گلِ تر پر

نہ نکلے جسکے ارمان وہ دلِ دردآشنا ہون مین | فغانِ بے اثر ہون، نالۂ حسرت فزا ہون مین
نہ گلگونہ ہون چہرے کا، نہ ہاتھون کی حنا ہون مین | وہ بیکس ہون، شہیدِ پرسشِ تیغِ جفا ہون مین
نہ پوچھو، کچھ قیامت کے ہین چرکے قلبِ مضطر پر

کہون کیا کس کشاکش مین ہی جانِ ناتوان میری | کلیجہ تھام کر اُٹھتی ہی اب دل سے فغان میری
وہ جوڑا ہی عروسی کا، نہ اب وہ چنڈیان میری | وہ بیکس ہون کہ توڑین آسمان نے چوڑیان میری
وہ شیشہ ہون کہ دے پٹکا فلک نے جسکو پتھر پر

نہ اب وہ ذوقِ آرائش، نہ ہی وہ شانِ زیبائی | سیاہی اب ہی زلفون کی سوادِ شامِ تنہائی
نہ آئینہ ہی خلوت مین، نہ شوقِ جلوہ آرائی | کہان چھپا کلی مین آہ، وہ اگلی سی رعنائی
خزان چھائی ہوئی ہی حسن کے پھولون کے زیور پر

وہ ڈورے اب کہان سرمہ کے میری چشمِ گریان مین | کہ آنکھوں مین جہان تاریک ہی شبہائے ہجران مین
نہین اب طاقتِ فریاد میرے قلبِ نالان مین | گرایا ناتوانی نے ہی جسکے کوے حرمان مین
لگاتا ہی زمانہ مجھکو ٹھوکر آہ! ٹھوکر پر

یہ دلِ ننھا سا پہلو مین، یہ صدمہ دردِ فرقت کا | جوانی کی یہ راتین، اور یہ عالم یاس و حسرت کا
کبھی شکوہ مقدر کا، کبھی رونا ہے قسمت کا | رنڈاپے کا بھی صدمہ اُف! ہی صدمہ کس قیامت کا
اُٹھاؤن کسطرح کمبخت ٹوٹا ہے فلک سر پر

کلیجہ چٹکیون مین کوئی رہ رہ کر مسلتا ہے | کوئی ظالم ستم کے ہاتھون سے دلِ مضطر کو ملتا ہی
برنگِ شمعِ مغز استخوان شب بھر پگھلتا ہے | نہ آتی ہی اجل مجھکو، نہ میرا دم نکلتا ہے
قضا بھی رحم اب کرتی نہین مجھ زار و لاغر پر

سرور جہان آبادی

لطفِ سخن

لسان الملک حضرت ریاض

جس دن سے حرام ہو گئی ہے　　مے خلد مقام ہو گئی ہے
قابو میں ہے اُنکے وصل کا دن　　جب آئے ہیں شام ہو گئی ہے
اُتنا وہ چمن ہے یہ کہ بلبل　　آزاد کرتہ دام ہو گئی ہے
توبہ سے گھٹی یہ قدر و قیمت　　مے دام کے دام ہو گئی ہے
آتے ہی قیامت اُس گلی میں　　پامالِ خرام ہو گئی ہے
توبہ سے ہماری بوتل اچھی　　جب ٹوٹی ہے جام ہو گئی ہے
لب تک جو کبھی نہ آئی وہ آہ　　اونچی سوئے بام ہو گئی ہے
مینوش مزور ہیں وہ نااہل　　جنپر یہ حرام ہو گئی ہے
بجھ بجھ کے جلی تھی قبر پر شمع　　جل جل کے تمام ہو گئی ہے
ہر بات پہ ہونٹ پر ہے دشنام　　اب حسن کلام ہو گئی ہے
سر خم ہے حرم میں سوئے طیبہ　　کچھ خوئے سلام ہو گئی ہے
دولت دل کی بتو ہے محفوظ　　اللہ کے نام ہو گئی ہے
پھر پھر کے نظر ہوئی ہے صدقے　　جم کر خط جام ہو گئی ہے
ہے دور ابھی ریاض منزل　　دن ختم ہے شام ہو گئی ہے

ابو المعانی مرزا یاس لکھنوی

خدا پرست بھی بندے ہیں حسن فطرت کے　　سمجھ میں آئے نہ راز اس طلسم حیرت کے
ہمیشہ منتظر انقلاب رہتے ہیں　　مزاجدان ہیں جو ہنگامہ زار فطرت کے

ازل سے کیون تپش بے سبب ہو ہر دل مین
کھلے نہ راز نہان حنا حقیقت کے

دکھائی خواب پریشان نے سیر نگار رنگ
بھرم کھلے نہ طلسمات بے حقیقت کے

بلند و پست برابر ہین اپنی آنکھون مین
خیال خام ہے یا ولولے ہین ہمت کے

پلٹ کے پھر وہی آواز بازگشت آئی
بڑھے نہ حوصلے فریاد بے اجازت کے

وطن تو کیا ہے ہوائے وطن سے ہین بیزار
پسٹ رہے جو بگولون سے دشت غربت کے

دکھائی موت نے تصویر وعدۂ فردا
ہوا سے شوق نے پردے اٹھائے غفلت کے

زمین پہ نوحے کے پتلون نے کیون دھونی دی ہی
کفن ملے تو سمجھنا دھنی تھے قسمت کے

گلا نہ کاٹ سکے اپنا وائے ناکامی
پہاڑ کاٹتے ہین روز و شب مصیبت کے

سعادت ابدی ہے مشیت ازلی
ہوس فضول بھروسے پہ حسن خدمت کے

ٹھٹک رہے حرم و دیر کے دورا ہے پر
خلاف جا نہ سکے شاہراہ فطرت کے

اسی نے خاک کیا تھا اسی نے پاک کیا
خوشا نصیب جو پالے پڑے محبت کے

نگاہ یاس ہے آئینہ غم فردا
نظر کے سامنے سامان ہین قیامت کے

جناب سید محمد فاضل صاحب فراق موہانی

عشق کی پہلے اسی باعث سے رسوائی نہ تھی
حسن عالم آشنا کی جلوہ آرائی نہ تھی

کچھ خبر بھی ہے فریب عشق کی اے حیلہ ساز
پاے بوسی کا بہانہ تھا جبین سائی نہ تھی

پوچھنے والا نہ تھا کوئی بجز ذات خدا
صبح تھی روز ازل کی شام تنہائی نہ تھی

ہاے پھر عرض تمنا کی تمنا رہ گئی
آگیا جب سامنے وہ بت تو گویائی نہ تھی

تھا ہجوم یاس غم سے ایک ہنگامہ بپا
صبح محشر تھی ہماری شام تنہائی نہ تھی

حسن ہو اللہ اکبر کسقدر ہنگامہ زا
خود نمائی تھی فقط کچھ محشر آرائی نہ تھی

قبل موجودات تھی ہر ہر صفت اک چشم شوق
پردۂ اسرار مین بھی اسکو تنہائی نہ تھی

یہ بھی درپردہ تھی اک عاشق فریبی کی ادا
خود تماشائی تھا وہ چشم تماشائی نہ تھی

تھا پریشان دل ہجوم یاس و حسرت سے فراق
شعر کیا کہتا شب فرقت بھی تنہائی نہ تھی

زمانہ

جلد ۳۹ — اگست سنہ ۱۹۲۲ء — نمبر ۲

ڈوزی

۲۱ - فروری سنہ ۱۸۲۰ء کو فرانسیس جیکوس ڈوزی[1] ایک طبیب کے گھر بمقام لیڈن (ملک ہالینڈ) پیدا ہوا - اُسکے آبا و اجداد ویلنسینز[2] کے رہنے والے تھے - مگر سنہ ۱۶۴۷ء میں اُسکا خاندان ہمیشہ کے لڑائی جھگڑے سے بچنے کے واسطے ہالینڈ میں ہجرت کر آیا - ڈوزی کے باپ نے اُسے رینارٹ پیٹر ڈوزی[3] کے نام سے بپتسمہ دیا - لیکن بعدہٗ وہ صرف رینارٹ ڈوزی کے نام سے مشہور ہوا - ابھی ۹ - برس کا تھا کہ اسکی والدہ سارا میریا[4] کا انتقال ہو گیا - عموماً ماں کا سایہ عاطفت بچوں کی نشو و نما کے لیے ضروری چیز ہے لیکن ڈوزی کی تعلیم پر اسکی مادر مشفقہ کی بیوقت موت کا کوئی برا اثر نہ پڑا - کیونکہ فطرت کا آغوش تربیت اُسکے لیے کشادہ تھا - ۱۴ - برس کی عمر میں اسکو ڈاکٹر جے - جے ڈی گلڈر[5] کی شاگردی کا فخر نصیب ہوا اور کمسنی ہی میں فرنچ - جرمن - اور انگریزی زبانوں میں معقول استعداد حاصل کر لی - ڈاکٹر گلڈر اپنے

Francais Jaques Dozy [1]

Valenciennes [2]

Reinhart Pieter Dozy [3]

Sara Maria [4]

Dr J. J. De Gelder. [5]

طالبعلمون کو (جنکو دینیات کا شوق ہوتا تھا) اکثر عربی صرف و نحو پڑھایا کرتا تھا۔ چنانچہ ڈوزی کی جدت پسند طبیعت نے قابل اُستاد کے اس طرز کو بھی فوراً قبول کرلیا۔

ستمبر ۱۸۳۷ء مین لیڈن یونیورسٹی مین داخل ہوا۔ اور وہان ایک مشہور اور قابل زباندان پروفیسر ویجیرز کی قدرشناس نظر اسپر پڑی۔ اور فطرت نے ڈوزی کے لیے ترقی کی ایک اور سبیل نکالدی نوجوان ڈوزی کا ارادہ تھا کہ عربی شاعری کے دشوار گزار میدانون کو طے کرے مگر ویجیرز کی نصیحت کارگر ہوئی۔ اور اُسنے ڈوزی کو شاعری سے ہٹاکر تواریخ عرب کا شیدا بنا دیا۔ مگر چند دنون کے بعد تواریخ سے اسکی دلچسپی باقی نہ رہی کیونکہ لڑائیون کی مستقل داستانون اور خاندانون کی تباہی کے مسلسل فسانون نے ڈوزی کو تواریخ کی طرف سے دل برداشتہ کردیا اور اُسنے عربی لغات کا مطالعہ نہایت مصروفیت سے شروع کردیا۔ فریٹاگ کی عربی لاطینی ڈکشنری اُس زمانہ کی مشکل لغات مین شمار کی جاتی تھی۔ اسلیے اسنے ایٹین مارک کاٹرمیر کی تصانیف سے مدد لی۔ اور اسطرح لغات عربی مین کامل مہارت حاصل کی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد تواریخ کا شوق پھر عود کر آیا۔ اور عربی تاریخ سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔

دسمبر ۱۸۴۲ء مین رائل انسٹیٹیوٹ نے عربی لباس و رسم و رواج پر ایک انعامی مضمون کا اشتہار دیا۔ ڈوزی کی بےچین طبیعت اور اُسکے خداداد ذہن کو اپنی قابلیت دکھانے کا موقع نظر آیا۔ لیکن مہلت صرف ایک سال کی تھی۔ اور کئی ایک قلمی نسخون اور نایاب کتابون کی ورق گردانی لازمی تھی۔ تاہم وہ بلا دھڑک اس مشکل کام کو سرانجام دینے کے لیے تیار ہوگیا اور کتبخانہ دارالعلوم مین عربی کتابون کا مسلسل مطالعہ کیا۔ آخر اُسکی یہانتک مصروفیت کو دیکھکر کارکنان دارالمطالعہ کو اپنے استعجاب کا اظہار کرنا پڑا۔ مضمون کے مقابلے کی یہ شرط تھی کہ صاحب مضمون کا نام آخر وقت تک پوشیدہ رکھا جائے۔ مگر اب ڈوزی کو بتانا پڑا کہ وہ خود انعامی مضمون

Weijers

Royal Institute

Freytag Lexicon Arabico-Latinum

Etienne Marc Quatremere

تیار کر رہا ہے۔ ویجرز[1] کو بھی اس بات کا علم ہوا۔ گو کام مشکل تھا۔ مگر قدرشناس استاد نے قابل شاگرد کو مایوس نہ کیا۔ آخر کار ۲۰۔ نومبر ۱۸۴۳ء کو ڈوزی کو انعام دیا گیا۔ اسوقت اسکی عمر ۲۳ سال کی تھی چونکہ یہ مضمون لکھتے وقت اسے خاطر خواہ مطالعہ کی فرصت نہ ملی تھی جسکی وجہ سے مضمون مین کئی ایک خامیاں رہ گئی تھین اسلیے ڈوزی اسے بہتر بنانے کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ایک اعلی بمکمل اور صحیح کتاب اس موضوع پر لکھی۔ جو ۱۸۴۵ء مین شایع ہوئی۔ ڈوزی کی یہ سب سے پہلی تصنیف تھی جس سے علمی دنیا مین اسکی دھاک بیٹھ گئی۔

پروفیسر ویجرز کو اسپین کے مسلمانون کی تاریخ کا بہت شوق تھا چنانچہ وہ اکثر اسوقت کی مشہور کتاب جوس انٹونیو کانڈے[2] کی "تاریخ اسپین" کا ذکر اپنے عزیز شاگردون سے کیا کرتا تھا۔ ڈوزی کی جوہر شناس نگاہ نے فوراً تاڑلیا۔ کہ یہ کتاب اغلاط اور اختلافات کا مجموعہ ہے اور اسکی شہرت کی بنیاد بظاہر مضبوط مگر دراصل کھوکھلی ہے اب اسکے دل مین یہ شوق پیدا ہوا کہ کسی طرح ہسپانوی زبان مین مہارت حاصل کی جائے تاکہ کانڈے کی کتاب پر مکمل اور صحیح طور پر بحث ہو سکے۔ اپنے ایک خط مورخہ ۱۸۴۲ء مین وہ لکھتا ہے "مجھے ہسپانوی زبان کی صرف نحو۔ لغات اور ڈون کوکزٹ[3] کی ایک جلد کی اشد ضرورت ہے" دو سال بعد لکھتا ہے مین اب زیادہ وقت ہسپانوی زبان کی تحصیل مین صرف کرتا ہون۔ اور میرے پاس اب کتابون کا کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ اب مجھے ازمنہ وسطے پر زیادہ توجہ کرنی پڑیگی لیکن مجھے امید ہے کہ اس کام مین میرا زیادہ وقت نہ صرف ہوگا"۔

ان خطوط سے ظاہر ہوگا کہ شوق مطالعہ کے ساتھ ساتھ ڈوزی کو مالی فراغت بھی حاصل تھی ایک ادیب یا مصنف کے واسطے اس سے بہتر نعمت اور کوئی نہین ہو سکتی کہ وہ خود کتابین

---

۱ Weijers

۲ José Antonio Conde

۳ Don Quixote ہسپانوی زبان کا ایک مشہور افسانہ جسکا ترجمہ کئی زبانون مین ہو چکا ہے

مہیا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اور اُسے چھوٹی چھوٹی ضرورتون کے واسطے غیرون کا دست نگر ہونا پڑے۔ شاعر یا ناولسٹ اپنی مفلسی مین بھی اعلی شعر یا ناول لکھ سکتے ہین مگر ایک نادار مورخ کوئی بڑا کام نہین انجام دے سکتا۔[1]

جب اسپین کے متعلق مطالعہ وسیع ہوگیا۔ تو نوجوانی کے جوش مین غیر ضروری اصناف کی طرف اسکی توجہ بڑھتی گئی۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد ہی اُسے بہترین مضامین کا شوق پیدا ہوا اور اُسنے اسلامی تاریخ اسپین کے واسطے مصالحہ جمع کرنا شروع کردیا۔ اسکے علاوہ کبھی کبھی کسی خاندان۔ یا بادشاہ کے حالات لکھکر اپنا جوش تصنیف بھی پورا کرتا رہا۔[2] ۱۸۴۲ء مین ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کی۔ اور اسی سال میریا کیرولنا وان اوسٹر لنگ نامی ایک خاتون سے شادی کی۔ یہ رشتہ اُسکے واسطے ایک نعمت سے کم نہ تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو اُسے اُمور خانہ داری مین تمام وکمال سہولت ہوگئی۔ اور دوسرے یہ کہ اُسکی بیوی خود اپنے علم دوست اور عالم خاوند کی محنت کی دل سے قدردان ہوگئی۔ شادی کے بعد میان بیوی جرمنی چلے گئے جہان اُسکے شوق تحقیق اور تجسس کو ایک اور میدان نظر آیا۔ لیپزگ[3] مین مشہور عربی دان ہیزک فلیسکر[4]

---

[1] یہ خصوصیت دنیا کے اکثر بڑے آدمیون مین پائی جاتی ہے۔ کہ وہ ساری عمر ایک دھن مین بسر کردیتے ہین جس بات کی دُھن اُن کو لگ گئی۔ اسکو انجام پر پہونچا کے چھوڑا۔ اور جس چیز کا عشق ہوگیا اُسے حاصل کیے بغیر چین نہ آیا۔ اسوقت مجھے چارلس ڈارون (مشہور مفسر ارتقا) کا ایک خط یاد آیا ہے جو اُسنے لندن سے آدھی رات کے وقت اپنے ایک دوست کو نیویارک بھیجا تھا۔ اور جسمین انتخاب مصنوعی کے ایک تجربہ کی کامیابی پر اُسنے اسقدر اظہار خوشی کیا ہے کہ اپنا نام "تمھارا دیوانہ دوست ڈارون" لکھا ہے اسی طرح حضرت اکبر الہ آبادی کے خطوط مین روحانیت کی جو جھلک پائی جاتی تھی۔ وہ انکی زندگی کا مقصد تھی۔ اُن لوگون کے خطوط۔ جو دنیا مین کچھ کام کرگئے ہین آیندہ نسلون کے واسطے مشعل ہدایت کا کام دے سکتے ہین اور ہمکو "بڑے" کامون کی ترغیب دلا سکتے ہین۔

[2] Maria Carolina van Oostellingh

[3] Leipzig

[4] Flescher

سے ملاقات ہوئی۔ اور ایک گہری دوستی کی بنا پڑی۔ جرمنی مین اُسنے اپنی مجوزہ تاریخ اسپین کے واسطے بہت سا مصالحہ جمع کیا۔ اور بہت سے نادر اور بیش بہا کاغذات اُسے دستیاب ہوئے۔ ۱۸۴۴ء مین وہ آکسفورڈ گیا۔ اور بوڈلین لائبریری سے بہت سا ذخیرہ فراہم کیا۔

لیڈن واپس آنے پر ڈوزی نے عربی مین بہت سے رسائل لکھے جنکی پہلی جلد مین ابن ابدون کی اُس نظم کی شرح کا ذکر تھا۔ جو ابن بدرون نے لکھی تھی۔ اور جو تاریخ اسپین کے بعض واقعات پر گہری روشنی ڈالتی تھی۔ ۱۸۴۷ء مین لندن کی مجلس اشاعت کتب ہائے عربی کی درخواست پر مراکو کے مشہور مورخ عبدالوحید کی کتاب کا ترجمہ مع حواشی شایع کیا جسکا مسودہ لیڈن لائبریری سے ملا تھا۔ اُسی سال ایک دو اور نہایت عالمانہ رسائل عربی زبان کے مسودون پر لکھے اور ۱۸۴۸ء مین ابن اظہری کی تاریخ افریقہ و اسپین (البیان المغرب) کو مع ترجمہ۔ حواشی اور دیباچہ کے شایع کیا۔ اس کتاب نے اُسکی شہرت کو چار چاند لگا دیے اور اسکا شمار یورپ کے جید عالمون مین ہونے لگا۔

عرب مورخون کی تصانیف سے ڈوزی کو معلوم ہو گیا کہ کانڈے کی تاریخ اسپین مین بہت سی خامیان ہین۔ چنانچہ اُسنے ہسپانوی مورخ کی غلط بیانیون کو ادبی دنیا پر ظاہر کرنے کا بیڑا اُٹھالیا۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ کانڈے کی کتاب یورپ مین بہت مستند مانی جاتی تھی۔ اسلیے اُسکی غلطیون کا ازالہ کرنے کے واسطے خاص محنت۔ مطالعہ اور قابلیت کی ضرورت تھی۔ ڈوزی نے جب سب مصالحہ جمع کر لیا تو ۱۸۴۹ء مین اپنی بے مثال کتاب "اسپین کی پولیٹکل تواریخ کی تحقیقات" شایع کی۔ جسنے علمی دنیا کو حیرت مین ڈال دیا۔ اور کانڈے کے مداحون کو انگشت بدندان کر دیا۔ شروع سے ہی وہ ایک سخت گیر نقاد مانا جاتا تھا۔ اور اب جو اُسنے کانڈے کا پول کھولنا شروع کیا تو اُسکے فرضی قصون اور من گھڑت فسانون کی جنکو کانڈے نہایت مستند عربی ذریعے سے اخذ کیا ہوا بتاتا تھا دھجیان اُڑا دین۔ اور دنیا پر ظاہر کر دیا کہ ابتک کانڈے نے تمام مستشرقین کو دھوکے مین ڈال رکھا تھا۔ ڈوزی کی اس تصنیف تحقیقات سے کانڈے کی شہرت کو ایسا دھکا لگا کہ اسکا نام مورخین کے اول صف

سے خارج کر دیا گیا۔ ادھر بڑے بڑے متبحر عالموں نے تحقیقات پر علمی رسائل کے صفحات سیاہ کر دیے۔ ارنسٹ رینان[1] نے کانڈے کی کتاب کو جھوٹا کہا۔ اور اس پر سخت اعتراضات وارد کیے اور دنیا پر ظاہر کر دیا کہ کانڈے کی تدقیق و تحقیق ایک دعویٰ کاذب تھی اور بس۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ کانڈے کو اپنی زندگی میں بہت سے مصائب برداشت کرنے پڑے جس کی وجہ سے وہ اپنی تصانیف کی صحت نہ کر سکا تاہم یہ عذر ڈوزی جیسے سخت گیر مورخ کی نظروں میں معقول نہ تھا۔ کیونکہ اسکا مقولہ تھا کہ "غلط بیان مورخ سب سے بڑا مجرم ہے" کانڈے کے ساتھ ہی اور بہت سے مورخ ڈوزی کے زیر عتاب آ گئے۔ اپنے دوست گیانگاس[2] پر بھی وہ خوب برسا۔ اور اسکی اسپین کے مسلمان خاندانوں کی تاریخ (جو المقری کا ترجمہ تھی) پر اسنے اعتراضات کا طومار باندھ دیا۔ باوجود ان مخالفانہ تنقیدوں کے اسکی شہرت بڑھتی گئی۔ اس میں اسپین کے اُدبا کی علمی قدردانی کی داد دینی چاہیے۔ کہ اگرچہ انکے مشہور مورخین کو اسطرح ذلیل کیا گیا تھا لیکن انھوں نے ڈوزی کے علمی تبحر کی پوری داد دی۔ اور اسپین کے اعلیٰ خطابات اور سندات اسکو عطا کیے۔

[illegible]ء میں وہ لیڈن یونیورسٹی میں تاریخ کا پروفیسر مقرر ہو گیا اور اپنے فرائض منصبی میں ایسی دلچسپی لی۔ کہ طلبا جوق در جوق اسکے درس میں شامل ہونے لگے۔ گو اب اسے مطالعہ کی بہت کم فرصت ملتی تھی۔ تاہم اسکا علمی شغف جاری رہا۔ وہ اپنے عہدہ کے پہلے سال میں ڈی وریز[3] کو لکھتا ہے "تعطیلات میں میں سویڈن[4] اور آئسلینڈ[5] کی زبانیں سیکھنی چاہتا ہوں (ڈچ میں اتنی جانتا ہوں کہ تواریخی کتب کا مطالعہ کر سکوں) کیونکہ میرا ارادہ ہے کہ آئندہ سال یورپ میں نارمن[6] تاریخ پر لکچر دوں۔

---

[1] Earnest Renan

[2] Don Pascual De Gayangos

[3] Hugo De Vries

[4] Swedish

[5] Icelandic

[6] Norman

۱۸۴۰ء سے لیکر پانچ چھ سال بعد تک ڈوزی نے بہ امداد۔ وگت¹ ۔ کرہل اور کرج کے ساتھ ۔ المقری کی نفح الطیب" کی اشاعت کا انتظام کیا۔ یہ کتاب سترھوین صدی مین لکھی گئی تھی ۔ اور اسپین کی ادبی اسلامی تاریخ کا ماخذ تھی ۔ اگرچہ دراصل یہ غرناطہ کے ایک مشہور وزیر کی سوانح عمری تھی لیکن تاہم اسکے دیباچے مین مقری نے بہت سے تاریخی نکتون پر روشنی ڈالی تھی جسکا پورا فائدہ ڈوزی اور اسکے ساتھیون نے اٹھایا۔ اور جسکو انھون نے "اسلامی ادبی تاریخ اسپین" کے نام سے شایع کیا۔

اگرچہ کانڈے کا پول کھول کر ڈوزی نے تواریخ اسپین کے بہت سے غلط واقعات کا قلع قمع کر دیا تھا لیکن اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہسپانوی تاریخ اسلام ایک بلا تصویر چوکھٹے کے مانند رہ گئی ۔ وجہ اسکی یہ تھی ۔ کہ کانڈے ہی ایک ایسا مورخ تھا جسکی کتاب یورپ والے آسانی سے پڑھ سکتے تھے ۔ جب وہ کتاب ہی جھوٹی ثابت ہوگئی تو ہسپانوی تاریخ یورپ والون کی نظرون مین بالکل مفقود ہوگئی ۔ ڈوزی نے اس خود پیدا کردہ کمی کو محسوس کرکے اب یہ ارادہ کیا کہ اس چوکھٹے کو مسلمانون کی سلطنت اسپین کے واقعات کی ہو بہو اور اصلی تصویر سے مزین کرے ۔ اور یہ وہ کام تھا جسمین وہ کئی سال تک منہمک رہا اور آخر کار ۱۸۶۱ء مین اپنی شہرہ آفاق کتاب تاریخ مسلمانان اسپین از فتح اندلس تا خاندان الموحدین دنیا کے سامنے پیش کی اور یہی وہ کتاب ہے جو اسکا سب سے درخشان کارنامہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس لاجواب تصنیف مین مورخ نے اسپین کی تاریخ بیان کرتے ہوے اس عظیم الشان فتح کا ذکر کیا ہے جو مسلمانون کو اہل اسپین پر حاصل ہوئی اور جسکی وجہ سے یورپ کی تہذیب مین ایک نمایان انقلاب پیدا ہو گیا۔ مسلمانون کی سلطنت اسپین نے اہل یورپ کو وہ اسباق سکھائے جو ابھی تک انھون نے نہ سیکھے تھے ۔ اور رسول عربی کے پیرورن نے تہذیب اور تمدن کا ایک ایسا شاندار نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جسکی تباہی پر ہم آج تک آٹھ آٹھ آنسو روتے ہین ۔ انکی شاندار سلطنت ۔ شان و شوکت ۔ سرپرستی علم و فضل انتظام ملک ۔ غرضکہ ہر بات یورپ والون سے بدرجہا بہتر تھی ۔ یہ وہ سلطنت تھی جو دنیا مین ایک آفتاب ہدایت کی طرح

¹ Wright & Krehl & Dugat. &

چمکی۔ جسکے نور سے سارا برِ اعظم یورپ منور ہو گیا۔ اور جسکی کرنون نے جہل و ظلمت کی گھٹائین کافور کر دین لیکن نجد و لیت۔ مکہ و مدینہ کے قبیلون کی پرانی لڑائیان جو عربون کی گھٹی مین پڑی ہوئی تھین۔ آخر اس نئی سرزمین مین بھی اپنا رنگ لائین اور بربر اور بدوی کے سطحی جھگڑون نے اس عظیم الشان سلطنت کا نام صفحۂ ہستی سے اسطرح مٹا دیا کہ آج اُسکے آثار بھی مشکل سے ملتے ہین۔

ڈوزی نے اپنی کتاب کو چار حصون پر منقسم کیا۔ پہلے حصہ مین ایام جاہلیت، حضور پیغمبر خدا (صلعم) کا ظہور مسلمانون کا عروج۔ سپین کا داخلہ۔ بربر اور عرب کے جھگڑون کا ذکر ہے۔ حصۂ دویم مین عیسائی اہل ہسپانیہ کا ذکر ہے کہ کسطرح انھون نے مسلمانون کی سلطنت تباہ کرنے کی کوشش کی۔ اور کسطرح خلیفہ اعظم عبد الرحمن ثالث کا ستارہ عروج پر ہوا۔ اُمیّہ خاندان کے خلفا کا تیسرے حصہ مین ذکر کیا گیا ہے اور وزیر اعظم المنصور کے درخشان کارنامے بھی کتاب کے اسی جزو مین تحریر ہین۔ چوتھے حصہ مین ان چھوٹی سلطنتون کا ذکر ہے جو خلافت کے زوال کے بعد اسپین مین جا بجا قائم ہوئین۔ افریقہ والون کی دوسری چڑھائی مسلمانون کی سلطنت کی تباہی۔ اور شاعر خیال المعتمد کا زوال اس خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھون کے سامنے واقعات کا ہو بہو نقشہ کھنچ جاتا ہے۔

ڈوزی کی کتاب ہاتھون ہاتھ بکی اور سارے یورپ نے اُسے سر آنکھون پر جگہ دی۔ اسکا بڑا کمال یہ تھا کہ اُسنے صحت واقعات کو مدنظر رکھتے ہوے لطافت زبان اور دلچسپی بیان کو ہاتھ سے نہین چھوڑا۔ وہ اپنی تاریخی داستان اسطرح بیان کرتا ہے۔ کہ پڑھنے والا ایک منٹ کے واسطے نہ اُکتائے۔ فی الحقیقت یہ نہایت ہی مشکل کام ہے مگر ڈوزی نے داستان کی دلچسپی اور صحت کا اتنا لحاظ رکھا کہ اُسکے مخالفین کو بھی اس امر مین اُسکا مداح ہونا پڑا۔ یورپ کے متعصب مورخین کا ڈوزی پر یہ الزام ہے کہ اسکی کتاب کے ماخذ صرف عربی تصانیف ہین۔ جہالت کی اور کیا حد ہوگی۔ کیونکہ نہ صرف عربی بلکہ عیسائی مورخون کی بھی کافی طور پر خوشہ چینی کی گئی ہے اور اسطرح پر بقول ڈوزی اس بات کا پورا التزام رکھا گیا ہے کہ تصویر کا ایک ہی رخ نہ دکھایا جائے۔

حیرت کا مقام ہے کہ جس کتاب کا ڈنکا چاردانگ یورپ مین بج رہا تھا ہالینڈ والون

نے اُسکی طرف کوئی توجہ نہ کی - اس حوصلہ شکن سلوک کی وجہ پروفیسر وتھ[1] نے رسالہ ڈی گڈز[2] (مطبوعہ ۱۸۶۳ء صفحات ۱۱۴۳ تا ۲۶۴۴) مین اسطرح بیان کی ہے "کچھ شک نہین کہ ڈوزی کی کتاب اہل ہالینڈ کے واسطے باعث افتخار ہے - لیکن اگر اُنھون نے اس کا نوٹس نہین لیا تو محض اسواسطے کہ وہ ایک غیر ملکی زبان (فرانسیسی) مین لکھی گئی ہے - اس بات کا اہل ہالینڈ کو جائز صدمہ ہے - کاش مادر وطن کا یہ فرزند فرانسیسی کو اپنی مادری زبان پر ترجیح نہ دیتا اور اسطرح پر اپنے ہموطنون کو ممنون کرتا" ایک خود دار اور چھوٹی قوم کیواسطے یہ جذبہ باعث فخر ہے - مشہور مورخ گبن[3] کا بھی خیال تھا - کہ اپنی کتاب "عروج وزوال سلطنت روم" فرانسیسی زبان مین شایع کرے - اسکا جو اثر اہل انگلستان پر پڑتا وہ ظاہر ہے - ڈوزی نے یہ دیکھا کہ فرنچ ہی ایک ایسی زبان ہے جسے یورپ کی علمی زبان کہہ سکتے ہین - اسیلیے یورپ سے خراج تحسین وصول کرنے کے لیے لازم تھا - کہ بر اعظم کی مسلمہ ادبی زبان مین کتاب لکھی جائے - باوجود اسکے ڈوزی کو اپنے ہموطنون کی دل شکنی کا احساس تھا - اسیلیے اُسنے ایک نادر کتاب ڈچ زبان مین "تاریخ اسلام" پر لکھی جسکا ترجمہ بعد مین ایک فرانسیسی عالم موسیو وکٹر شادن[4] نے کیا - اس کتاب کے دیباچے مین چند امور کا بیان کرتے ہوئے مصنف کی توجہ ایک خاص بات کی طرف مبذول ہوئی - چنانچہ ۱۸۶۴ء مین اُسنے "مکہ مین بنی اسرائیل" نام ایک کتاب شایع کی جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ ڈوزی کی سب سے اعلیٰ (اور بقول بعض سب سے بڑی) کتاب ہے - اس کتاب مین اُسنے یہ ظاہر کرنا چاہا تھا کہ خانۂ کعبہ ساول[5] بادشاہ کے زمانہ مین سیمینی[6] قوم کے جلا وطن اسرائیلیون نے تعمیر کیا تھا -

بڑھاپے اور پروفیسری کی مصروفیتون کے باوجود بھی اُسنے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا ۱۸۶۶ء مین عربی جغرافیہ دان الادریسی کا ترجمہ کیا - اور اس سے ایک سال قبل ان ڈچ الفاظ کا مجموعہ شایع کیا - جو عربی فارسی - اور عبرانی زبانون سے

---

[4] M. Victor Chauvin

[5] Saul

[6] Simeon

[1] Professor Vith

[2] De Gids

[3] Gibbon

اخذ کیے گئے تھے۔ ۱۸۶۱ء مین انگلمین کی کتاب (ہسپانوی اور پرتگالی الفاظ جو عربی سے لیے گئے ہین) کو اپنی معلومات سے مستفیض کرکے شایع کیا جسپر فرانس کی علمی مجلس نے ۱۶-جولائی ۱۸۶۹ء کو اُسے ایک گرانقدر انعام عطا کیا۔

پروفیسری کے فرائض سے سبکدوش ہوکر۔ ڈاکٹر سلین کے ترجمہ ابن خلدون پر ایک زبردست تنقید لکھی۔ ڈوزی کی عادت تھی کہ جب کبھی تنقید لکھتا تو نہایت بے جگری سے لکھتا عموماً ایسے سخت گیر نقاد کے عوام دشمن ہوتے ہین۔ لیکن باوجود سختی کے ڈوزی کے الفاظ مین زہر نہ ہوتا تھا۔ اور اسی وجہ سے اُسکے اور دیگر علما کے درمیان کوئی خاص تنازعہ نہ پیدا ہوا البتہ اگر کچھ بدمزگی ہوئی بھی۔ تو اپنے دیرینہ دوست فلیسلر کے ساتھ۔ اس جھگڑے کی بنا المقری کے ترجمہ سے پیدا ہوئی۔ اور کئی سال تک دونون دوست برسرپیکار رہے لیکن آخرکار خوش قسمتی سے مصالحت ہوگئی اور یہ ناگوار بحث ختم ہوئی۔

۱۸۶۷ء کے بعد ڈوزی عربی لغت کا ضمیمہ تیار کرنے کی فکر مین تھا۔ اور اہل ادب کی نظر مین یہ اسکی سب سے زیادہ قابل قدر کارگذاری تھی۔ ۱۸۸۱ء مین یہ ضمیمہ بھی مکمل ہوگیا اور ڈوزی کو اسکی تکمیل پر ایک روحانی حظ حاصل ہوا جسکو وہ بار بار اپنے خطوط مین دُہراتا ہے حقیقت مین اُسنے اس کتاب پر اپنی آخری عمر کا بہت سا بیش بہا وقت خرچ کیا تھا۔ اور اسی لیے اسکے شایع ہونے پر اُسے خاص خوشی ہوئی۔

ڈوزی کی شہرت کا آفتاب اب نصف النہار پر تھا۔ یورپ کے ادبا اُسکی تعریف مین رطب اللسان تھے۔ اور مختلف علمی مجالس اُسکی شرکت کو باعث فخر خیال کرتی تھین۔ لیکن بڑھاپے مین جس شخص کی حوصلہ افزائی سے اُسے غیر معمولی تقویت ہوئی وہ اُسکے دیرینہ دوست فلیسلر کی تعریف تھی۔ جسنے بوڑھے اعضا (جو کمزوری اور ضعف کی وجہ سے بیکار ہو چلے تھے) مین نئے سرسے روح پھونک دی۔

لگاتار دماغ سوزی اور محنت نے آخر اعصاب پر اپنا برا اثر کیا گو بوڑھا پروفیسر

Engleman ؎

Dr Slane ؎

اپنی جسمانی تکالیف کی زیادہ پروانہ کرتا تھا لیکن آخرکار ضعف اعضا اور کمزوری محسوس ہونے لگی۔ ضمیمہ کے چھپنے کے ساتھ ہی ڈوزی کو اندازہ ہونے لگا کہ اسکی صحت اب قطعی طور پر جواب دے چکی ہے۔ اُسنے اس کمزوری کی حالت مین بھی اپنا پرانے علمی شوق کو ٹھنڈا نہ ہونے دیا۔ اور اپنی تصنیف کردہ کتابون کی صحت شروع کردی۔ چنانچہ تحقیقات کا نیا ایڈیشن اسقدر نئی معلومات سے پر تھا کہ اہل بینش دنگ رہ گئے۔

۲۹-اپریل ۱۸۸۳ء کو وہ عدم آباد کو سدھار گیا۔ اسکی زندگی سادہ اور عالمانہ تھی وہ حقیقی معنون مین ایک مصنف اور مورخ تھا۔ علم ادب کا جسمین زبان اور تاریخ دونون شامل ہین۔ وہ ساری عمر شیدا رہا۔ دنیا کی علم مین اضافہ کرنے مین اُسنے اپنی عزیز زندگی کے چالیس سال صرف کردیے۔ اور اپنی لگاتار جانفشانیون سے علم و ادب کا خزانہ مالامال کرگیا۔

دنیا مین یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔
ڈوزی کی زندگی ہمکو کیا سبق سکھاتی ہے؟

نذیر احمد خان

مشکلات سے خوف کھانا مردانگی کو جواب دینا ہے۔ مشکلات ہمارے ساتھ بڑی نیکی کرتی ہین۔ وہ ہم مین حوصلہ پیدا کرتی ہین۔ مشکلات انسان کو مردانگی سے مصیبت برداشت کرنے کیلیے تیار کرتی ہین۔ کوئی قوم ترقی نہین کرسکتی اگر اسکے راستہ مین مشکلات حائل نہون۔

لوکمانیہ تلک

ہم سب لوگ اپنے خیالات مین ایسے محدود ہین کہ ہمیشہ یہ خیال کرنے لگتے ہین کہ ہم راستی مین ہین۔ اسلیے دوسرون کا غلطی پر ہونا آسانی سے یقین مین آجاتا ہے

تعصب روح کو یتیم بنا دیتا ہے

گوئٹے

حسرت کی شاعری

تو نے حسرت یہ نکالا ہے عجب رنگ غزل اب بھی کیا ہم تیری یکتائی کا دعویٰ نہ کریں

آج ادبی دنیا کا گوشہ گوشہ اس بلبل شیوا بیان کی نوا سنجیون سے لبریز ہے، چمنستان ادب کی نسیم دلنواز شگفتہ پھولون کی خوشبو کے ساتھ ساتھ حسرت کے رنگ تغزل کو بھی اپنے دامن مین لیے پھرتی ہے۔ حسرت وہ حسرت جسکی وسعت تخیل کی وفضائے بسیط مین گنجائش نہین، جس کے خیالات کی پرواز آسمانون کی بلندی کو بھی پست سمجھتی ہے، جو نشۂ سخنوری مین کبھی کبھی خود کہہ اٹھتا ہے، کہ

مین اپنی داد خود دے لون کہ مین بھی کیا قیامت ہون

اوران الفاظ مین اپنا تعارف کراتا ہے۔

گرفتار محبت ہون اسیر دام محنت ہون مین رسوائے جہان آرزو ہون یعنی حسرت ہون

وہ حلم بردار آزادی جو آج اپنی بیباک صداقت اور بے لوث حرّیت کی وجہ سے سیاسی دنیا مین قابل پرستش خیال کیا جاتا ہے، وہ آسمان سخن کا درخشان آفتاب جسنے اپنی تیز شعاعون سے فرسودہ بندشون اور لچر خیالات کے مضبوط قلعے کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا، وہ جسکی باصرہ نواز شعاع ادب نے دنیا کی آنکھون کو منور کر دیا، وہ جسنے دور حاضرہ کے ارباب سخن کو کھوٹے کھرے سے آگاہ کر دیا، کون، وہی شاعر بےمثال حسرت،

جسطرح ہند کی سیاسی تاریخ مین اس سید الاحرار کے دل ہلا دینے والے کارنامے، اور ایثار و خودداری کے افسانے زرین حروف مین قلمبند کیے جائینگے۔ اسی طرح اردو پر اس ذات ستودہ صفات نے جو احسان کیا ہے وہ کبھی فراموش نہین کیا جا سکتا، زمانہ خواہ کتنے ہی رنگ بدلے، اور زبان اردو خواہ کتنی ہی بلندی پر پہونچ جائے لیکن حسرت کے ادبی جواہر پارونکو

آنیوالی نسلین ہمیشہ آنکھون پر رکھین گی اور کلیجے سے لگائینگی۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ شاعری ودیعت فطرت ہے، لیکن کمال شاعری اکتسابی شے ہے شاعری مین کمال حاصل کرنیکے واسطے کن کن باتون کی ضرورت ہے؟ اس سوال کا مفصل جواب دینا بہت مشکل ہے، اور نہ اس موقع پر اسکی تشریح کی ضرورت ہے یہان صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ غزل گوئی مین وہی شاعر کامیاب ہوسکتا ہے جو دنیاوی جاہ وحشم سے مستغنی ہو، حرص وطمع سے قطعی طور پر بے نیاز ہو، گوشہ نشین بلند نگاہ ہو، اور علاوہ علوم متداولہ کے بہترین اخلاق سے متصف ہو، دیکھنا یہ ہے کہ حسرت اس سخت امتحان مین کہان تک کامیاب ہوے ہین؟ دنیاوی مال و دولت سے استغنا اور حرص وطمع سے بے نیازی کا تو یہ حال ہے کہ مولانا نے بی۔اے پاس کرنیکے بعد کبھی سرکاری ملازمت نہین کی، ورنہ آج وہ کسی عہدۂ جلیلہ پر ممتاز اور مالی کشاکش سے مطمئن ہوتے۔آپ کی آزاد طبیعت قید سخت کے مصائب مین بھی آزاد رہی چکی چلایا کرتے تھے اور روحانی نغمے الاپتے رہتے تھے۔خود فرماتے ہین

ہے مشق سخن جاری چکی کی مصیبت بھی

آپ کا دل اسقدر غیور ہے کہ قید فرنگ کے زمانہ مین بارہا آپ کے خاندان پر مصیبتون کے پہاڑ ٹوٹے لیکن آپ نے کبھی اپنے عزیز سے عزیز دوست کی جانب بھی نظر استعانت سے نہ دیکھا اور اگر آپ کے احباب نے کسی امداد کا ارادہ بھی کیا تو مولانا کی شان استغنا ملتفت نہ ہوئی۔ حسرت مادر ہند کا وہ سپوت ہے جسنے محض اپنی صداقت اور بیباکی کی بدولت اُس زمانہ مین قید محن کی تکالیف برداشت کین جس زمانہ مین لیڈران ملک سرکاری دربار دشمن سحر بن جاتے تھے اور حسرت کو مجبور خیال کرتے تھے۔یہ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ حسرت اُن برگزیدہ ہستیون مین سے ہین جو زمانہ مدتون کے بعد پیدا کرتا ہے، اور جنکی پوری قدر اُنکے مرنیکے بعد ہوا کرتی ہے۔

حسرت کی شاعری کی ابتدا اُس زمانہ مین ہوئی جب ملک مین بالعموم بد مذاقی پھیلی ہوئی تھی، شعرا داغ، امیر اور ذوق کی کورانہ تقلید کررہے تھے، خان آرزو، میر و مرزا، اور خواجہ درد کا لگایا ہوا باغ سخن (جسکو انشا، ناسخ، مصحفی، آتش، صبا، وزیر، ذوق کی سحر طرازیون

سے رونق بخشی تھی) اب پامال ہو رہا تھا صدیون کی مشق پیہم سے بندشین فرسودہ ہوگئی تھین ، گلہائے مضامین کمھلا چکے تھے ، افکار و تخیل کے تناور درختون کی جڑین کھوکھلی ہو رہی تھین ، مگر گلشن تخیل کے پھول چننے والے اِس مخصوص باغ کی چار دیواری سے باہر قدم رکھنا حرام مطلق سمجھتے تھے ، مرجھائے ہوئے پھولون کی خوشبو پسند تھی کوئی نیا رنگ انکے لیے قابل التفات نہ تھا - وہی میخانہ تھا ، وہی فضا ، وہی خم تھا ، وہی ساغر - وہی ساقی اور وہی اسکے چشم مست کی گردش غرض شاعری چند پرانی بندشون تک محدود ہو چکی تھی جو بار بار دُہرائی جا رہی تھین شاعرون کا ایک طبقہ لفاظی ، اور لفظی رعایت کا دلدادہ تھا اور صرف وصل و فراق کے فرضی مضامین پر شاعری کا انحصار سمجھتا تھا مثلاً

گو ہے ماہ رمضان دیدے دہن کا بوسہ
کچھ نہین خوف جو روزہ لب کوثر ٹوٹے

کیون ہوا ہے ہو شرم کی گٹھڑی شب وصال
انگیا مسک گئی کہ دوپٹہ نکل گیا

کہتے ہین جسے اُمید موہوم
تصویر وہ ہے ترے کمر کی

شب وصل مین اُنکی اتنی بلائین
کہ ہمدم ! میرے ہاتھ ہی جلتے ہین

بوسہ نہ دو اٹھاؤ تو عارض سے اپنی زلف
کیا چاندنی کا لطف ہے جب چاند گھٹ گیا

اور ایک گروہ "میت" ، "لحد" ، حالت نزع ، آنکھون کا پھرنا ، اور رگون کا اینٹھنا ، اس قسم کے لغو و بے معنی خیالات کے گورکھ دھندے مین گرفتار تھا (ایسے شعرا اب بھی موجود ہین جن کی شاعری اسی قسم کے خیالات پر مبنی ہے - انھین دن رات بیمار کی جان کا رونا ہے - مرتے ہین اور مر نہین چکتے - روتے ہین اور آنسو ختم نہین ہوتے - انکی بزم سخن مین لاشین نکلتی ہین - دھوم سے ماتم ہوتا ہے ، بیمار کراہتا ہے ، اور چارہ گر مصروف علاج رہتا ہے - بس اسکے علاوہ کچھ نہین - ہنسی خوشی کا کہین نشان نہین ملتا - مثلاً

تھا نزع میں بھی سلسلۂ قید غم وہی — اینٹھی جو رگ وہ حلقۂ زنجیر ہوگئی

نبضیں چھٹی ہیں آنکھوں میں دم ہے لبوں پہ جان — آؤ کہ کوئی دم میں بلایا نہ جائے گا

ابھی بیمار کی آنکھوں میں دم ہے نبض میں جنبش ہے — یہ کیا کرتے ہو یہ موقع نہیں آنسو بہانے کا

نقل ہے کہ مرنیوالے کے دل کا ملا سراغ — حلقے میں آنکھ کے ہے اک آنسو رکا ہوا

سامنے لاشوں کے حکم انکا یہ پڑھوایا گیا — ختم میعادیں تمہاری اہل زندان ہوگئیں

اب نہ ایسا انقلاب آئیگا دنیا میں کبھی — آپ کا بیمار غم کروٹ بدل کر رہ گیا

لچر خیالات اور پژمردہ جذبات سے حسرت کا کلام بالکل پاک ہے۔ اور اگر کوئی مثال مل بھی جائے تو وہ الشاذ کالمعدوم کے تحت میں آجاتی ہے، لیکن بعض شعراء اسی قسم کے خیالات کو اپنی غزلوں کے لیے سرمایۂ ناز سمجھتے ہیں۔

فطرت شاعر بھی ہے ادیب بھی، وہ جسکو چاہتی ہے شاعر بنا دیتی ہے، حسرت نازپروردۂ فطرت ہے اسلیے وہ شاعر بھی ہے ادیب بھی۔ وسعت نظر کا یہ عالم ہے کہ حسرت نے اردو و فارسی کے تمام دواوین و کلیات الف سے ی تک نہایت محنت و عرقریزی سے مطالعہ کیے ہیں۔ دیوان مطبوعہ ہو یا غیر مطبوعہ آپکا ایک نسخہ حسرت کے پاس ضرور ملے گا۔ انکو ادبی کتابوں کے جمع کرنے کا بہت شوق ہے، چنانچہ کسی قدیم شاعر کا دیوان (جو اب نایاب ہے) حسرت نے پورے سو روپے میں خریدا تھا۔ ریاض خیرآبادی کا کلام خود ریاض کے پاس بہت کم ہے لیکن حسرت نے انکی تمام غزلیات جو وقتاً فوقتاً گلکدۂ ریاض و دیگر ملکی رسائل و اخبارات میں شائع ہوتی رہیں جمع کرلی ہیں۔

ہم ذیل میں ایک غزل درج کرتے ہیں، ارباب نظر خود اندازہ کرلیں کہ تخیلات حسرت کی دنیا کتنی وسیع ہے اور دیگر شعراء کے کلام میں اور انکے کلام میں کیا امتیازی خصوصیت ہے۔

پیرو مسلک تسلیم و رضا ہوتے ہیں — ہم تیری راہ محبت میں فنا ہوتے ہیں

شرم کر شرم کہ لے جذبۂ تاثیر وفا — تیرے ہاتھوں وہ پشیمان جفا ہوتے ہیں

نہ اثر آہ میں کچھ ہے نہ دعا میں تاثیر — تیر ہم جتنے چلاتے ہیں خطا ہوتے ہیں

لذتِ دردنہ کیون اہل ہوس پر ہو ہجوم — کہ وہ کمبخت طلبگار دوا ہوتے ہین
جسم ہوتا ہے جدا جان سے گویا حسرت — آسمان اُسنسے چھڑاتا ہے جدا ہوتے ہین

غزل کیا ہے ایک جلوہ گاہ ادب بہ غایت باصرہ نواز، ایک نغمہ روح پرور، بغایت دلنواز، اہل دل کے لیے سامان درد، اور اہل درد کے سرمایۂ بیخودی۔ سچ ہے

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

حسرت کا دل دریائے محبت مین غرق ہے۔ حسرت کے جگر مین اُلفت کے گہرے زخم موجود ہین، اسی وجہ سے اُنکے اکثر اشعار دلون مین تیر کی طرح اُتر جاتے ہین شلاً

خندۂ اہل جہان کی مجھے پروا کیا تھی — تم بھی ہنستے ہو میرے حال پہ رونا ہے یہی

علاوہ شاعرانہ خوبی کے اِس شعر مین ایک خاص اثر ہے جو دلون پر چرکے لگاتا ہے، اور پڑھنے والا بیچین ہوکر صدائے تحسین بلند کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

حسرت، تسلیم لکھنوی کے شاگرد ہین لیکن غالب، میر، مومن، نسیم وغیرہ کی تقلید اپنی شاعری کے لیے طرۂ افتخار سمجھتے ہین۔ مخصوص نسیم ومومن کے اس درجہ گرویدہ ہین کہ جا بجا اپنی غزلون مین فخریہ ان بزرگون کی تقلید کا ذکر کرتے ہین۔

مرحبا حسرت بنائی خوب تصویرِ سخن — رنگ مومن خوشنما کس درجہ اس پیکر مین ہو

ایک جگہ اور فرماتے ہین ؎

شیرینی نسیم ہے سوز وگداز میر — حسرت تیری سخن مین ہے لطفِ سخن تمام

نسیم دہلوی کی طرف بارہا اشارے کیے ہین ؎

نسیم دہلوی کو وجہ ہے فردوس مین حسرت — جزاک لسد تیری شاعری ہے یا فسون کاری

حسرت تیری شگفتہ کلامی پہ آفرین — یاد آگئین نسیم کی رنگین بیانیان

حسرت کے ادبی کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل ہین۔ آپ نے تذکرۃ الشعرا کے سلسلے مین اُن شعرا کے دواوین کا انتخاب شائع کیا ہے جنکا کلام عام طور پر لوگون کی نظر سے پوشیدہ تھا، شرح دیوان غالب تعلیم یافتہ طبقہ مین نہایت وقعت وعزت کی نگاہ سے

دیکھی جاتی ہے۔ اُردوئے معلیٰ کی جلدون مین جابجا گمنام شعرا کی سوانح عمریان اور اُنکے کلام نظر آتے ہین جو حسرت کے جادو نگار قلم کے ممنون احسان ہین۔

حسرت کی یہ نمایان خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ آپ نے صرف "قافیہ پیمائی کو" اپنا شیوہ قرار نہین دیا۔ بلکہ اس لغویت سے ہمیشہ پرہیز کرتے ہین یعنی اپنے خیالات کو قافیہ کا پابند نہین کرتے بلکہ قافیہ کو اپنے جذبات واحساسات کا پابند بناتے ہین۔ بڑے بڑے اساتذہ اس مرض مین گرفتار تھے، اور ہر قافیہ کو نظم کرنے کی کوشش کرتے تھے، بلکہ بعض قافیہ کو مکرر وسہ کرر باندھکر اپنی روانی طبع کا سکہ بٹھانا چاہتے تھے۔ بعض اوقات تو تکرار توافی کی وجہ سے دو غزلہ، سہ غزلہ و چو غزلہ تک نوبت پہونچ جاتی تھی

اسکا فیصلہ ارباب نظر کے ذوق سلیم پر منحصر ہو کہ وہ اشعار جنکا مقصود اصلی قافیہ پیمائی ہے یا جن کے جذبات مصنوعی ہین کہان تک پُر اثر ہو سکتے ہین؟ جہان ہر قافیہ کو نظم کرنے کی فکر ہوگی وہان تاثیر عنقا ہو جائیگی۔ غالب کی غزلین اگرچہ نہایت مختصر ہین لیکن ہر شعر بجائے خود ایک نشتر ہے، مثلاً "اثر ہونے تک" "سر ہونے تک" اس زمین مین غالب نے جو اشعار نکالے وہ ہر چند کہ چند ہی ہین، لیکن جو ہین لاجواب ہین۔ حسرت اس معاملہ مین بالکل غالب کے پیرو ہین۔ انکی غزل مین بالعموم ۷ یا ۹ اشعار ہوتے ہین لیکن جو شعر کہتے ہین اثر مین ڈوبا ہوا کہتے ہین۔ ممکن نہین کہ کوئی پڑھے اور دل نہ تھام لے۔ مثلاً "سلام ہو جائے" "عام ہو جائے" یہ غزل کیا ہے ایک طوفان جذبات ہے۔ "تمنا کر دیا" "شکیبا کر دیا" یہ غزل بھی ایک محشرستان خیال ہے

مولانا حسرت نے دنیائے ادب مین اپنے اجتہاد سے بھی کام لیا ہے۔ آپنے مجنون ولیلی شیرین وفرہاد، نل و دمن، یوسف وزلیخا، سکندر وآب حیات غرض اس نوع کے تمام قصص پارینہ کو طاق نسیان پر رکھدیا۔ یہ تمام فرسودہ داستانین جنکی اس درجہ تکرار ہوئی کہ انکا لطف جاتا رہا۔ حسرت کے دیوان سے دور ہین، صداقت جذبات کی یہ ایک اور دلیل مبرہن ہے،

بلند نظری | مثل مشہور ہو کہ آدمی اپنے دوستون سے پہچانا جاتا ہے، اور مصنف اپنی تصنیف سے

اسی طریقہ سے شاعر کی خصوصیات کا اندازہ اکثر اسکے دیوان سے ہو جاتا ہے۔ عرفی کا یہ شعر

اقبال کرم میگزد ارباب ہمم را ہمت نخورد نیشتر لا و نعم را

اُسکی بلند حوصلگی کی تصویر ہے، اسی طرح غالب و مومن کے دواوین مین اکثر ایسے اشعار ملتے ہین جنسے ان دونون آفتاب و ماہتاب سخن کی بلند ہمتی اور آزادمزاجی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

دیوان حسرت مین آپ کو سیکڑون ایسی مثالین ملین گی جنسے آپ کو حسرت کی بلند نظری کا ثبوت مل جائے گا۔

برق کا قول نہ مجھے یاد ہے ابتک حسرت زندگی نام ہے دنیا سے گزر جانے کا

ظاہر ہے کہ حسرت کی پاک روح اُسوقت کیلیے مضطرب ہے جب وہ اس قید خاکی سے نکلکر اپنے آسمانی نشیمن پر پہونچے گی۔

حضور مجھپہ نہ ضایع کرین عطا اپنی کہ مستحق ہون جفا ہاے التزامی کا

یہ شان بے نیازی اور یہ حسن طلب قابل داد ہے۔

کٹ گیا قید مین ماہ رمضان بھی حسرت گرچہ سامان سحر کا تھا نہ افطاری کا

ہے مشق سخن جاری اور چکی کی مشقت بھی اک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

ان شعرون سے حسرت کی آزادمنشی، اور قناعت پسندی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ قید کی تکالیف اور اپنی طبع غیور کی آزادی دیکھکے خود ہی تعجب کرتے ہین اور فرماتے ہین

اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

حسرت کی شاعری پروردۂ زندان ہے اُنکے جتنے دیوان ہین تقریباً سب قید خانے مین مرتب ہوے جیلخانہ سے نکلکر اُنکا شاعرانہ جوش کچھ کم ہو جاتا ہے، برسون مین کبھی ایک آدھ غزل کہہ لیتے ہین دیکھین ابکی مرتبہ اُنکی شاعری زندان مین کیا رنگ لاتی ہے، دنیاے ادب تازہ دیوان کی منتظر ہے۔

حسرت بارہا قید فرنگ مین مبتلا رہے، پے درپے نقصانات اُٹھائے۔ مکان مین چوری ہوئی۔

کل اثاثہ جاتا رہا، فقر و فاقہ کی نوبت آئی لیکن وہ کبھی صداقت و راستبازی کی شاہراہ سے ایک اینچ بھی نہ ہٹے۔ پھر کلام مین سوز و گداز کیون نہو، اس شعر کو پڑھ کے انکی اولو العزمی اور استقلال کا دل پر سکہ بیٹھ جاتا ہے۔

کٹ گیا قید مین ماہِ رمضان بھی حسرت　　گرچہ سامان سحر کا تھا نہ افطاری کا

کبھی کبھی طبیعت کی فطری شوخی، مضامین اسیری مین بھی وہ رنگ تغزل پیدا کر دیا کرتی تھی کہ باید و شاید

قید تنہائی مین بھی تنہا نہین اے یادِ یار　　آج یہ عقدہ کھلا ہمپر کہ ہین آزاد ہم

سعیِ احباب کو ناحق ہے رہائی کا خیال　　اور ہی کچھ ہے تمنا تیرے زندانی کی

یہ شعر اس موقعہ پر کہا گیا تھا کہ جب بیگم حسرت موہانی (خدائے پاک انکو ہمیشہ تندرست و شادان رکھے) بہت پریشان تھین، اور حسرت جیلخانہ مین تھے، چند مخلص پرست احباب نے رہائی کی کوشش کی تھی لیکن حسرت نے اُن شرائط کو نامنظور کر دیا، جو رہائی کیلیے پیش کیگئی تھین اور یہی شعر لکھکر بھیج دیا۔

بیان کی بے تکلفی: یہ وہ خصوصیت ہے جو مسلسل مشق کے بعد بہ دقت حاصل ہوتی ہے، پیہم محنت و جانفشانی کے بعد بھی بعض شعرا اس دولت سے محروم رہتے ہین، لیکن حسرت اس صنف کا بادشاہ ہے، اُسکے اکثر اشعار اسقدر صاف اور رواں ہوتے ہین کہ پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔

مرمٹا آپ پہ کون آپ نے یہ بھی نہ سُنا　　آپ کی جان سے دور آپ ... ہو مجھے

رائگان حسرت نہ جائیگا مرا مشتِ غبار　　کچھ زمین لیجائیگی کچھ آسمان لیجائے گا

اب نہ گل ہین نہ عندلیب نہ شور　　وہ ہنگامہ بہار مین تھا

ایسے بگڑے کہ پھر جفا بھی نہ کی دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا
کون لاتا ترے عتاب کی تاب غیر گذری کہ سامنا نہ ہوا

کون رکھے گا تیرے غم سے دلِ جان عزیز کچھ نہیں اور جب اس رنج مین راحت کے سوا

چھپ نہیں سکتی چھپانے سے محبت کی نظر پڑ ہی جاتی ہے رخ یار پہ حسرت کی نظر

دلربائی کا اک نیا عالم اس نگاہِ کرشمہ بار مین تھا

انکے قدمون پہ گر بھی جا حسرت یون نہ ہوگا ترا قصور معاف

دوستو ترک محبت کی نصیحت ہی فضول اور نہ مانو تو دلِ زار کو سمجھا دیکھو

کیا روانی ہے! کیا سلاست ہے، اس قسم کی بہت سی مثالین دیوان حسرت مین موجود ہین جا بجا حسرت نے حسن بیان کے دریا بہا دیے ہین، ایک جگہ فرماتے ہین -

وہ دور ہی سے ہمین دیکھ لین یہی ہے بہت مگر قبول ہمارا سلام ہو جائے

اس سادگی مین کیا رنگینی ہے، انداز بیان کس درجہ دلربا ہے - درحقیقت دیوان حسرت طلسم کیف و نیرنگ کا بہترین مرقع ہے

<u>محاکات و مصوری</u> | شاعر کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی واقعہ کو اس انداز سے بیان کرے کہ سنتے ہی اس واقعے کی تصویر آنکھون کے سامنے آجلے اب چاہے اسے عکاسئ خیال سمجھ یا محاکات، لیکن قریب قریب دونون ایک چیز ہین -

مثلاً داغ دہلوی فرماتے ہین -

یہ سیر ہے کہ دوپٹہ اڑا رہی ہے ہوا جو وہ چھپاتے ہین سینہ کمر نہین چھپتی

بعض مرتبہ شاعر کسی فرضی خیال کو ایسے الفاظ مین بیان کرتا ہے کہ محاکات اور

مصوری کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے، اگرچہ اُس شعر مین کوئی حقیقی واقعہ مضمر نہین ہوتا۔ مثلاً جناب ریاض خیرآبادی فرماتے ہین۔

دام اس رنگ سے گلشن مین بچھا نا صیاد   ہین سرِ شاخ چلون سایہ تہِ دام چلے

حسرت نے بھی جہان کہین کسی واقعہ کو بیان کیا ہے یا کسی خیال کی مصوری کی ہے، کمال کر دیا ہے۔ شعر پڑھ کے نفس مضمون کی ایک تصویر دل مین اُتر آتی ہے۔ مثلاً

سر کہین بال کہین ہاتھ کہین پانؤن کہین   اُنکا سونا بھی ہے کس شان کا سونا دیکھو

ہم نہ کہتے تھے بناوٹ ہے یہ سارا غصہ   ہنس کے لو پھر وہ اُنھون نے ہمین دیکھا دیکھو

سبحان اللہ کیا پاکیزہ تخیل اور کن لفظون مین ادا ہوئی ہے۔ بار بار اس مصرعے کو پڑھیے اور اُس دلکش تصویر کو دیکھئے جو اسکے دامن مین چھپی ہوئی ہے۔

ہنس کے لو پھر وہ انھون نے ہمین دیکھا دیکھو

حسرت کی شاعری کی بنیاد ہی جذبات و واقعات کی مصوری پر ہے اور سادگیِ زبان کے ساتھ دلکشی و رنگینی بدرجۂ اتم موجود ہے، فرماتے ہین

وہ خوابِ ناز مین تھے اور نہ تھے یہ شوق پابوسی   نہ سمجھی پستیِ ہمت ترے اس لطف ایما کو

شاعر کہتا ہے کہ وہ بظاہر سوتے تھے، حالانکہ سوتے نہ تھے۔ یہ شوق پابوسی کی پست ہمتی ہے کہ اُسنے اس پُر لطف اشارے کو نہ سمجھا، یہ شعر محاکات کی ایک پُر لطف مثال ہے جسکے دامن مین اربابِ ذوق کے لیے سامان کیف پوشیدہ ہے۔

بزم ساقی کا یہ کیا حال ہوا میرے بعد   خم کہین ہے تو صراحی ہے کہین جام کہین

بھر آئے اشک دورافتادگانِ بزم ساقی کے   مئے رنگین سے خالی دیکھکر آغوش مینا کو

گھر سے ہر وقت نکل آتے ہو کھولے ہوئے بال   شام دیکھو نہ مری جان سویرا دیکھو

اندھیرے مین وہ آ لپٹے تھے پہلے لیکے دھوکے مین   کہ جب آ حسرت مجھے دیکھا تو شرما کر کہا تم ہو

حسرت کی وہ پوری غزل اسی رنگ مین ہے، جسکا مطلع یہ ہے۔

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے ۔۔۔۔۔ ہمکو ابتک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

اس غزل کا ہر ہر شعر محاکات ومصوری کا نمونہ ہے ۔ ارباب نظر ملاحظہ فرمائیں ۔

کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونا دفعتاً ۔۔۔۔۔ اور دوپٹے سے ترا وہ منھ چھپانا یاد ہے

دوپہر کی دھوپ میں میرے بلانے کے لیے ۔۔۔۔۔ وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ہے

تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بیباک ہو جانا مرا ۔۔۔۔۔ اور ترا دانتوں میں وہ انگلی دبانا یاد ہے

جب اُسنے ادب نے نہ کچھ منھ سے مانگا ۔۔۔۔۔ تو ایک پیکر التجا ہو گئے ہم

واقعہ نگاری کے علاوہ "پیکر التجا" ایک نادر اور دلپسند بندش ہے ۔ شاعر کہتا ہے کہ میں ادب سے کچھ کہہ نہ سکا، لیکن دل کی پوشیدہ تمنائیں، میری صورت سے عیاں ہو گئیں پیکر التجا پر غور کیجیے اور اس دلکش مصوری کی داد دیجیے ۔

جذبات نگاری | یہاں اس امر کا ثبوت پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ شاعری صرف الفاظ کے ہیر پھیر کا نام نہیں ہے ۔ اور نہ وہ شعر جسمیں محض پر شکوہ الفاظ کا انبار ہو شعر کہا جا سکتا ہے ۔ اشعار میں جذبات کا ہونا ضروری ہے ۔ جذبات دو قسم کے ہوتے ہیں علوی و سفلی ۔ مثلاً

اس نامراد دل کے تسلی کو کیا کروں ۔۔۔۔۔ مانا کہ آپکے رخ سے نظر کامیاب ہے

جذشکی سہی اور سہی جبین جبین سہی ۔۔۔۔۔ سب کچھ سہی، پر ایک نہیں کی نہیں سہی

یہ دونوں اشعار بالترتیب جذبۂ علوی و جذبۂ سفلی کی بہترین مثالیں ہیں ۔

شاعری درحقیقت جذبات نگاری کا نام ہے ۔ لیکن وائے بر حال اُن شعرا کے جو کھلے کھلے الفاظ میں عریاں و غیر مہذب جذبات پبلک کے سامنے پیش کرتے ہیں اور داد کے طلبگار ہوتے ہیں ۔ شاعر کا کام اخلاق کو بلند کرنا ہے ۔ اُنکا مطمح نظر عوام الناس کے مقابلہ میں بلند ہو جانا چاہیے اگر وہ تغزل میں دلآویزی پیدا کرنے کی غرض سے کسی پست جذبہ کا اظہار بھی کرے تب بھی الفاظ کا جامہ نہایت متین اور سنجیدہ ہونا چاہیے ۔ حسرت مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اول تو

جذبات عالیہ سے سروکار رکھا ہے، اور جہان کہین سفلی جذبات کی جانب توجہ بھی کی ہے وہان نہایت متانت اور شستگی سے کام لیا ہے۔ اب یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جذبات سفلی حسرت نے قلمبند ہی کیون کیے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ غزل گوئی۔ عورت سے مخاطب کرنے کا نام ہے، اس حالت مین جذبات سفلی سے قطعی طور پر پرہیز ناممکن ہے۔

حسرت کے دیوان مین جذبات عالیہ کی مثالین قدم قدم پر ملتی ہین۔ یہان ہم صرف چندہی مثالین پیش کرنے پر اکتفا کرینگے۔

جنون کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنون
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

وہ دور ہی سے ہمین دیکھ لین یہی ہے بہت
مگر قبول ہمارا سلام ہو جائے

دیکھنا بھی تو انھین دور سے دیکھا کرنا
شیوۂ عشق نہین حسن کو رسوا کرنا

راحت سے دل گھبرائیگا، رہ رہ کے غم یاد آئیگا
کیونکر بھلایا جائے گا عیشِ زمانِ عاشقی

عشق سے حاصل ہوئی کیا کیا پشیمانی مجھے
عشق جب دینے لگا تعلیم نادانی مجھے

شراب شوق کی قیمت ہے نقد جان عزیز
اگر یہ باعثِ کیفِ دوام ہو جائے

عاشقو! حسن جفاکار کا شکوہ ہے گناہ
تم خبردار خبردار نہ ایسا کرنا

عطا ہو سوز وہ یارب جنون حسرت کو
کہ جس سے پختہ یہ سودائے خام ہو جائے

دیکھئے۔ جذبات سفلی کو حسرت کس انداز سے نظم کرتے ہین۔

اگلی سی نہ باتین ہین نہ سنگھاتین ہین نہ راتین
کیا اب مین وہ حسرت ہی نہین آپکے نزدیک

دن کو ہم اُنسے گزرتے ہین وہ شب کو ہمسے رسم پابندی اوقات چلی جاتی ہے
حیرتِ حسن نے مجبور کیا ہے حسرت وصل جانان کی یونہین رات چلی جاتی ہے

غم کا نہ دل مین ہو گزر وصل کی شب یون بسر سب یہ قبول ہے مگر خوفِ سحر کو کیا کرون

دوپہر کی دھوپ مین میرے بلانیکے لیے وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پاؤن آنا یاد ہے
کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونا دفعتاً اور دوپٹے سے ترا وہ منھ چھپانا یاد ہے
بار بار اٹھنا اُسی جانب نگاہِ شوق کا اور تیرا غرفے سے وہ آنکھین لڑانا یاد ہے
غیر کی نظرون سے بچکر سبکی مرضی کے خلاف وہ تیرا چوری چھپے راتون کو آنا یاد ہے

ناظرین بغور ملاحظہ فرمائین کہ قادر الکلام شاعر نے کس حسن و خوبی کے ساتھ ان حقیقی حسیات اور واردات قلبیہ کو نظم کیا ہے۔

نکتہ چین حضرات، ان عُریان جذبات پر حملہ کرنے سے قبل ذہن نشین فرمائین کہ "غزل" مین اور برکلے و لاک کے فلسفیانہ خیالات مین بہت فرق ہے۔ پھر یہ بھی خیال کرنا ضروری ہے کہ اس عریانی جذبات پر بھی حسرت کا دامان خیال برہنگی کے الزام سے پاک ہے۔

وہ خواب ناز مین تھے اور نہ تھے ابر شوق پا بوسی نہ بھی پستی ہمت تری اس لطف ایما کو

شعر کیا ہے ایک پیکان زہر آلود ہے۔ تناسب الفاظ نے جذبۂ اسفل مین جذبۂ اعلیٰ کی شان پیدا کر دی سبحان اللہ۔

اندھیرے مین وہ آبیٹھے تھے پہلے کسکے دھوکے مین کہ جب آخر مجھے دیکھا تو شرما کر کہا تم ہو

صاف ظاہر ہے کہ حسرت کی نگاہ کسقدر گہرائی تک پہونچ جاتی ہے، ارباب نظر دیکھین کہ حسرت نے جذبات سفلی باندھے ہین لیکن اپنی متانت کو ہاتھ سے نہین جانے دیا۔

آئینہ مین وہ دیکھ رہے تھے بہار حسن آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے

خوب شعر کہا ہے! حسرت!! کون ہے جو اب بھی تیری یکتائی کا منکر ہے؟ تو مصور جذبات ہے، نازک سے نازک جذبہ کو رنگین و دلنشین الفاظ مین ادا کرنا تیرا ہی کام ہے۔

دیکھیں ہم بھی جو ترے حسن دلآرا کی بہار　　　اسمیں نقصان ترا اے گلِ رعنا کیا ہو

اس شعر میں کوئی بہتر جذبہ موجود نہیں، نہ پُر شکوہ الفاظ تاہم یہ مصرعہ

"اسمیں نقصان ترا اے گلِ رعنا کیا ہو"

اس درجہ دلپذیر ہے کہ بار بار دُہرانے کو جی چاہتا ہے۔ یہی اندازِ بیان کی دلآویزی ہے جو اس زمانہ میں حسرت کا تنہا حصہ ہے۔

بندشیں اور ترکیبیں | حسرت کے دیوان میں نادر بندشوں کا ایک خزانہ مخفی ہے۔ بعض اشعار تو ایسے ہیں جو محض عمدہ بندشوں کی وجہ سے نہایت رفیع الشان ہو گئے ہیں۔

شوق دیکھے مجھے کس شان سے اے مہر جمال　　　کچھ نہایت ہی نہیں تیری درخشانی کی

"کچھ نہایت ہی نہیں" نہایت کو بالکل انوکھے انداز سے چسپاں کیا ہے۔ درخشانی بھی کیف انگیز ہے۔

عاشقوں کے ہونگے راہِ یار میں کیا کیا ہجوم　　　شوق جنکو کارواں در کارواں لیجائیگا

"کارواں در کارواں" اس سے قبل کسی اُردو شاعر نے نہیں باندھا۔ اس بندش نے شعر میں جان ڈال دی ہے۔

حسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا　　　کیا کیا میں نے جو اظہارِ تمنا کر دیا

"حسنِ بے پروا" سے شعر میں کسقدر بلندی پیدا ہو گئی

مایۂ عشرت بجا ہے غمِ قید وفا　　　میں شناسا بھی نہیں رنجِ گرفتاری کا

جو یہیں نہ کرے شانِ توجہ پیدا　　　دیکھ بدنام نہ ہو نام گرفتاری کا

ملا ہے خاطرِ غمگیں کو ہر نفس کے باطن میں　　　ملا ہے سلسلہ حسنِ حقیقی سے مجازی کا

ایک مرقع ہے حسنِ شوخ ترا　　　کشمکش ہائے نوجوانی کا

دوسرے مصرع کی رعنائی درسِ پامالی دے رہی ہے۔ بندش کی دلفریبی کس قدر ہوش رُبا ہے۔

عقل صبر آشنا سے کچھ نہ ہوا — شوق کی بیقراریاں نہ گئیں
طرز مومن میں مرحبا حسرت — تیری رنگین نگاریاں نہ گئیں
حسن کی دلفریبیاں نہ گھٹیں — عشق کی تازہ کاریاں نہ گئیں
حسن جب تک رہا نظارہ فروش — صبر کی شرم ساریاں نہ گئیں

اس غزل میں جدید بندشوں کے طلسم نے کیا افسون پھونکا ہے کہ پڑھنے والا محو ہو جاتا ہے۔ "عشق کی تازہ کاریاں"، "رنگین نگاریاں"، یہ اُس نوع کی تازہ ترین بندشیں ہیں جن سے حسرت نے زبان اردو کو وسعت دی ہے۔

دفور اشک پیہم سے ہجوم شوق بیجا میں — مری آنکھوں سے ہو ایک آبشار آرزو جاری

شعر کیا ہے طلسم کدۂ الفاظ ہے جس میں طائر فکر داخل ہوتے ہی ششدر رہ جاتا ہے۔ "آنسوؤں کو آبشار آرزو"، کہنا بلند پروازی اور جدت طبع کی آخری حد ہے۔

حسرت نے ان حسین بندشوں کو زبان میں داخل کر کے اردو پر بڑا احسان کیا اور موجودہ نسلوں کو بتا دیا کہ تم شاعران سلف کے خیالات، جذبات و الفاظ کے مخصوص دائرہ سے قدم باہر نکال کر اپنی روانی طبع سے خود رنگینی پیدا کر سکتے ہو۔ کیا صرف یہی خوبی حسرت کو استاد بنا دینے کے لیے کافی نہیں۔

اصل میں شیوا بیانی و قادر الکلامی دو چیزیں ہیں، جب شاعر کو اپنی زبان و بیان پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے، تو وہ اپنے مافی الضمیر کو مناسب الفاظ اور پُر تاثیر بندشوں کے ساتھ شاعری کے اسٹیج پر لاتا ہے اسی کا نام شیوا بیانی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک کہنہ مشق شاعر اپنی قادر الکلامی کے جوہر تو دکھا سکتا ہے مگر شیوا بیانی نصیب نہیں ہوتی۔ برخلاف اسکے شیوا بیانی قادر الکلامی دونوں کلام حسرت کی جزو لاینفک ہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ دونوں اسکی طبع روان کی موجیں ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

رشک آتا ہے مجھے نور جو ہوتا ہے نثار — بام پر آپ شب ماہ میں سویا نہ کریں

گھر سے ہر وقت نکل آتے ہو کھولے ہوئے بال — شام دیکھو نہ مری جان سویرا دیکھو

سامنے سب کے مناسب نہین ہمپر یہ عتاب
سر سے ڈھل جائے نہ غصہ مین دوپٹا دیکھو

ان اشعار کی خوبیان حد بیان سے باہر ہین، قادر الکلامی کے ساتھ شیوا بیانی اور شیوا بیانی کے ساتھ تاثیر کا جو عالم ہے وہ ارباب نظر سے مخفی نہین "شام دیکھو نہ مری جان سویرا دیکھو" یہ مصرع بجائے خود بہت خوب ہے جذبات ہے۔

شکوۂ جور تقاضائے کرم عرض وفا
تم جو ل جاؤ کہین ہمکو تو کیا کیا نہ کرین

تری محفل سے ہم آئے مگر با حال زار آئے
تماشا کامیاب آیا تمنا بیقرار آئی

دکھی رنگ یہ کبتک رہے گا ہجر جانان مین
کہ روز بیدلی گذرا تو شام انتظار آئی

شوق جب حد سے گزر جائے تو ہوتا ہی یہی
ورنہ ہم اور کرم یار کی پروا نہ کرین

حسرت کو مشق سخن کرتے ہوے ایک زمانہ گزر گیا۔ اسکے علاوہ ذوق تعلیم اور شوق کتب بینی ابتک موجود ہے۔ اُنکے کلام مین پختگی اور قادر الکلامی کے آثار ہر جگہ ظاہر ہوتے ہین۔ کاش آج حسرت کا تعلق کسی مغربی قوم سے ہوتا تو ساری دنیا اُسکے کمالات کے گیت گاتی۔ مگر وہ ایک ایسی قوم کا فرد ہے جسکے آئین مین اعتراف کمال ایک سنگین گناہ ہے، وہ ایسی سرزمین کا باشندہ ہے جہان حوصلہ افزائی ایک حقارت آمیز جرم ہے، کسی صاحب دولت کو یہ بھی توفیق نہوئی کہ غریب حسرت کا دیوان عمدہ کاغذ پر خوش سلیقگی کے ساتھ طبع کراتا، اور اُسکے نظر فریب نسخے شایع ہوتے، اے مادر ہند! کب تک تو خواب غفلت مین بیخبر رہے گی اور کب تک تو بے حسی کی چادر اوڑھے رہے گی؟ اُٹھ۔ دیکھ دنیا مین کیا ہو رہا ہے، متمدن ممالک مین صاحب علم کی کیا قدر کی جاتی ہے، مغربی قومین کسطرح علم و ادب کی پرستش کر رہی ہین اور کسطرح اہل فن کو آنکھون مین جگہ دیتی ہین۔

احساس | شاعر قومی ذمہ واری سے سبکدوش نہین ہوتا، کیونکہ آبادی کا بڑا حصہ اسکی جنبش قلم سے متاثر ہوتا ہے، شاعر در اصل ملک کا ہادی ہے، راہ نما ہے، خضر راہ ہے، اُسکا کلام ایک ایسا آئینہ ہے جسمین اُس دور کے واقعات و احساسات عکس پذیر ہوتے ہین۔

اکبر مرحوم کا مقدس نام اس موقع پر لینا ناگزیر ہے، درحقیقت اس فرمانروائے اقلیم سخن کی کلیات ایک مرقع ہے جسمین ہر اثر کرنیوالے واقعے اور جذبہ کی تصویر موجود ہے ظریفانہ رنگ مین کیسے کیسے فلسفیانہ، عالمانہ، وسیاسی، تمدنی ومعاشرتی مسائل حل کیے ہین۔ رسم پردہ پر مرحوم کی وہ نظم ؎

بتھائی بابُنگی پردے مین بیبیان کب تک — بنے رہو گے تم اس ملک مین میان کب تک
حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی — تو کام دینگی یہ چلمن کی تیلیان کب تک

اور اہل اسلام کی تن آسانی پر وہ ظریفانہ قطعہ

خدا حافظ مسلمانون کا اکبر — مجھے تو انکی خوشحالی سے ہے یاس
کہا مجنون سے یہ لیلیٰ کی مان نے — کہ بیٹا تو اگر کرے ایم، اے پاس

غیر فانی نکتے ہین جو ہمیشہ اہل نظر کے لیے پیغام عمل وشمع ہدایت کا کام دینگے۔ اسی طرح غالب مرحوم نے غدر کی تباہی کے بعد یہ غزل لکھی تھی ؎

یاد تھین ہمکو بھی نگا رنگ بزم آرائیان — لیکن اب نقش ونگار طاق عصیان ہو گئین

اب یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ شاعر جسکی کلیات مین محض ہوا وہوس، رندی عشق بازی وشاہد نوازی کے عامیانہ جذبات کے سوا کچھ نہو، وہ کہان تک اصحاب بصیرت کے دلون مین جگہ پا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ انسان نمک کے ذائقہ کا دلدادہ ہے، لیکن اگر کھانے مین نمک ہی نمک ہو تو بدمزگی پیدا ہو جائے گی، اسی طرح حسن وعشق کی چاشنی تفریح طبع کے لیے ضروری ہے، لیکن ہمہ تن اسی کا گرویدہ ہو جانا ذوق سلیم وحس لطیف کا خون کرنا ہے۔

گزشتہ صدی کے شروع مین جب یونان ترکی سے برسرپیکار تھا اور کل یورپ کی پرعظمت طاقتین جلوۂ اسلام کی شعاع آخری کو گل کرنے مین کوشان تھین تو لارڈ بائرن نے ایک ایسی ولولہ انگیز نظم لکھی تھی جسنے مسیحی دُنیا مین آگ لگا دی تھی اور چند ہی روز مین یہ مقبول عام نظم ہر عیسائی بچے کے زبان پر تھی۔ حسرت کی شاعری جو رہنمائے حریت ہے جذبات عشق کے ساتھ ساتھ واقعات حاضرہ کا بھی آئینہ ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

رسم جفا کامیاب دیکھیے کب تک رہے　　حب وطن مست خواب دیکھیے کب تک رہے
دولت ہندوستان قبضۂ اغیار میں　　بے عدد و بے حساب دیکھیے کب تک رہے

پڑھیے اور غور کیجیے۔
لوکمانیہ تلک سرگباشی کے متعلق حسرت کے خیالات قابل ستائش ہیں۔

اے تلک! اے افتخار جذبۂ حب وطن!　　حق شناس و حق پسند و حق یقین و حق سخن
تجھ سے قائم ہے بنائے آزادی بیباک کی　　تجھ سے روشن اہل اخلاص و صفائی انجمن
ناز تیری پیروی پر حسرت آزاد کو　　اے تجھے قائم رکھے تا دیر رب ذو المنن
قوموں کی ترقی کے ہیں کچھ اور ہی اسباب　　جو ڈاک پہ موقوف نہیں تار پہ موقوف
منصور کی سولی پہ نمایاں ہوئی عظمت　　ہے سطوتِ اہل رضا دار پہ موقوف
قوت کی جو پوچھو تو یہ ہوتی ہے ہمیشہ　　اقوام میں افراد کے ایثار پہ موقوف

خود ہے اقرار انھیں اپنی ستمگاری کا　　پھر بھی اصرار ہے مجھ سے کہ میں ایسا نہ کہوں

دشمن کے مٹانے سے مٹا ہوں نہ مٹوں گا　　اور یوں تو میں فانی ہوں فنا میرے لیے ہے

اسکے علاوہ دیوان حسرت میں اور بھی متعدد مثالیں ایسی ملینگی جنسے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حسرت کو جس شراب کا نشہ ہے، دوسروں کو اسکی تلچھٹ بھی نہیں ملی۔ وہ حسن و عشق کی داستان ضرور بیان کرتا ہے مگر اوروں کی طرح مجنوں۔ فرہاد و شیریں کی کہانیاں نہیں دہراتا، وہ استعارے اور تشبیہ کو ناپسند نہیں کرتا لیکن وہ شہد کی مکھیوں کی طرح انہیں آلودہ رہنا گناہ سمجھتا ہے۔

حسرت! خدا کرے کہ میوز آف پوئٹری (نازنین سخن) تجھ پر اپنے بہترین گلہائے رنگارنگ نچھاور کرے۔ زندان میں خاموش نہ رہ۔ ساز ادب چھیڑ، مقدس ہستیاں تیرے الہامی نغمے کی منتظر ہیں۔ دنیائے ادب تیری بہترین نظموں کے لیے بیچین ہے۔

تماشائی بریلوی

موجودہ یورپ

واشنگٹن - جنیوا - اور ہیگ موجودہ یورپ کی کہانی کا ایک عجیب باب ہیں - یورپ بیمار ہے - معمولی ڈاکٹر بیماری کی تشخیص کرنے میں ناکامیاب ہو چکے ہیں - اور جو کچھ تشخیص کر بھی سکتے ہیں انکی کوئی سُنتا نہیں ہے - اس ناامیدی نے یورپ کو اس بات پر مجبور کیا کہ واشنگٹن جاکر ساری دُنیا کے ڈاکٹروں کی کانفرنس منعقد کی جائے - اور کوئی مجرب نسخہ تجویز ہو - دعوتی رقعے جاری کر دیے گئے - اور دُنیا حاذق ڈاکٹروں کے نام سُن سُنکر خوش ہو گئی ا ور خیال پیدا ہوا کہ شاید یورپ اس تکلیف سے بچ جائے گا - صلاح و مشورہ ہوتا رہا - لیکن نتیجہ کیا ہوا وہی ڈھاک کے تین پات -

واشنگٹن کانفرنس کا مدعا دو باتوں کا تصفیہ کرنا تھا - چین کا بین الاقوامی صف میں درجہ اور مختلف ملکوں کا فوجی خرچ - یہ بالکل ٹھیک ہے کہ ان دونوں باتوں پر بڑے بڑے ریزولیوشن پاس کیے گئے ہیں - لیکن ان سب کا کھوکھلا پن اس بات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ کانفرنس اس بات پر بھی راضی نہو سکی کہ چین کے متعلق جتنے عہدنامے مختلف قوموں کے درمیان ہوئے ہیں انکو شایع کر دے - جاپان اور چین کے تعلقات میں کانفرنس کے انعقاد سے کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی - اگر جاپان چین سے اب سمجھوتہ کرنے پر راضی ہو رہا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اب چین کی بیداری کی وجہ سے اُسکو اپنی پُرانی ناؤ پر قبضہ رکھنا مشکل ہی نہیں بالکل ناممکن ہو رہا ہے - یہ ٹھیک ہے کہ چین میں خانہ جنگی ہے - (چینی لوگ اس خانہ جنگی میں بھی جاپان کا ہاتھ دیکھتے ہیں) لیکن یہ سدا نہیں رہ سکتی - چینی اپنے گھر کے جھگڑے کا فیصلہ کر رہے ہیں - اور وہ وقت دور نہیں جبکہ چین پھر ایک متحد ملک بن جائیگا -

یہ ٹھیک ہے کہ مانچو خاندان کی حکمرانی کو ناقابل اطمینان کہکر مختلف ملکون نے وہان طرح طرح کے حقوق حاصل کرلیے تھے۔ لیکن اب موجودہ لیڈرون کی زیر نگرانی چین اپنی قدرتی جگہ لینے کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ اور اسکے لیے چین کے سفیر نے واشنگٹن مین کھلے بندون اس بات کا مطالبہ کیا کہ ایسے حقوق کا جو کہ چین کی آزادانہ سلطنت کی حیثیت کے برخلاف ہین خاتمہ کردیا جائے۔ واشنگٹن نے تو ان باتون کو ٹال دیا لیکن زمانہ اس قسم کے مذاق کو پسند نہین کرتا چین جاگ رہا ہے۔ اور اس بیداری کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان بندھنون کو اپنے لیے مصائب کی زنجیر سمجھ رہا ہے۔ اور یہ کٹ کر رہین گے۔

(۲)

لیکن چین کو یورپ سے کیا واسطہ؟ بات یہ ہے کہ یورپ کی ہر ایک سلطنت چین کو اپنا جولانگاہ سمجھتی ہے۔ انگلستان اور جاپان کا عہدنامہ (جو دونون کے مشرق بعید مین حاصل شدہ حقوق کو قائم رکھنے کیلئے تھا) ختم ہو چکا تھا۔ انگلستان اسکو پھر جاری رکھنا چاہتا تھا جاپان بھی اس بات کا خواہشمند تھا۔ لیکن اس عہدنامے کو اسکی پرانی شکل مین تازہ کرنا چین کو اور اسکے ساتھ اس کے ہمدرد امریکہ کو چیلنج دینا تھا۔ ساتھ ہی برطانیہ کی نوآبادیان جاپان کے اس عہدنامے کے برخلاف تھین۔ عہدنامہ کو ختم کرنا انگلستان اور جاپان کے تعلقات کے لیے ناخوشگوار تھا۔ لیکن اسکو قائم رکھنا بھی خطرہ سے خالی نہین تھا۔ واشنگٹن مین امریکہ انگلستان جاپان اور فرانس اکٹھے ہوے اور جو عہدنامہ کہ پہلے انگلستان و جاپان کے درمیان مین تھا وہ ایک تبدیل شدہ شکل مین چارون کے درمیان ہوگیا لیکن یہ صرف ایک مذاق تھا۔ واشنگٹن کانفرنس نے مشرق بعیدہ کے تصفیے نے انگلستان کے تعلقات جاپان اور فرانس سے بگاڑے تو نہین لیکن انہین وہ پرانا سمجھوتہ بھی نہین رہا جاپان اور فرانس اکٹھے ہو گئے۔ اور انگلستان کو معلوم ہوگیا کہ گو فرانس کے ساتھ اسکی روز کی ملاقات ہے۔ لیکن اسکا نقطۂ نگاہ فرانس کی نسبت امریکہ کے نقطۂ نگاہ سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔

(۳)

خیر اس جھگڑے کا فیصلہ تو ہوا لیکن دوسری طرف فوجی بحث کا جھگڑا تھا پہلے پہل امریکہ انگلستان اور جاپان نے اس بحث میں حصہ لیا۔ اور ساری دُنیا انکی تقریرون سے گونج اٹھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پچھلے جنگ یورپ نے ان لوگون کے کان کھول دیے ہین اور اب دنیا کے ملکی مدبر بھی پولیٹیکل شطرنج کی چالون سے گھبرا کر امن کے خواہان ہین بہت غور و خوض کے بعد جنگی جہازون کی تعداد مقرر کردی گئی۔ اور لوگون نے اطمینان کا سانس لیا کہ جنگ کے ایک ہتھیار کے بننے مین تو کمی ہو گئی۔ لیکن ابھی اس عہد و پیمان پر دستخط بھی ہونے نہ پائے تھے کہ بد اندیش نکتہ چینیون نے اس کھوکھلی دیوار کا پول کھول ڈالا اور آخرکار یہ راز افشا ہو ہی گیا کہ اب ان جہازون کی کوئی وقعت ہی نہین۔ آئندہ کی لڑائیان ان جنگی جہازون سے نہین بلکہ ہوائی جہازون۔ تارپیڈو اور پانی کے نیچے چلنے والے بیڑون کے ذریعے سے لڑی جائینگی۔ جونہی انکا ذکر کیا گیا۔ فرانس نے پلٹا لیا اور جرمن کے برخلاف زہر اُگل کر نہین تھا کہ دی۔ غرضیکہ وہ چیزین تو جو کہ وقت پانچ سال مین قومی عجائب خانون کی زینت بنتین تعداد مین محدود کردی گئی ہین لیکن اصلی ہتھیارون کو کم کرنے کی کسی کی ہمت نہین پڑی۔ اور کرتا کون۔ شانتی تب ہی ہو سکتی ہے کہ مختلف قومون کو ایک دوسرے پر بھروسا ہو۔ لیکن نو سال کی بربادی بھی اقوام عالم کو یہ سبق نہین سکھا سکی ہے ایسلیے لڑائی کی تیاری ہر جگہ جاری ہے۔

(۴)

واشنگٹن ہی سے جنیوا کانفرنس کے گیت شروع ہو گئے تھے۔ مسٹر لائڈ جارج نے نہ معلوم کس طرح فرانس کو اس بات پر راضی کر لیا کہ غدّار جرمنی اور شیطان روس کے ساتھ ایک ہی میز پر بیٹھکر بات چیت کرے۔ خیر جنیوا مین بھی سب پہونچ گئے۔ اور کام شروع کیا گیا جنیوا کا مدعا روس اور جرمنی مین ایک تازہ روح پھونک کر سارے یورپ کو زندہ کرنا تھا لیکن بڑا ہو فرانس کے حافظے کا۔ جونہی مسٹر لائڈ جارج نے جرمنی پر ڈالے ہوے تاوان کو کم کرنیکا سوال پیش کیا۔ فرانس نے اپنی کوٹ کی جیب مین سے عہدنامہ صلح نکال کر دکھلا دیا۔ اور اپنے حصے کی ایک پائی تک کم کرنے سے انکار کر دیا۔ مسٹر لائڈ جارج نے صبر کا بھت

ایڈیشن دیا۔ لیکن فرانس نے دیکھا کہ برطانیہ کے قبضے مین جرمنی کی نو آبادیان ہین۔ جرمنی کی منڈیون پر برطانیہ قبضہ کر رہا ہے۔ ترکی کے حصے بخرے بھی اسکے ہاتھ آئے لیکن وہ بالکل محروم ہے۔ آخر بہت کچھ ہوا لیکن فرانس نے اپنی ضد نہ چھوڑی۔ آخر جو ہونا تھا وہی ہوا۔ روس اور جرمنی نے جو دنیا کی مہذب قومون کی صف سے ابھی باہر ہی رکھے گئے تھے۔ آپس مین عہدنامہ کر لیا۔ فرانس چونکا۔ اور جنیوا سے چلے آنے کی دھمکی دی۔ انگلستان نے بھی کان کھڑے کیے۔ لیکن انگلستان کو اسوقت اپنی تجارت کا زیادہ فکر تھا۔ مسٹر لائڈ جارج نے صرف لفظون کے ہیر پھیر سے کام نکالنا چاہا۔ آخر جنیوا کانفرنس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ لیکن ہوا کیا۔ روس اور جرمنی کا معاملہ جہان تھا وہین رہا۔ اور طفلانہ تسلی کے لیے ایک اور کانفرنس ہیگ مین منعقد کر دی گئی۔

(۵)

ہیگ کانفرنس بھی شروع ہو گئی۔ لیکن اس کے متعلق بھی فرانس اور انگلستان مین باہمی اختلاف رونما ہو گیا۔ ایک طرف فرانس اسکے ذریعے سے اپنی مرضی کی حکومت روس مین قائم کرنا چاہتا ہے۔ مگر انگلستان اس حد تک ضبط نفس سے کام لینے کیلیے تیار نہین۔ انگلستان نے تو اس پالیسی کا تجربہ نپولین کے زمانے مین فرانس سے حاصل کیا تھا۔ اور اب اسے دُہرانے سے گریز کرتا ہے۔ فرانس والے تاریخ پر نظر نہین رکھتے اور ابھی تک وہ روس مین فرانسیسی لوگون کی جائداد کی حفاظت چاہتے ہین۔ روس مین اسوقت سوائے گورنمنٹ کے اور کسی کی جائداد نہین ہے اور روس اس بات پر کسی طرح سے بھی سر جھکانے کے لیے تیار نہین۔ ہیگ کانفرنس بھی رزولیوشن پاس کر دے گی لیکن ہوگا کیا؟ یہ سوال ہے جو لوگون کے دلون مین اسوقت چکر لگا رہا ہے۔

(۶)

موجودہ یورپ کیا ہے۔ اسوقت موجودہ یورپ کے مختلف ملکون کی حدود پر روشنی ڈالنا بڑی تحقیق کا کام ہے۔ جنگ یورپ نے کئی نئی سلطنتین پیدا کر دی ہین۔ آسٹریا ہنگری کی جگہ چار سلطنتین ہین۔ روس کے کنارے جمہوری حکومتون سے

بھوے پڑے ہین پولینڈ پھر تین سو سال کے بعد ایک نئی سلطنت ہے - جرمنی مین ایک جمہوری حکومت ہے - ان نئی سلطنتون کی حدود کا ابھی یقینی طور پر فیصلہ نہین ہوا ہے اور نہ انکی زندگی بڑی لمبی چوڑی ہے - ٹرکی کی حالت کو بیان کرنا مشکل ہے سلطان ٹرکی بظاہر ایک حکومت کا نمایندہ ہے لیکن دراصل ٹرکی حکومت انگورا مین ایک جمہوری حکومت کی شکل مین قائم ہے - اٹلی بھی اپنی نئی حدود دبا لے بیٹھا ہے - ان جر نیرنگیون کے باوجود ایک بات جو موجودہ یورپ کے متعلق کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اسکے پاس نہ روپیہ ہے اور نہ ابھی تک مختلف صنعتین اچھی طرح سے جاری ہین امریکہ جو کہ گزشتہ جنگ یورپ سے پہلے انگلستان کا قرضدار تھا اب اسوقت یورپ کے سارے ملکون کا قرضخواہ بنا ہوا ہے - یہ قرضہ اتنا ہے کہ ہر روز ایک نہ ایک ملک کی طرف سے اس قرضے کی معافی کے لیے کسی نہ کسی شکل مین آواز اٹھتی ہے - یہ مفلسی مختلف ملکون کے بجٹون سے بخوبی ظاہر ہوسکتی ہے - کسی ملک کا خرچ بھی اسکی آمدنی سے پورا نہین ہوسکتا اس تنگدستی کے باوجود بھی جنگ کی خواہش - اور خود غرضانہ مقا کا خیال ابھی مختلف ملکون کے دماغ سے نہین گیا - برطانیہ جو کچھ جنگ سے حاصل کرنا چاہتا تھا وہ کرچکا ہے - اسلیے اب وہ خود دوسرون کو صبر کا اپدیش دینے پر تلا ہوا ہے لیکن فرانس کی سرکردگی مین یورپ کی کئی قومین صبر و سکون کی خواہان نہین معلوم ہوتین - تین سو سال کے بعد غلامی کے جوے سے آزاد ہونے پر پولینڈ کی آج یہ خواہش ہے کہ وہ روس یا جرمنی کے کسی ٹکڑے کو دبالے - چھوٹا سا بلجیم بھی فرانس کے ساتھ مل کر روس کی حکومت کے بنیادی اصولون مین تبدیلی چاہتا ہے - اور وہ ریاستین جنکا نام تو کیا خیال تک بھی صفحہ ہستی پر کل تک قائم نہ ہوا تھا - آج خود غرضی کے جوش مین اندھی ہوکر روس سے یا جرمنی سے ناممکن مطالبات کررہی ہین - خیال پیدا ہوگا کہ یورپ کی یہ حالت ہے تو بین الاقوامی انجمن کہان ہے - وہ ان جھگڑون کو کیون نہین طے کرتی لیکن انجمن کا تو پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیا گیا تھا - دنیا امن کی خ تھی - لیکن یورپ کی فاتح (۹) اقوام اسے اپنے امن کا ذائقہ چکھانا چاہتی تھین

انجمن کے سامنے کوئی بھی ایسا سوال اٹھنے پایا جو ضروری یا اہم ہو - پہلے سپریم کونسل بیٹھی جرمنی اور روس اور دوسری قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرتی رہی - پھر سفیروں کی کونسل نے اسکی گدی سنبھالی - اسکے بعد وزیر اعظم آپس مین فیصلے کرتے رہے اور انجمن کس مپرسی کی وجہ سے مرہی گئی بات یہ تھی کہ انجمن الاقوام قوموں کی انجمن نہین تھی بلکہ طاقتوروں کی کانفرنس - اور ایسی حالت مین اسکا ہونا نہونا برابر تھا - وہ قومون کی انجمن ہی کیا جسمین روس جرمنی اور ٹرکی کو جگہ نہین ملی - غرض وہ انجمن فنا ہوچکی ہر

(۸)

تو پھر ہوگا کیا؟ اس بات کا جواب دینا مشکل ہے - دنیا مین روس اور جرمنی کیلیے جگہ ہے اور انکی ضرورت بھی ہے - کوئی ایسا نظام جو انکو الگ رکھے گا ضرور ناکامیاب ہوگا - موجودہ جھگڑے تو آدمی کو مایوس بنا دینے کے لیے کافی ہین اور بے اختیار منھ سے نکل جاتا ہے کہ جنگ یورپ سے دُنیا کی بڑی غرور لازمی ہستیون نے کچھ نہ سیکھا امن اُسی حالت مین ہوسکتا ہے جبکہ مختلف قومین ایک دوسرے کی بھلائی مین کوشاں ہون اسکے لیے یہ ضروری ہے کہ لوگون کی آنکھون مین دھول ڈالنے کے جو مختلف ذرائع استعمال کیے جاتے ہین انکا خاتمہ کردیا جائے - ڈیموکریسی کی اصلی فتح اُسی وقت ہوگی لیکن اس نتیجہ تک پہونچنے کے لیے پہلے اُن لوگون کے خیالات مین تبدیلی کی ضرورت ہے جو کہ مختلف قومون کے ممبر ہین - ہر ایک ایسا کام جو اس نتیجہ مین مدد دیتا ہے - قابل قدر ہے -

سری رام شرما بی - اے

مرزا عبدالقادر بیدل جو ایک صوفی مزاج شاعر تھے - جب نواب آصف جاہ نے انکو ایک خط کے ذریعہ سے بلانا چاہا تو جواب مین یہ بیت لکھی -

دنیا اگر دہند نہ خیزم ز جاے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بپاے خویش

جعفر برمکی کا قتل

جعفر برمکی بن یحیٰی برمکی خلیفہ ہارون الرشید کا مشہور اور ہر دلعزیز وزیر تھا۔ اسکی فیاضی اور رحمدلی کے افسانے روز روشن کی طرح ظاہر ہین اور بہت دن نہین ہوے زمانہ بابت ماہ مارچ ۱۹۲۲ء مین بھی منشی کرم شیر خان صاحب اسکے عام عادات و اخلاق پر ایک لاجواب مضمون لکھ چکے ہین لہذا مین ان تمام باتون کو چھوڑ کر جعفر کے قتل کے اصلی اسباب لکھونگا۔ عوام مین مشہور ہے کہ جعفر خلیفہ ہارون الرشید کی مرضی کے خلاف تعلقات رکھنے پر قتل کیا گیا۔ عجیب و غریب واقعہ ہونے کی وجہ سے اسکی شہرت اُردو زبان مین بھی بذریعۂ ناول اور رسائل کے ہوگئی ہے اس بے سروپا افسانہ کے ذکر سے تاریخ کے دامن پر ایک ایسا بدنما داغ لگ گیا ہے جو مشکل سے مٹے گا۔

اصل مین اس غلط قصہ کا ماخذ تاریخ کبیر ابوجعفر جریر طبری ہے جسنے ۳۱۰ھ مین وفات پائی۔ اسوقت سے آجتک مورخین ایک دوسرے سے اس واقعہ کو نقل کرتے آئے ہین مگر افسوس کہ اسکی تنقید و تحقیق کی طرف بہت کم لوگون نے توجہ کی۔ اب ناظرین ملاحظہ فرمائین کہ فاضل علامۂ طبری نے جن الفاظ سے اس واقعہ کی روایت کی ہے اُنسے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علامۂ موصوف کو خود اس روایت پر یقین و اعتبار نہ تھا اسکے الفاظ یہ ہین تمھسے احمد بن زبیر نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اُسنے اپنے چچا زاہر بن حرب سے کی ہے کہ سبب ہلاکت جعفر اور برامکہ کا یہ ہے کہ رشید کو بغیر جعفر اور اپنی بہن عباسہ بنت المہدی کے ایک گھڑی چین نہ ملتا تھا اور یہ دونون شراب نوشی کے جلسہ مین شرکت کرتے تھے اسلیے رشید نے جعفر سے کہا کہ مین عباسہ کا عقد تمھارے ساتھ کرنا چاہتا ہون تاکہ تمکو اسکا دیکھنا مباح ہوجائے لیکن زن وشوئی کے تعلقات نہون، چنانچہ اس

شرط پر عباسہ کا عقد جعفر سے کر دیا،، (دیکھو ترجمہ تاریخ ابن خلدون ؒ از حکیم احمد حسین الہ آبادی کتاب ثانی۔ جلد ہفتم صفحہ ۳۲)

یہ ہیں وہ الفاظ جنپر بعض مورخین اور ناول نویسون نے اپنا وقت برباد کیا ہے اور خیالی واقعات سے جعفر کے قتل کے افسانے مین رنگ آمیزی کرکے اپنا نام ادبی دنیا مین بدنام کیا ہے۔ علامہ طبری ؒ سے جسنے اس واقعہ کی روایت کی ہے اسکا حال خود طبری کو نہین معلوم ہوا۔ اسکا یہ کہنا کہ یہ روایت اسنے اپنے چچا زاہر بن حرب سے کی ہے ،، صاف ظاہر کر رہا ہے کہ احمد بن زبیر کی روایت مورخانہ حیثیت سے نہین ہے بلکہ عام روایت کی بنا پر ہے اسکو بھی چھوڑ کر اگر ہم یہ مان لین کہ اخیر روایت طبری کا جسپر سلسلہ روایت ختم ہو جاتا ہے زاہر ہی ہے تو زاہر کا یہ حال ہے کہ اسکا کسی معاملہ یا راے عقد عباسہ مین شریک ہونا یا بوقت قتل جعفر موجود ہونا کسی تاریخ سے ثابت نہین ہوتا۔ خود علامہ طبری نے اُن لوگون کے نام لکھے ہین جو اس معاملہ مین خلیفہ ہارون الرشید کے ہمراز و شریک تھے۔ غرض اگر علامہ طبری اس واقعہ کو مان لیتے تو آگے چل کر وہ اور اسباب قتل جعفر کے ہرگز نہ لکھتے اور اگر لکھتے بھی تو اس واقعہ کو ترجیح دیتے لیکن انھون نے ایسا نہین کیا بلکہ کل واقعات جن سے جعفر قتل کیا گیا بلا ترجیح لکھ دیے ہین جن سے بالکل ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ مذکورہ انکے نزدیک ہرگز قابل یقین اور مسلمہ نہین ہے۔

اب دوسرا تماشہ دیکھیے اسی واقعہ کو علامہ محمد نے بھی اعلام الناس صفحہ ۱۵۲ مین یہ روایت ابراہیم بن اسحاق سے نقل کیا ہے اور اصل راوی کا نام ابو ثور زاہر بن صقلاب اور بجاے عباسہ کے میمونہ لکھا ہے جس سے اس لغو واقعہ کی اور قلعی کھل گئی اور اسکا جھوٹا ہونا بالکل ثابت ہو گیا کیونکہ خلیفہ مہدی کی چار لڑکیاں تھین جنکا نام بانوقہ۔ عباسہ۔ عالیہ۔ اور سلمہ تھا لیکن علاوہ انکے کوئی لڑکی میمونہ نامی نہ تھی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ عباسہ کا عقد ہارون نے پہلے محمد بن سلیمان سے کیا، تا جب وہ راہی ملک بقا ہوا تو ابراہیم بن صالح بن علی سے اسکا نکاح کیا گیا (دیکھو کتاب المعارف لابی محمد عبد اللہ بن سلمہ بن قتیبہ کاتب دینوری المتوفی ۲۷۶ھ صفحہ ۱۳۰)

تاریخ علامہ ابن خلدونؒ مین اس بے سروپا واقعہ کی خوب قلعی کھولی گئی ہے اور اسپر جو تنقید کی گئی ہے وہ دیکھنے کے لائق ہے مین نے بخیال طوالت نہین لکھا ہے اب مین جعفر برمکی کے قتل کے اصلی وجوہات واسباب بحوالہ تاریخ علامہ ابن خلدونؒ لکھکر اپنے مضمون کو ختم کر دون گا۔

جعفر برمکی کی لیاقت پر ہارون الرشید کو ناز تھا مگر وزارت کا اقتدار اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ ہارون الرشید برائے نام خلیفہ تھا حکم و احکام تمام ممالک محروسہ مین اسی کے جاری تھے دجلہ کے کنارے اسکے عالیشان محل دور تک بنے تھے۔ اسکے دروازے پر ہر وقت حاجتمندون کا میلہ سا لگا رہتا تھا بس انھین وجوہات سے جعفر اور اسکا خاندان برباد کیا گیا کیونکہ امرا و دولت کو اس سے حسد پیدا ہوا جب موقع پاتے تو خلیفہ سے اسکی شکایت کرتے۔ کثرت شکایات سے خلیفہ کے دل مین بھی بمقتضائے بشریت جعفر کی طرف سے ایک خیال پیدا ہو گیا اور وہ جعفر کے تمام کامون کو بُری نظر سے دیکھنے لگا مگر وہ نظر بھی وہ نظر تھی جس سے سنگین اور غیر قابل عفو جرائم دیکھے جاتے تھے۔ خلیفہ کے برہمی کے اسباب سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ خلیفہ نے ایک بہت بڑے باغی یحییٰ بن عبداللہ کو (جسکو فضل برمکی (جعفر کا بھائی) ایکم سے بحکمت عملی لے آیا تھا) جعفر کے پاس نظر بند کر دیا تھا مگر جعفر نے یحییٰ بن عبداللہ کو بغیر اجازت و اطلاع خلیفہ رہا کر دیا جسوقت خلیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی اُسنے جعفر کو بلا کر استفسار کیا جعفر نے اس واقعہ کی تصدیق کر دی۔ خلیفہ کے دل مین جعفر کی اس خودمختاری و خودرائی اور ایسے باغی ملزم کے رہا کر دینے سے کشیدگی پیدا ہوئی جو رفتہ رفتہ بڑھتی ہی گئی اور پھر خلیفہ نے صاف طور پر اپنی ناراضگی ظاہر کر دی۔ بہت دنون تک یہی حال رہا۔ سنہ ۱ھ مین جبکہ خلیفہ حج سے واپس ہو رہا تھا اُسنے انبار مین قیام کیا جعفر بھی ہمراہ تھا ایک دن رات کو خلیفہ نے مسرور (اپنے خادم خاص) کو طلب کرکے نہایت تاکید سے کہا کہ تو اسی وقت جعفر کے خیمہ مین جا اور اسکا سر اُتار لا۔ مسرور یہ سُنکر کانپ اُٹھا اُسنے بصد منت عرض کیا "یا خلیفۃ المسلمین آپ اس حکم کو غور کرکے صادر فرمائیے"، خلیفہ نے ڈانٹ کر کہا "نہین تجھی کو اس حکم کی تعمیل کرنی ہوگی"، مسرور سہم گیا۔ پھر خلیفہ نے غصہ مین زمین پر چھڑی ٹیکی اور کہا یا اسی وقت

اس حکم کی تعمیل کر ورنہ تیری خیر نہین،، مسرور نے جب دیکھا کہ خلیفہ کا غصہ کسی طرح سے کم نہین ہوتا تو رخصت ہو کے جعفر کے خیمہ مین آیا اور اسکا سر اتار کے خلیفہ کے روبرو لے گیا۔ خلیفہ نے اگلے دن جعفر کی نعش بغداد کو روانہ کی اور یہ حکم دیا کہ اسکے دو ٹکڑے کر کے (پل) پر نصف نصف ہر دو جانب آویزان کر دیے جائین۔

یہ ہین جعفر برمکی کے قتل کے اصلی اسباب اور واقعات جنپر ہمارے فسانہ نگارون نے خوب خیالی قلعہ بنائے ہین۔

انصار احمد اعظم گڑیوی ایڈیٹر طوفان

ستی

میرے چراغ زندگی موت کے ہونٹون نے یکبارگی سانس لیکر مجھکو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر دیا، آہ یہ نظر سے غائب ہوجانیوالی روشنی اب کبھی نظر نہ آئے گی۔

محبت! کیا مین اس تاریکی مین رہ سکتی ہون

میری زندگی کے پودے، موت کے بیرحم ہاتھون نے تیری چھپی ہوئی جڑون کو کھود ڈالا آہ! اب اسمین نازک و خوشنما پتیان کبھی نہ نکلین گی۔

کیا درخت کے پژمردہ ہوجانے کے بعد غنچے کھل سکتے ہین

میری بیقرار روح! موت کی تیز تلوار نے تجھے میرے جسم سے اسطرح جدا کر دیا ہے جیسے قطع کلام کرنے مین کوئی لفظ دو ٹکڑے ہوجائے، آہ! اسی طرح تیرا رشتہ اس کالبد خاکی سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہوگیا۔

کیا روح نکل جانیکے بعد بھی جسم زندہ رہ سکتا ہے

مسز سروجنی نائڈو۔ **ثاقب کانپوری**

سراپا ناکامی

ایک ڈاکٹر کی خود نوشت سوانح عمری

کا ایک باب

(۱)

مین جن دنون کالج مین پڑھا کرتا تھا۔ اُس زمانہ مین میرا دل امیدون سے معمور تھا، میری تمناؤن کی دنیا بہت وسیع تھی۔ امتحان کے نتیجون کو دیکھکر میرا دماغ آسمان پر جا پہونچتا تھا۔ دوست و رشتہ دار میری مدح سرائی کرتے تو مین جامہ مین پھولا نہ سماتا۔ ایک دن ایک پروفیسر نے مجھ سے کہا۔ "رتن ناتھ! تم پنجاب یونیورسٹی کے بہترین رتن ہو۔ تم آسمان علم کے درخشان ستارے ہو"۔ مین نے اپنے دل مین کہا۔ "ہان ابھی ستارہ ہون کبھی چاند بنکر چمکونگا"۔ مین فرصت کے اوقات مین اکثر سوچا کرتا تھا کہ تعلیم سے فارغ ہو کر مین یہ کرونگا، وہ کرونگا۔ میدان طبعیات مین نئی نئی ایجادون اور تھیوریون سے انقلاب پیدا کر دونگا۔ مین موت کا علاج ڈھونڈ کر دنیا مین ایک تہلکہ مچا دونگا مین خوب دولت پیدا کرونگا۔ اور دل کھولکر خیرات کرونگا۔ مین دنیا کو اپنی شہرت کے آفتاب سے منور کر دونگا۔ قطب شمالی سے لیکر قطب جنوبی تک اور ٹوکیو سے سان فرانسسکو تک میرے نام کے گیت گائے جائینگے۔

اُسوقت مجھے معلوم نہ تھا کہ مین جس عالمگیر شہرت کے خواب دیکھتا ہون وہ سوائے خدا اور شیطان کے کسی کو بھی نصیب نہین ہو سکتی مین خدا تو بن ہی نہ سکتا تھا اور شیطان بننا گوارا نہ تھا تاہم مجھے یہ خبط ضرور تھا کہ مجھے شہرت حاصل ہو اور ایسی شہرت جو دنیا مین اور کسی کو نہ ملی ہو۔

اُن دنون مجھے اپنی آیندہ زندگی نہایت خوشگوار نظر آتی تھی۔ مین اپنی زندگی کا مقصد شہرت حکومت اور خوشی سمجھتا تھا۔ اور یقین رکھتا تھا کہ مین ضرور اپنے مقصد مین کامیاب ہونگا لیکن مین

اب دیکھتا ہون کہ میرے اُن مسرورکن خیالات کا کوئی نتیجہ نہ نکلا افسوس اُس خوش آیند خواب کی تعبیر پوری نہ ہوئی تاہم مین خوش ہون اور اپنی ناکام تدبیرون کو موردِ الزام نہین سمجھتا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دنیا کسی ہندوستانی کو شہرت اور خوشی کا حقدار نہین سمجھتی اُسکی نظرون مین کوئی ہندوستانی عزت و شہرت کا مستحق نہین - اور اسی لیے اگر وہ ذرا بھی سر اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے تو ٹھکرا کر نیچے گرا دیا جاتا ہے اور اُسے سرفرازی کا کوئی موقع نہین دیا جاتا - پھر مین کیا کر سکتا تھا -

مجھے اب اپنے مدعاے زندگی کے پورا نہونے پر کوئی افسوس نہین - میرے لیے اب رنج و خوشی گمنامی و شہرت سب یکسان ہین - پے در پے ناکامیون اور مصیبتون نے میرے دل کو بےحس بنا دیا ہے، اُمیدون اور تمناؤن کے لیے میرے دل مین کوئی جگہ نہین رہی - تمام خواہشین نا اُمیدی کی عمیق غار مین ہمیشہ کیلیے دفن ہو چکی ہین اب مجھے شہرت یا خوشی کی نہ اُمید ہے اور نہ آرزو - مین دنیا مین رہتا ہون لیکن اُس سے الگ - مجھے اُس سے نہ محبت ہے نہ نفرت - کنج تنہائی مین گوشہ نشین ہو کر بیٹھا ہون - کالج کے دنون کی خام خیالیان کبھی کبھی یاد کر کے بے اختیار دل ہی دل مین رو لیتا ہون -

سنہ ۱۹۱۰ء مین ڈاکٹری کا آخری امتحان پاس کر لینے کے بعد مجھے سرکاری نوکری مل گئی اور رفتہ رفتہ سنہ ۱۹۱۹ء مین لاہور ہسپتال مین ہوس سرجن مقرر ہو گیا - میرے وارڈ کا میڈیکل افسر ایک انگریز تھا - اُسنے ایک سال پہلے کنگز کالج لندن سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی تھی اور آئی ایم ایس ہو کر ہندوستان آیا تھا - وہ میڈیکل کالج مین اناٹمی (علم تشریح الاجسام) پڑھاتا تھا - لیکن لڑکے اس سے بالکل خوش نہ تھے - کیونکہ وہ صرف کتابی مضامین کو رٹ کر لفظ بلفظ جماعت کے سامنے سنا دیا کرتا تھا عملی اناٹمی سے اُسے کچھ سروکار نہ تھا -

خیر - وہ میرا افسر تھا اور مین اُسکا ماتحت جسوقت وہ وارڈ مین آتا تھا - مجھے اُسکے پیچھے پیچھے چلنا پڑتا تھا - مین اپنی راے سے کوئی کام نہ کر سکتا تھا بلکہ مجھے ہمیشہ اُسکی ہدایتون پر عمل کرنا پڑتا تھا - مجھے اجازت نہ تھی کہ اُسکے کسی کام پر نکتہ چینی کرون - خواہ وہ غلطی ہی پر کیون نہو - مین آجتک یہ نہ سمجھ سکا کہ گورنمنٹ نے کن اُصولون کی بنا پر ہندوستانیون اور انگریزون مین

امتیازی صورت قائم کر رکھی ہے۔ مین اپنے افسر سے کسی بات مین کم نہ تھا (بلکہ بعض باتوں مین اُس سے بڑھ چڑھکر تھا) اگر مجھ مین بمقتضائے بشریت کچھ خامیان تھین تو ویسی ہی بلکہ اُس سے بھی زیادہ میرے انگریز افسر مین موجود تھین۔ بارہا اُسکا اپریشن جانستان ثابت ہو چکا تھا لیکن پھر بھی وہ بارہ سو روپیے ماہوار پاتا تھا اور مین صرف ایک سو بیس۔ میرے خیال مین مجھ مین اور اُسمین فرق صرف اسقدر تھا کہ وہ انگریز تھا اور مین ہندوستانی۔

اُسکا نام میجر واٹسن تھا وہ بذات خود نہایت شریف آدمی تھا لیکن بطور افسر کے اُسے گورنمنٹ کے مقرر کردہ اُصولوں کی پابندی لازمی تھی۔

تیل اور پانی ایک برتن مین ہون تو بھی وہ آپس مین نہین ملتے۔ الگ الگ ہی رہتے ہین۔ اسی طرح مشرق ہے اور مغرب مغرب۔ دونون نہ کبھی ملے ہین اور نہ ملین گے۔ ہسپتال مین دو تین گھنٹے تک میرا اور میجر واٹسن کا ساتھ رہتا تھا۔ لیکن ہسپتال کے باہر سولے تیرے دن کے نہ مین کبھی اُنسے ملنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور نہ کبھی اُنھون نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ اپنی کوٹھی پر اپنے ہموطنون کے ساتھ خوش خوش وقت گزارتے تھے۔ اور مین اپنے گھر پر۔ نہ اُنھین کچھ ہندوستانی سوسائٹی کی خبر تھی اور نہ مجھے کچھ انگریزون کی بابت علم تھا۔ مین اکثر یہ خیال کرتا تھا کہ مغربی فرشتون کے دن ہندوستان مین بڑے مزے سے کٹتے ہین انکی زندگی کا ایک ایک لمحہ مسرت مجسم ہے۔ اُنپر عیش و عشرت کا سایہ ہر وقت پرتو فگن رہتا ہے گویا خدا کی برگزیدہ مخلوق وہی ہین۔ اور ہم تو صرف انکی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہین۔ خدا جانے کہ میجر اور اُسکے ساتھیون نے بھی کبھی اپنی آنکھون کے سامنے ہندوستانیون کی حالت زار کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی یا نہین۔ شاید اُنھین ایسا کرنے کی فرصت ہی نہ ملتی ہو

(۲)

بچپن سے میرا یہ عقیدہ تھا کہ یونانی اور ویدک علاج مین انمول رتن بھرے پڑے ہین۔ لیکن بی۔ اے پاس کرنیکے بعد جب مین نے دیکھا کہ حکیمون اور ویدون کو کوئی نہین پوچھتا اُنکے نسخے حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہین۔ اُنکے شربتون اور جوشاندون کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ سرکاری دفترون مین اُنکے تصدیق سے چھٹی تک منظور نہین کی جاتی۔ تو پھر مین کیون اپنی شہرت

راستہ مین کانٹے بوتا - اور ان بوسیدہ چیزون کی طرف توجہ کرتا - ایلوپیتھی کی حکومت دیکھکر مین بھی بادلِ ناخواستہ یونانی اور ویدک سے دست بردار ہو گیا تھا اور میڈیکل کالج مین داخل ہو کر ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی تھی -

مگر ڈاکٹر بننے پر بھی ویدک اور یونانی حکمت کی عزت میرے دل سے کچھ کم نہین ہوئی - مجھے اب بھی یقین ہے کہ اگر ویدک اور یونانی حکمت کے مجموعہ مین موجودہ سرجری (علم جراحی) کو شامل کر کے ایلوپیتھی کے بجائے کام کیا جائے تو روزانہ تعداد اموات مین بہت کچھ کمی ہو سکتی ہے -

سرطان المعدہ ایک نہایت ہی مہلک مرض ہے - اسمین علاوہ اور تکلیفون کے معدہ مین اس شدت سے درد ہوتا ہے کہ جینا دوبھر معلوم ہوتا ہے - موجودہ ڈاکٹری طریقہ علاج مین اس کا کوئی علاج نہین -

یورپ اور امریکہ کے کئی بڑے بڑے اشخاص اسی نامراد مرض کے پنجہ مین پھنسکر راہی ملک عدم ہو چکے ہین - انھین سے ایک نے مرتے وقت وصیت کی تھی جو شخص پانچ سال کے عرصہ مین سرطان المعدہ کا علاج بغیر آپریشن کے نکالے اُسے میری جائداد مین سے ڈیڑھ لاکھ پونڈ بطور انعام دیے جائین - یہ وصیت نامہ اخبار مین پڑھکر میرے منھ مین پانی بھر آیا - مین نے اپنے دل سے کہا - لو اب موقع ہے - دنیا مین نام پیدا کرو اور روپیہ بھی حاصل کرو -

ابتداے ۱۹۲۸ء سے مین کامل مصروفیت کے ساتھ ادھر متوجہ ہوا - ہسپتال کے کام کے بعد ویدک اور یونانی کتابون کا مطالعہ شروع کر دیا - یونانی کتب مجھے اُردو مین مل گئین اور ویدک کتب کا مطالعہ مین خود آسانی سے کر سکتا تھا کیونکہ سنسکرت مین مجھے کافی دستگاہ تھی -

لیکن ان کتابون کے مطالعہ سے کچھ بھی فائدہ نہوا - کیونکہ تقریباً سب نے مرض سرطان کو لاعلاج قرار دیا تھا - صرف سنسکرت کی ایک کتاب مین ایک شلوک تھا کہ مرض سرطان کا علاج گرش نام ایک سیاہ رنگ کا لمبا سا کیڑا ہے جو کہ سنتھر کے جنگلون کی گیلی زمین مین پایا جاتا ہے - اگر اُس کیڑے کا عرق تیار کر لیا جائے تو پندرہ روز کے استعمال سے سرطان جڑ سے اُکھڑ جاتا ہے - اب لفظ سنتھر کا کچھ پتہ نہ چلتا تھا - متعدد لغت کی کتابین دیکھ ڈالین - سنسکرت کے عالمون سے پوچھا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکل سکا - ساری محنت برباد معلوم ہوتی تھی -

ایک دن جبکہ وارڈ کی رونڈ کے بعد میجر واٹسن ہسپتال سے جا چکا تھا میں اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا سنسکرت کے ایک لغت کی ورق گردانی میں مصروف تھا اور بیدلی سے کتاب کے صفحے اُلٹ پلٹ رہا تھا۔ اتنے میں چپراسی نے اندر آکر کہا "حضور ایک نیا مریض ہسپتال میں داخل ہونے کے لیے آیا ہے۔"

میں نے کتاب بند کردی۔ اور چپراسی سے کہا "اُسے یہیں لے آؤ"۔ مریض ایک ہٹا کٹا جوان تھا۔ اُسکے چہرہ کو دیکھنے سے کسی بیماری کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ اُسکے چہرہ پر سرخی تھی۔ میں نے اُسے دیکھکر حیرت سے پوچھا "کیوں؟ کیا شکایت ہے؟"

اُسنے جواب دیا "حضور دس پندرہ روز سے مجھے دوسرے تیسرے دن کھانا کھانیکے بعد قے آجاتی ہے جسمیں سیاہ رنگ کے لمبے لمبے کیڑے ہوتے ہیں۔

یہ کہکر اُسنے اپنی جیب سے ایک ڈبیہ نکالی۔ اور ڈھکنا کھول کر میرے ہاتھ پر رکھدی۔ اسمیں بیس پچیس سیاہ رنگ کے کیڑے تھے۔ اُنمیں سے ایک کو نکال کر میں نے میز پر رکھا۔ وہ نہایت ہی چکیلا تھا۔ اور اُسکا جسم بڑا ملائم تھا۔

میں نے پوچھا "یہ شکایت شروع کیسے ہوئی؟

وہ کہنے لگا۔ میں ورکشاپ میں ملازم ہوں۔ عرصہ پانچ چھ ماہ کا ہوا۔ کہ میرے پیٹ میں درد شروع ہوگیا۔ جس وقت درد شروع ہوتا تھا میں مارے تکلیف کے تڑپتا رہتا تھا۔ کچھ دن بعد مجھے خون اور پتھری کی قے آنے لگی۔ بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کو دکھایا۔ لیکن سب نے جواب دیدیا اُن دنوں میری حالت نہایت دردناک تھی۔ رات کو میرے پاس کوئی پانی پلانیوالا بھی نہوتا تھا محلے والے میری چیخ و پکار سنکر اُلٹے مجھی کو بددعا دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ میری تمام پونجی ختم ہوگئی۔ اب مجھے کھانے پینے کی بھی تکلیف ہونے لگی۔ پردیس میں بے یار و مددگار مرنے کو طبیعت نہ چاہی۔ وطن کی آب وہوا نے کشش کی چار و ناچار وزیرآباد کا ٹکٹ لیکر گاڑی پر سوار ہوگیا۔ میرا گاؤں وزیرآباد سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے۔ وزیرآباد کے اسٹیشن پر میرا بھائی پہلے سے موجود تھا۔ گاڑی سے اُترکر ہم دونوں یکہ پر سوار ہوکر اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہوگئے۔

ابھی پانچ چھ کوس ہی گئے ہونگے - کہ میری تکلیف بڑھ گئی - تانگہ کو روک کر میرے بھائی نے مجھے نیچے اُتارا - اور ایک آم کے نیچے سایہ مین لٹا دیا - قریب ہی ایک چھوٹا سا تالاب تھا - بھائی نے اُسی مین سے تھوڑا سا پانی لیکر میرے مُنھ پر چھینٹے مارے - اور کلی کرائی - مین نے ایک آدھ گھونٹ پی بھی لیا - چند منٹ بعد مجھے پھر پیاس لگی - مین نے پانی مانگا - تالاب کا پانی گدلا تھا - بھائی ٹال مٹول کرنے لگا - یہ بہت گدلا ہے - گانون اب ایک کوس تو رہ گیا ہے وہین چلکر پی لینا - لیکن مجھے پیاس سخت لگی ہوئی تھی - مین نے کہا - نہین - مین یہی پیونگا - صاف پانی کا انتظار کرتے کرتے تو جان نکل جائے گی

آخر مجبور ہو کر بھائی نے اُسی پانی کے دو چار گھونٹ پلا دیے - پانی پی کر مجھے کچھ تسکین ہوئی اور ہم دونون پھر یکہ مین بیٹھ کے روانہ ہو گئے -

گھر پہونچ کر مجھے اپنی طبیعت کچھ بحال معلوم ہونے لگی - رات کو کچھ کچھ نیند بھی آگئی صبح کے قریب مین نے خواب مین دیکھا کہ ایک سبز پوش سفید ریش بزرگ مجھسے ارشاد فرما رہے ہین کہ بیٹا - جس تالاب کا پانی تو آج پی کر آیا ہے - اُسکے قریب ہی ہمارا مزار ہے - اگر تجھے صحت کی خواہش ہے تو اُسی تالاب کا پانی پندرہ بیس روز اور استعمال کر - انشاءاللہ صحت ہوگی اسکے بدلے مین فقط ہمارے مزار پر دو اینٹ لگا دینا

صبح کو اُٹھکر مین نے بھائی سے یہ خواب کہا اُسے فوراً یقین آگیا - وہ اُسی وقت ایک معمار کو ساتھ لیکر سبز پوش کے مزار پر گیا - اور اُسے ازسرِنو پختہ بنوا دیا - پھر شام کے قریب تالاب سے ایک گھاگر بھر کر لے آیا - مین نے پندرہ بیس روز تک وہی پانی استعمال کیا - بیماری بالکل دور ہو گئی اور پھر کچھ شکایت باقی نہ رہی - لیکن اب دس پندرہ روز سے دوسرے تیسرے دن کھانا کھانیکے بعد قے ہو جاتی ہے - جسمین یہ کیڑے ہوتے ہین - مجھے اس سے کوئی تکلیف نہین ہوتی بلکہ طبیعت کو ایک راحت سی محسوس ہوتی ہے -

مریض کی باتین سُنکر مین خوشی سے اُچھل پڑا - بلی کو خواب مین بھی چھیچھڑے نظر آتے ہین اُسکی باتون سے مین نے اپنا ہی مطلب نکالا - مین نے سوچا کہ شاید یہ سرطان المعدہ مین مبتلا ہو گیا تھا ممکن ہے کہ اُسنے سنتر کے جنگل کے کسی تالاب کا پانی پیا ہو جسمین کرش نامی کیڑون

کا جوہر شامل ہو۔ پانی کے ساتھ ہی اُن کیڑون کے چند انڈے بھی معدے مین پہونچے ہون۔ جوہر کے اثر سے مرض دور ہو گیا ہو لیکن ساتھ ہی انڈے کیڑون مین تبدیل ہو کر پیٹ مین بڑھتے رہے ہون۔ اور اب وہی قے کے ذریعے باہر نکل رہے ہین۔

رفتہ رفتہ میرا قیاس یقین کے درجہ تک پہونچ گیا۔ چالیس سال کی عمر تک بے اولاد رہنے والی عورت کو اپنی کامیابی پر اتنی خوشی نہ ہوتی ہوگی جتنی کہ اُسوقت مجھکو ہوئی۔ میرے تخیل نے ایک ولایتی اخبار کا پرچہ میری آنکھون کے سامنے کھڑا کر دیا۔ جسپر موٹے حروف مین لکھا ہوا تھا

ایک ہندوستانی ڈاکٹر کی حیرت انگیز ایجاد!

سرطان المعدہ کا تیر بہدف علاج دریافت ہوگیا!!

مین اپنی دلی تمناؤن کو بار ور ہوتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ میرا دل بہت جلد نصیب ہونیوالی شہرت اور دولت کے خیال سے دھک دھک کر رہا تھا۔ مین نے اُس مریض سے پوچھا۔ تمھارے گانون کا کیا نام ہے؟"

"چک ..."

(۳)

دفعتہً کمرے کا دروازہ کھلا۔ اور اندر میجر داسن آپہونچا۔ اُسکو دیکھکر مین حیران ہوگیا اور مریض گھبرا گیا۔ وہ گانون کا نام بھی پورا نہ ادا کر سکا،

میجر کی آمد خلاف توقع تھی۔ وہ آتے ہی مریض سے مخاطب ہوا "ویل کیا ہے؟"

مریض نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ ذرا حوصلہ کر کے بولا "حضور مجھے قے مین کیڑے آتے ہین"

"اوہ کوئی ڈر کا بات نہین۔ آؤٹ ڈور وارڈ مین دکھا آئے ہو؟"

مریض مطلب نہین سمجھا۔ پاس ہی کھڑے ہوئے چپراسی نے اُسے سمجھایا۔ تو بولا نہین حضور! پہلے اُدھر دکھا آؤ۔ اگر وہان کا ڈاکٹر کہے۔ تو یہان آجانا۔

مریض فوراً اُٹھکر باہر چلا گیا۔ مین بھی کیڑون کی ڈبیا ہاتھ مین لیکر اُسکے پیچھے چلا۔ کہ میجر نے مجھے روک لیا۔ کہنے لگا۔ "واہ خوب ملے۔ مین تمھارے پاس آیا ہون۔ اور تم باہر جاتے ہو" مین نے لجاجت آمیز لہجہ مین کہا۔ ذرا اُس مریض سے ایک بات پوچھنی ہے۔

پھر پوچھ لینا۔ میری بات سنو۔ اسی جمعہ کو ناک کا ایک اپریشن کرنا ہے۔ اسمین مجھے تمہاری امداد کی ضرورت ہے۔ زرا ایک دو دن لگا کر ناک کی اناٹمی کو اچھی طرح یاد کرلو۔

مجھے اسکی بات پر سخت غصہ آیا۔ لیکن مین ماتحت تھا۔ کیا کہتا۔ غصہ کو دبا کر بولا "مجھے پہلے ہی سے اچھی طرح یاد ہے۔

نہین، نہین۔ ایک دفعہ پھر یاد کرلو!!

مین نے مجبوراً کہا۔ "اچھا"

مین نے سمجھا کہ اب شاید وہ چلا جائیگا۔ اور مجھے مریض سے ملنے اور اُسکے گاؤن کا پتہ پوچھنے کا موقع ملے گا۔ لیکن بجائے جانیکے وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور خلاف معمول میرے ساتھ ہنس ہنس کر باتین کرنے لگا۔ بولا "مسٹر رتن ناتھ! مجھے مبارکباد دو۔ مس ایڈتھ نے میری بیاہ کی درخواست کو منظور کر لیا ہے،،

مین نے دلی جذبات کو دبا کر چہرے پر بناوٹی ملائمت پیدا کرلی اور مصنوعی جوش کے ساتھ بولا۔ مبارک۔ مبارک۔ دعوت کب دیجیے گا۔

"جب مرضی ہو کھاؤ!!

میجر کے چہرے سے خوشی ٹپکی پڑتی تھی۔ لبون پر مسکراہٹ نمایاں تھی۔ خوشی کے مارے اُس سے کرسی پر اچھی طرح سے نہ بیٹھا جاتا تھا۔ اٹھکر کمرہ مین ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔

میری بےچینی بڑھنے لگی

سچ ہے غلامی کی زندگی بدترین زندگی ہے، میری امیدون کا ہاتھ دامن مقصود تک پہونچ چکا تھا۔ میری تمناؤن کی کشتی ساحل کامیابی کے قریب تھی۔ لیکن میری نوکری میری دشمنی پر آمادہ تھی۔ مین مریض سے ملنا چاہتا تھا۔ اُس سے خزانہ غیب کی کنجیان حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میجر میرے آگے اپنی خوشیون کا راگ الاپ رہا تھا؟ غلامی کی زنجیر میرے پاؤن مین تھی اور اُسکا ایک سرا میجر واٹسن کے ہاتھ مین

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میجر بولا۔ "اس کرسمس کو ہماری شادی ہوگی۔ دلھن کے لیے کچھ تحفے کشمیر سے منگوا دوگے؟"

میرے ماما جی ریاست کشمیر مین بڑے بھاری سوداگر تھے۔ اُنھین کی دوکان سے مین نے پہلے بھی کئی دفعہ میجر کے لیے چند چیزین منگوا دی تھین۔ مین اُسوقت دل مین پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اور سوچتا تھا کہ اب شاید وہ مریض مجھے کبھی نہ ملے گا۔ مین نے میجر کی بات سُنی تو سہی۔ لیکن کوئی جواب نہین دے سکا۔ میجر ہنسا۔ اور بولا "گھبراؤ مت۔ مُفت نہین منگواتا۔ یہ لو ہزار روپے کے نوٹ اپنی پسند کے مطابق جو چیزین چاہو منگوا لو۔

مین نے جواب دیا۔ نہین، نہین۔ ابھی اپنے پاس ہی رکھیے۔ جب چیزین آجائینگی۔ تب دام لے لون گا۔

اسی طرح تیس چالیس منٹ تک باتین ہوتی رہین۔ آخر میجر سے چھٹکارہ ملا لیکن اُسوقت اوٹ ڈور وارڈ بند ہو چکا تھا۔ مریض کو کہان ڈھونڈھتا۔ اگلے دن مین اوٹ ڈور وارڈ مین گیا۔ وہان کے ڈاکٹر سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ وہ مریض اُسکے پاس آیا تھا۔ اور دوا لیکر چلا گیا۔ اُسکا نام کتاب مین گاما لکھا ہوا تھا۔

اُس دن کے بعد کبھی وہ مریض ہسپتال مین نہ آیا۔ اسلیے مین نے ورکشاپ مین اُسکا پتہ دریافت کرنے کی کوشش کی۔ وہان گاما نام کے بیسیون آدمی تھے۔ کوئی غلام محمد کوئی غلام رسول کوئی غلام حسین کوئی غلام علی۔ سبھی گاما کہلاتے تھے۔ لیکن اُس خاص گاما کا کوئی پتہ نہین چلا۔

مجھے میجر نے تباہ کر دیا۔ میری تمام اُمیدون کو خاک مین ملا دیا۔ مگر مین اُسے کچھ نہین کہہ سکتا تھا دل ہی دل مین پیچ و تاب کھاتا رہا۔

ایک دن مجھے خیال آیا کہ شاید گاما گپ ہانک گیا ہو۔ وہ کوئی جعلساز ہو۔ اور صرف مجھے لوٹنے کے لیے کہانی گھڑ لایا ہو۔ مین نے اُسی دن الماری سے کیڑون والی ڈبیا نکالی۔ کیڑون کو ڈس انفکٹ کرنے کے بعد مین نے اُنکا عرق تیار کیا۔

اُن دنون ہسپتال مین میرے ہی وارڈ مین ایک سرطان المعدہ کا مریض تھا۔ مین نے اپنا تیار کردہ عرق اُسپر آزمانا چاہا۔ اسلیے میجر سے اجازت طلب کی۔ لیکن اُسنے میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ کہنے لگا۔ کیا خوب! سرطان کی دوائی تیار کر کے لائے ہو۔ اپنا آبِ حیات اپنے پاس ہی رکھیے مین ایک انسانی جان کو آپ کا کھلونا بنانے سے معذور ہون۔"

نہ مجھے بیحد غصہ آیا۔ مین نے کہا۔ اگر مجھکو اتنا بھی اختیار نہین تو مین نوکری سے استعفا دیتا ہون
مبجر پر میری اس دھمکی کا کوئی اثر نہوا۔ وہ اُسی طرح مُسکراتا رہا۔ مین ندامت اور غصہ سے
باہر نکل آیا۔ عرق کی بوتل اُسکی میز پر ہی رہ گئی

(۴)

چند منٹ کے لیے مین خیالی دُنیا مین لکھ پتی بنگیا تھا۔ پھر یک لخت مجھسے سب کچھ چھین لیا گیا۔ میرے دل کو سخت صدمہ پہونچا۔ مین اپنے آپ کو دیوانہ سمجھنے لگا۔

ٹوٹے ہوے دل سے پرائویٹ پریکٹس شروع کر دی۔ لیکن مریض بہت کم آتے تھے۔ اور نہ مجھے بھی بہت مریض دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔ مین یا تو اکیلا بیٹھکر اُس نادر موقعہ کے ہاتھ سے چھن جانے پر آنسو بہایا کرتا تھا۔ اور یا وزیر آباد کے قرب وجوار مین بادیہ پیمائی۔

موچی کی نظر بازار مین چلتے ہوئے آدمیون کے جوتون کی طرف لگی رہتی ہے۔ اور نائی کی چہرون پر۔ اسی طرح مین بھی جنگلون مین پھرتے وقت زمین پر رینگنے والے کیڑون کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ ایک بڑا سا چاقو ہمیشہ میری جیب مین رہتا تھا۔ جس جگہ ذرا شک گزرتا۔ وہین چاقو سے زمین کھودکر چھپے ہوے کیڑون کو نکالتا۔ لیکن سب بیفائدہ۔ کیڑا نہ ملنا تھا اور نہ ملا۔

گاماں جو کیڑے مجھے دے گیا تھا۔ اُنمین سے ایک ابھی تک میرے پاس بچا ہوا تھا۔ اُسے مین نے ڈیرہ دون کالج کے علم الحیوانات کے پروفیسر کے پاس بھیجدیا۔ اور پوچھا کہ یہ کیڑا کس قسم کا ہے اور کہان پایا جاتا ہے۔ جواب مین پروفیسر نے لکھا۔ اس قسم کا کیڑا آجتک میری نظر سے نہین گزرا۔ اور نہین کہا جا سکتا کہ یہ کہان پایا جاتا ہے۔

آخر قطعاً ناامید ہوکر مین اپنی پریکٹس مین مشغول ہوگیا۔ اب اُس واقعہ کو تقریباً مین بھول چکا تھا کیونکہ پریکٹس ہی سے مجھے فرصت نہ تھی۔ اتفاقاً ایک دن مجھے ایک چٹھی ملی جسکے مضمون نے دبے ہوے زخم کے مُنھ کھولدیے۔ پرانے انگور ہرے ہوگئے۔

یہ چٹھی میجر واٹسن کی تھی اُسمین لکھا تھا۔

میرے پیارے رتن ناتھ

ڈیڑھ برس کے قریب ہوا۔ مین نے اپنے کمرہ مین جو سلوک آپ کے ساتھ کیا تھا۔ اُسپر بیحد نادم ہون

اُسوقت مجھ سے ایک نہایت ہی سخت غلطی سرزد ہوگئی تھی جسکی تلافی تقریباً ناممکن ہے۔ مین آپ سے معافی مانگتا ہون۔

آپ اُسوقت اپنا تیار کردہ عرق میرے ہی کمرہ مین بھول گئے تھے۔ وہ میرے لیے آب حیات ثابت ہوا۔ اُسنے میری زندگی کی راحت و مسرت کو پامال ہونے سے بچا لیا۔ میری بیوی کا ہاضمہ شروع سے خراب تھا۔ کوئی چھ ماہ کے قریب ہوئے۔ بدہضمی سرطان المعدہ مین تبدیل ہوگئی۔ کوئی معالجہ کارگر نہ ہوا آخر اُسکی زندگی سے مین بالکل نا اُمید ہوگیا۔ اچانک ایک دن مجھے آپ کے عرق کا دھیان آگیا مین نے یون ہی بیدلی کے ساتھ اُسے استعمال کرایا۔ پہلی خوراک دیتے وقت مجھے یقین تھا کہ صحت کی اُمید خام خیالی ہے۔ لیکن آپ کے عرق نے کمال کردیا۔ مُردہ جسم مین جان آگئی۔

ایسی حیرت انگیز اور زندگی بخش ایجاد پر مین آپ کو دل سے مبارکباد دیتا ہون۔ مین سخت شرمندہ ہون۔ کیونکہ اتنی مدت تک اِس آب حیات کو دنیا کی نظر سے دور رکھنے کا گنہگار مین ہی ہون۔ لیکن اسمین سارا قصور میرا ہی نہ تھا۔ آپ جانتے ہین کہ گورنمنٹ کا نظام ہی کچھ ایسا ہے کہ کسی ہندوستانی کے ہاتھ مین کوئی ذمہ داری کا کام نہین دیا جاسکتا۔ اُسوقت اگر مین نے آپ کو اس عرق کا تجربہ نہ کرنے دیا۔ تو مین مجبور تھا ہسپتال کا قاعدہ ہی یہی ہے۔

لیکن اب مین نے ایک نیا سبق حاصل کرلیا ہے کہ فہم و فراست کے تنہا ٹھیکہ دار صرف گورے ہی نہین بلکہ ہندوستانی بھی ہین۔ مین آپ کو یقین دلانا چاہتا ہون کہ اب مین ہمیشہ ہندوستانیون کو اُنکے حقوق دلانے کی جی جان سے کوشش کرون گا۔

خیر جو ہوگیا سو ہوگیا۔ اب آپ کو فوراً سرطان ٹرسٹ کے سامنے ڈیڑھ لاکھ پاونڈ کے انعام کا دعوی پیش کرنا چاہیے۔ مین آپ کی مدد کرنے مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھون گا۔

اس سنیچر کو پانچ بجے شام مین مسز واٹسن کے ساتھ شکریہ ادا کرنے کے لیے آپ کے دولتخانہ پر حاضر ہونگا۔

آپ کا مخلص

واٹسن

. . . .

اور جب سنیچر کے روز مجر واٹسن اپنی بیوی کے ساتھ میرے گھر آیا۔ مین نے اُسے گاما کی تلاش اور

ڈیڑھ سال کی دوڑدھوپ اور بربادیٔ پیمائی کا تمام حال سنایا۔ سنکر آپ بحد پیچ ہو۔ سر نیچا کیے بولا مسٹر رتن ناتھ مین آپ کا گنہگار ہون۔ یہ میرا قصور ہے۔

مین نے آہ سرد بھری اور آہستگی سے جواب دیا۔ نہین جناب آپ کا نہین۔ یہ سب میرے ہندوستانی ہونے کا قصور ہے۔

گوپال کرشن پاس

شریر ڈاکیہ

پیاری مان! مجکو بتاؤ کہ تم دروازہ پر خاموش کیون بیٹھی ہو!

کھڑکی مین سے بارش کی بوندین آرہی ہین۔ تم بھیگ رہی ہو۔ نہ معلوم تم کیون چپ ہو،

کیا تم نہین سنتین کہ گجر چار بجا رہا ہے؟ بھائی اسکول سے آتے ہونگے!

تم اسقدر حیرت زدہ کیون معلوم ہوتی ہو۔ کیا والد ماجد کا آج خط نہین آیا!!

مین ڈاکیہ کو خط لاتے ہوے دیکھتا ہون۔ وہ گانون کے تقریباً ہر شخص کو خط دیتا ہے صرف والد صاحب کا خط خود پڑھنے کیلیے رکھ لیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ڈاکیہ بڑا شریر ہے

پیاری مان لیکن تم افسوس نہ کرو۔

کل دوسرے گانون مین بازار لگے گا۔ ملازمہ سے کہدو کہ قلم و کاغذ خرید لائے مین اباجان کو خود خط لکھونگا، غالباً تم کوئی غلطی نہ نکال سکوگی۔

لیکن امان!!! تم کیون مسکرا رہی ہو؟

شاید تم یقین نہ کرو کہ مین والد صاحب کی طرح بہت اچھا لکھ سکتا ہون!

مین کاغذ پر سطرین کھینچونگا۔ اور اچھے اچھے صاف الفاظ لکھونگا۔ جب مین خط ختم کرونگا تو کیا تم خیال کرتی ہو کہ مین والد صاحب کی طرح بیوقوفی کرونگا کہ وحشی ڈاکیہ کے تھیلے مین خط ڈالدون۔

مین خط لاؤنگا۔۔۔۔ اور تمکو ایک ایک لفظ پڑھکر سناؤنگا۔

ٹگور

ڈاکیہ اپنے اچھے خط تمکو کیون نہین دیتا۔

(تماشائی بریلوی)

برسات

چھائین گھٹائین چرخ کہن کجلی بن ہوا — بحرِ سیہ مین پیل فلک غوطہ زن ہوا
صحرا بھی سبزہ زار بہ شکلِ چمن ہوا — پیدا دلون مین شوق شراب کہن ہوا
ہان زاہدانِ توبہ شکن ہوشیار ہو
ٹٹی کی آڑ مین بطے کا شکار ہو

مشرق سے کالی کالی امنڈتی ہین بدلیان — پہنے ہو جیسے فوج حبش نیلی وردیان
کوثر سے بھر کے لائی ہین حورین صراحیان — ہے عزم ہند پہنے ہین زنگاری ساریان
ابرِ سیہ نے پردۂ نیلی کو چھا لیا
ان ٹھنڈی گرمیون سے فلک کی بچا لیا

دَل بادلون کے کیسے دھوان دھار آتے ہین — چھایا فلک پہ مارتے ہر سمت چھاتے ہین
باتین ہوا سے کرتے ہین بل کیسے کھاتے ہین — کیسے گرجتے گھومتے برسات لاتے ہین
ٹکراتے ہین پہاڑ سے لڑتے ہوا سے ہین
جھلا کے کیسا کیسا گرجتے برستے ہین

ہین مینھ کی یہ دھارین کہ سلکِ گہر ہین یہ — ہین بادلے کے تار کہ تارِ نظر ہین یہ
پانی کے بوندیں ہین تو معجز اثر ہین یہ — آکر زمین پہ بنتے گیاہ و شجر ہین یہ
دانے یہ بالیون مین صدف ہین گہر بنے
سامان عیش و راحت و قوت بشر بنے

پانی پڑا تو دانے اُگے برگ و گُل بنے — دھو کر نکھر کے سرو و صنوبر بنے ٹھنے
بے برگ و بار شاخین وہ سوکھے جلے تنے — پھر لہلہائے بن گئے بو وے گھنے گھنے

وہ قوتِ نمو ہے جہان مین بڑھی ہوئی
کھلنے لگی ہے کپڑے پہ بوٹی کڑھی ہوئی

قوس قزح نے چرخ پہ دکھلایا وہ سمان — صف باندھین جیسے نہر مین رنگین مچھلیان
بجلی چمک کے ابر مین ہوتی ہے یون نہان — ظالم کے دل مین آکے مٹین جیسے نیکیان
بدلی چھنٹی تو انجم فلک جھلملاتے ہین
تارون کی چھاؤن سیر کو معشوق جاتے ہین

دلکش ہے رُت سہانا سمان باد خوشگوار — پھولی شفق ہے بجلی چمکتی ہے بار بار
سبزے مین جان پڑتی ہے پڑتی نہین پھوہار — پتون پہ ہین یہ بوندین کہ تو لوئے آبدار
بگلے پرے جماتے ہین دریا پہ آن کر
یا کہکشان کے گرد ستارے ہین جلوہ گر

نظارہ بخش صحن چمن مین ہے یاسمن — سنبل پہ جعد شاہد رعنا کی ہے پھبن
جوہی چمیلی کامنی نسرین و نسترن — ہین گلعذار غنچہ دہن یاسمین بدن
حوران خلد کا ہے جھمکڑا چمن مین آج
پھولے نہین سماتے ہین گل پیرہن مین آج

باغون مین سیر کرتے ہین معشوق گلعذار — کمسن حسین غنچہ دہن شوخ طرحدار
جھولون پہ جھوم جھوم کے گاتے ہین وہ ملار — بیخود ہین رند حضرت واعظ ہین بیقرار
سب کچھ ہے پر ظہیر ہے کیا واسطہ تمھین
زنجیر پا سے کم نہین یہ زخم پا تمھین

منموہن دیال ظہیر
ڈپٹی کلکٹر



جذبات جوش

ڈرو دنیا سے بے شرمی پہ یہ مجبور کرتی ہے
خرد کے آئینے کو دوست بنکر چور کرتی ہے
اُمید دن کو نیا کرتی ہے، کہنہ جسم انساں کو
فنا کے پاس لاتی ہے، خدا سے دور کرتی ہے

زندگی کہتی ہے "غافل! میں فنا کا باب ہوں
چھیڑتے ہیں ساز غم جس سے میں وہ مضراب ہوں
عافیت سے دور رکھتی ہوں، بلاؤں سے قریب
منتشر بادل کا سایہ ہوں، پریشان خواب ہوں"

دل کا ایمان کے خورشید سے مشرق ہونا
قوتِ عقل کا فطرت کے موافق ہونا
راست گوئی کی ہو درحاصل یہ جامع تعریف
نطق کا وضع الٰہی سے مطابق ہونا

اِک وبا ہے عالم اخلاق میں اُسکا وجود
تجھ میں اک ذرہ بھی غیرت ہو تو اُس ظالم سے ڈر
اُس کمینے سے حذر کر، بھاگ اُس منحوس سے
خرچ کر ڈالے جو عزت اور بچالے مال و زر

مجھکو دیکھا ہے مصیبت میں تو اب آتے نہیں
اپنے وعدوں سے ستم ایجاد شرماتے نہیں
جنکے دعوے تھے پسینے پہ بہا دیں گے لہو
خون پر میرے پسینہ بھی وہ ٹپکاتے نہیں

زندگی کیا لذت عصیان کی ناداں غور کر
برق بن کر ڈھائے پر اک تنکا ہی جو بہ جائے گا
دیکھتے ہی دیکھتے لذت فنا ہو جائے گی
اور عذاب اُسکا ہمیشہ کے لیے رہ جائے گا

بیوجہ نہین ہے یہ بھڑکنا دل کا　　　یون آگ کے مانند بھڑکنا دل کا
ہان زیست کا قفل توڑ دینے کے لیئے　　　ضربات مسلسل ہین دھڑکنا دل کا

غور کر نیند کی فراغت سے　　　موت کتنی بلند پایہ ہے
زندگی کیا ہے؟ دھوپ آتش ریز　　　سانس کیا ہے؟ دھوئین کا سایہ ہے

رات کی خامشی مین تیرا خیال　　　دافع غم ہے، وجہ تسکین ہے
برق سے بھی ہے بڑھ کے کچھ شفّاف　　　خواب سے بھی زیادہ شیرین ہے

جوش ملیح آبادی

جناب واقف

عشق کی دیوانگی مین بھی تو اتنا ہوش ہے　　　حال دل کہتی ہے آنکھین اور دل خاموش ہے
آج میخانے مین چشم مست ساقی کا ہے دور　　　سب کے سب بیہوش ہین پینے کا کسکو ہوش ہے
سیکھنا ہو جسکو سیکھے اس سے ضبط سوز عشق　　　شمع کے منھ مین زبان ہے اور پھر خاموش ہے
نجد مین لایا ہے اسکو قیس سے ملنے کا شوق　　　ہر بگولے سے ترا دیوانہ ہم آغوش ہے
بزم مین اٹھتی ہے آنکھ انکی نئے انداز سے　　　آج ساقی کی نگاہون مین کوئی مینوش ہے
میکدے مین بھی مجھے خون جگر پینا پڑا　　　ہاے بدمستی مین کسکا ہاتھ کس کا دوش ہے
ایک تم ہو جو نہین سنتے کسی عاشق کی بات　　　نغمہ زان گلشن مین بلبل گل سراپا گوش ہے
ہے عبث اب شمع تربت کا بجھانا نا ز سے　　　دیکھنے والا کسی کا خاک مین روپوش ہے

طائر دل زلف کے پھندے مین واقف آگیا
صید بھی نازک ہے نازک دام نازک دوش ہے

لطفِ سخن

جناب اصغر گونڈہ

ہر جنبش نگاہ تری - جان آرزو
موجِ خرام ناز ہے ایمان آرزو

جلوے تمام حسن کے آکر سما گئے
اللہ رے یہ وسعتِ دامانِ آرزو

مین اک چراغ کشتہ ہون شامِ فراق کا
تو نوبہارِ صبح گلستان آرزو

اسمین وہی ہین یا مرا حسنِ خیال ہر
دیکھون اُٹھا کے پردۂ ایوان آرزو

اک راز ہے تبسم غمناک، ہجر مین
ہے اک طلسم گریۂ خندان آرزو"

اب طور پر وہ برق تجلی نہین رہی
تھرا رہا ہے شعلۂ عریان آرزو

اسکی نگاہ ناز نے چھیڑا کچھ اسطرح
ابتک تڑپ رہی ہر رگ جان آرزو

اُس نوبہار ناز کی صورت کی ہوبہو
تصویر ایک ہے تہ دامان آرزو

چاہا جہان سے منظر فطرت بدل دیا
ہے کُل جہان تابع فرمان آرزو

کوثر کی فوج تھی تری ہر جنبش خرام
شاداب ہوگیا چمنستان آرزو

جناب احسن سنبھلی ناظم حلقۂ ادبیہ

غنیمت تھا سرِ شوریدہ بھی وحشت کے سامان مین
خیال آیا تو رخنے کردیے دیوار زندان مین

عجب وحشت برستی ہو مرے پہلو سے ویرانمین
کبھی رہتا تھا شاید کوئی وحشی اس بیابان مین

قفس مین آتے ہی از خود فراموشی ہوئی طاری
بس اتنا یاد ہے اپنا نشیمن تھا گلستان مین

کیا منھ بند اُسنے اس طرح فریاد محشر کا
مری یاد اُنکو کیون لے آئی تھی گورِ غریبان مین

دعائین دین اجل کو جاگنے والے شب غم کے
کہ اب سوتے ہین کس آرام سے گورِ غریبان مین

نہ پوچھو مجھ سے رودادِ اسیری مختصر یہ ہے
اجل آئی تھی پیغام رہائی لے کے زندان مین

کہین انکو نسے اے احسن نہ پردا فاش کردینا
چھپی بیٹھی ہے اک صورت حجاب راز پنہان مین